مکاتبت سلیمان

سید سلیمان ندویؒ کی علمی وعرفانی اور احسانی زندگی

اور

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی واصلاحی مکاتبت

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب مکاتبت سلیمان

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مکاتبت

انتخاب وترتیب : محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت : ۱۴۲۹ھ ۲۰۰۸ء

تعداد : ۱۱۰۰

صفحات : ۳۰۸

قیمت :

ویب سائٹ : www.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ ندوی بک ڈپو، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ الفرقان نظیر آباد۔ لکھنؤ

☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند اور دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ مقامی مجلس دعوت الحق مدرسہ سیدنا عمر فاروقؓ گلّو شاہ تکیہ چوک لکھنؤ ۳

☆ مکتبہ ابوالحسن محلّہ مبارک شاہ سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

☆ مکتبہ رشیدیہ محلّہ مبارک شاہ سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

فہرست

مکاتبت سلیمان

باب ۲

فصل ۱

فصل ۲

فصل ۳

فصل ۴

فصل ۵

فصل ۶

فصل ۷

فصل ۸

فصل ۹

باب ۳

باب ۴

باب ۵

باب ٦

باب ۷

باب ۸

باب ۹

سید صاحبؒ کے لکھے ہوئے چند مضامین

پہلا مضمون

دوسرا مضمون

تیسرا مضمون

چوتھا مضمون

دعائیہ کلمات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاتہ وفی افادتہ) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرہ المعارف انسائیکلوپیڈیا، تیار ہوتا جا رہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی ہمت افزائی او رقدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پا رہے ہیں۔

اطال ا للہ بقائہ وعمم نفعہ جزاہ اللہ خیرا.

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی
۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ باندوی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانہ طالبعلمی اکابرامت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسندارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ؎

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے۔ حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی (پانچ) درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

گذشتہ صدی میں ہندو پاک کی سرزمین میں رشد و ہدایت کی سرخیل شخصیتوں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک اہم ترین شخصیت گذری ہے جنھوں نے اس ملک میں اصلاح وارشاد کے کام کو غیر معمولی انداز عطا کیا اور ملک میں ان کے مسترشدین کی تعداد خاصی وسیع رہی اور ان میں متعدد کو دینی افادہ کے کام میں امتیاز حاصل ہے۔ یہ حضرات مسلمانوں کے مختلف اداروں اور حلقوں سے تعلق رکھتے تھے، انہیں اہم مسترشدین میں ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ناظم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا نام نامی بھی معروف طریقے سے ملتا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اسلامی وادبی، علمی و تحقیقی کاموں میں جو خاص انہماک اور مصروفیت رکھتے تھے، اس کی بناء پر ان کے لئے بظاہر اس مخصوص رخ کی طرف توجہ کرنے کا اندازہ زیادہ نہیں کیا جاتا تھا، لیکن انہوں نے علم کے ساتھ اس طرح کے عملی تقاضے کو بھی پوری اہمیت دی اور اس کے لئے اپنے عہد کے متعدد شیوخ باطن میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اختیار کیا اور ان کے سامنے زانوئے استرشاد طے کیا اور ایسی توجہ کا ثبوت دیا کہ جلد ہی اپنے شیخ کے معتمد بن گئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے بلکہ اپنے شیخ کی طرف سے بلند کلمات کے مستحق ثابت ہوئے۔

طریقہ ارشاد واسترشاد کے معاملات میں ملاقاتوں اور خطوط کو ایک بڑی افادیت رکھنے والے ذریعہ کی حیثیت حاصل ہے ان میں خطوط کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ

زیادہ مدت تک کام کرتے رہنے کا اور فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہیں، یہ خطوط شیخ کے ملفوظات کی قائم مقامی کا کام بھی انجام دیتے ہیں، لیکن اس کام کے لئے ان کو محفوظ رکھنے اور اشاعت پذیر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح وارشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیّتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ شروع کیا ہے، پیش نظر مجموعہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور ان کے شیخ طریقت حضرت تھانویؒ کے مابین خط وکتابت کو اور ربط وتعلق کے تذکرے کو تلاش بسیار کے بعد جمع کرلیا، اور شائع کررہے ہیں، امید ہے کہ اس سے خاصی افادیت سامنے آئے گی، اور اس افادیت کے طالبوں کو اہم باتیں معلوم ہوں گی، حضرت مولانا تھانویؒ کو جو علمی میدان میں وسعت اور عمق دونوں کے لحاظ سے جو مقام حاصل تھا اور اس کے ساتھ ان کو اصلاح باطن ورشد کے میدان میں جو بلندی اور اہمیت حاصل ہوئی اور اس سے جو افادیت عام ہوئی پھر مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خصوصیات جو ان کے علمی مقام سے تعلق رکھتی تھیں اس بات کی مقتضی تھیں کہ وہ صلاح و باطن ورشد کے معاملے میں بھی اونچا مقام حاصل کریں اور اس کے لئے ان کو حضرت تھانویؒ جیسا مرشد ہی ان کی ضرورت کو پورا کرسکتا تھا جس کو انہوں نے سمجھا اور اختیار کیا۔

مفتی زید صاحب نے اس کو ایک مفید اور بلند موضوع سمجھ کر جمع واشاعت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالی قبول فرمائے اور جزائے خیر دے۔ والسلام

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تقریظ

حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم

وکیل کلیۃ الشریعۃ واصول الدین دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

باسمہ سبحانہ وتعالی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

زیر نظر کتاب بعنوان ''مکاتبت سلیمان'' میرے لئے بڑی جاذب توجہ اور پرکشش تھی، عنوان کی تفصیل اس طرح ہے۔

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی واصلاحی مکاتبت''، جس نے جستجو اور تجسس کی کیفیت پیدا کردی۔

انتخاب وترتیب کا کام مولانا محمد زید مظاہری ندوی نے انجام دیا ہے، اس سے اس بات کا اطمینان ہوگیا اس میں احتیاط مسلک تھانوی کی برتی گئی ہوگی، مولانا زید ندوی اور مظاہری کی جدت وقدامت نے انہیں دوآتشہ بنادیا ہے، یعنی طرزِ قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچادیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنادیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، وہ حضرت تھانویؒ کی نسبت باطنی سے کس قدر فیضیاب ہیں یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن اس میں شک نہیں کہ تھانوی علوم ومعارف کی نسبت سے وہ کسی

"متخصص" اور "ڈاکٹر" سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے تو یہ درحقیقت ایک "نقش سلیمانی" ہے بلکہ ہم ندویوں کے لئے "خوان نعما" سے کم نہیں، ندوۃ العلماء کے گل سرسبد اس کے آسمان کے سب سے زیادہ روشن ستارہ، اس کی علمی تاریخ کے سب سے شاندار باب، اوراس کے قافلہ علماء کے سالار، سید الطائفہ، سیرت النبی کے مصنف حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ کے مکاتیب جو "فلما بلغ اشده وبلغ اربعين سنة" کی پختگی کے غماز، اور نفس انسانی کے کمالات روحانی اور سعادت ازلی وابدی کے حصول کے دقائق ولطائف سے متعلق استفسارات پر مشتمل ہیں اور مجدد سلوک وطریقت، مجدد اصلاح معاشرت، مجدد کمال دینی وجامعیت شریعت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بچے تلے، نظام شریعت، وتفقہ میں ڈھلے جوابات جو ایک مرشد کامل کے علوم ومعارف اسرار وحقائق اور نکات ولطائف کے ترجمان ہیں، پر مشتمل ہے، خواص اہل علم کے لئے خاصہ کی چیز ہے، یقیناً اس کا ہر ہر لفظ قدردان کی نگاہ میں ایسا ہی ہے جیسے قیمتی پتھر جوہری کی نگاہ میں۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں سے تنکے جمع کر کے ایک آشیانہ اہل سلوک کے لئے تیار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس سعی سعد کو قبولیت سے نوازے، اور مرتب کو علمی موتیوں کی تلاش میں کامیابیوں سے ہمیشہ بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

سلمان حسینی ندوی
استاذ کلیۃ الشریعۃ واصول الدین
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۵/ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم
ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

گزشتہ صدی میں ہندوستان میں جو اہم شخصیتیں پیدا ہوئیں، ان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیتیں سرفہرست رکھے جانے کے لائق ہیں اور آفتاب و ماہتاب کا درجہ رکھتی ہیں، پھر سید صاحب کا عین اس زمانہ میں کمال نیازمندی اور خودسپردگی کے ساتھ بارگاہ اشرفی میں پہنچنا جب ان کی شہرت و ناموری اور عروج و اقبال کا ستارہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا اور شاید اس باب میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا، ایک طرف حضرت تھانویؒ کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف سید صاحبؒ کے تلاش حق کے جذبہ اور اعتراف کی صلاحیت کی شہادت دیتا ہے، اسی لئے بارگاہ تھانویؒ میں علم و تحقیق اور نقد و ادب کی اقلیم کے اس بادشاہ کی بڑی قدر و قیمت تھی اور ان کے ساتھ اکرام و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا تھا۔

ان دونوں حضرات کی باہمی مکاتبت بھی اہل علم، اصحاب ذوق اور رہروان راہ طریقت کے لئے ایک بے مثال اور گرانقدر تحفہ ہے، ہمارے دوستوں میں محبی فی اللہ محترم جناب مولانا محمد زید مظاہری زید مجدہ بڑے موفق آدمی ہیں اور انہوں نے حضرت تھانویؒ کے افادات کو مضمون وار مرتب کر کے میکشانِ بادۂ اشرفی پر ایسا احسان کیا ہے کہ اس کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح انہوں نے ان دونوں بزرگوں کی باہمی مراسلت کو بھی مرتب کر کے افادات کو نئی زندگی عطا کی ہے، راقم الحروف کو بحالت مسودہ کہیں

کہیں سے ان مبارک خطوط کو پڑھنے کا موقع ملا ہے، اور امید ہے کہ جلد ہی اس سے پورا استفادہ کا موقع مل سکے گا۔

اللہ تعالی انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے، ان کے قلم میں اور بھی برکت ہو اور عوام وخواص اور مشائخ وعلماء کو ان کی ان کاوشوں سے استفادہ کا موقع ملے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

خالد سیف اللہ رحمانی

خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

۲۰/ دسمبر ۲۰۰۵ء

عرض مرتب

باسمہ سبحانہ وتعالی

علمی حلقہ میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں تبحر علمی کے ساتھ سلامت طبع، مزاج ورائے میں اعتدال وتوازن، تقریر وتحریر میں یکسانیت، تواضع وانکساری، اہل علم اور اصحاب فضل وکمال کا احترام، حق کی جستجو اور وضوح حق کے بعد لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر اس کے سامنے سرنگوں ہوجانا، اور وضوح حق کے بعد اپنی سابقہ رائے سے رجوع واعتراف کرلینا اور اس جیسے دیگر اوصاف حمیدہ، اخلاق فاضلہ آپ کے اندر اس درجہ پائے جاتے تھے کہ اہل علم وفضل کے ہر طبقہ میں آپ مقبول ومحبوب تھے، آپ کے یہ اوصاف آپ کے معاصر علماء کے نزدیک بھی مسلم اور قابل رشک تھے، اللہ تعالیٰ نے علمی مقام کے ساتھ آپ کو محبوبیت کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تحریر وتقریر ہر طبقہ میں قدر ومحبت کی نگاہ سے دیکھی اور پڑھی جاتی ہے۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا تھا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ جو علوم عربیہ ودرسیۃ آج مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں پہلے بھی پڑھائے جاتے تھے، جن کو پڑھ کر بڑے بڑے علماء اصحاب فضل وکمال، رازی وغزالی پیدا ہوتے تھے، آج انہیں علوم عربیہ کو پڑھ کر کام کے افراد اصحاب فضل وکمال ان جیسے کیوں نہیں پیدا ہوتے؟

موصوف نے جواب دیا کہ اصل میں دو چیزیں ہوتی ہیں علوم نبوت اور نور نبوت ہمارے اسلاف علوم نبوت کے ساتھ نور نبوت بھی حاصل کرتے تھے، جو بزرگوں سے تعلق رکھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے، صحابہ کرام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے فیضیاب ہوئے اور علوم نبوت کے ساتھ نورِ نبوت سے

سرفراز ہوتے رہے، اور اسی طرح بعد کے دوروں میں یہ سلسلہ جاری رہا، لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ لوگ علوم نبوت تو کسی درجہ میں حاصل کرتے ہیں لیکن نورِ نبوت کی ان کو ہوا بھی نہیں لگتی، قال تو ہے حال نہیں، یعنی علوم نبوت کے ساتھ اس نعمت کے حصول کی کوشش نہیں کرتے جو سینہ بسینہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے منتقل ہوکر بزرگوں کو حاصل ہوئی، جس کو باطنی نسبت اور تعلق مع اللہ اور احسانی کیفیت بھی کہا جاتا ہے، آج کا علمی طبقہ علوم نبوت تو حاصل کرتا ہے لیکن نورِ نبوت سے بالکل نا آشنا ہوتا ہے اسی لئے آج ان جیسے کام کے افراد تیار نہیں ہوتے اور آج رازی وغزالی پیدا نہیں ہوتے'' [1]

یہی وہ حقیقت ہے جس نے حضرت سید صاحب کے اندر ایک اضطرابی کیفیت پیدا کردی تھی وہ علمی مدارج طے کررہے تھے لیکن ساتھ ہی نور نبوت اور احسانی کیفیت کے حصول کے لئے فکر مند رہتے تھے، اور بڑی حسرت سے اس بات کا اظہار کرتے اور افسوس فرماتے تھے کہ میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے کسب فیض نہیں کرسکا، حضرت حاجی صاحبؒ سے ان کو غایت درجہ محبت وعقیدت اور عظمت ومناسبت تھی۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ جیسے متبحر علامہ الدھر کے لئے شیخ ومرشد بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جو ان کی شایان شان پوری رہبری کرسکے اور ان کی اضطرابی کیفیت دور کرکے پیاس بجھا سکے، اس شان کا مربی ومرشد کامل اس وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے سوا بظاہر کوئی نظر نہ آتا تھا جن کی شان میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] افادات صدیق۔

''تاریخ میں کوئی ہستی مرشد مربی و مصلح ان سے برتر نظر نہیں آتی، غزالی کا مرتبہ بے شک بہت بلند ہے، بلکہ یہ کہنے دیجئے کہ امام تھانویؒ کے زمانے سے قبل انہیں کا مرتبہ بلند ترین ہے لیکن تربیت السالک وغیرہ میں جیسی جیسی گتھیاں سلجھ کر آ گئی ہیں ان کے بعد امام تھانویؒ کا پلہ کچھ بھاری ہی نظر آئے گا۔[۱]

لیکن پیرو مرید کا یہ اصلاحی تعلق ایسا نہیں ہے کہ محض رسمی طور پر احباب و متعلقین کی ترغیب و تلقین سے قائم کرلیا جائے، انتخاب شیخ کے لئے بڑی بصیرت و تحقیق اور کامل مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت سید صاحبؒ باوجود یکہ خود بھی اس کی ضرورت محسوس فرماتے تھے او آپ کے رفقاء احباب و متعلقین تھانہ بھون رخ کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے لیکن حضرت سید ساحبؒ نے اس میں عجلت نہ فرما کر پوری تحقیق و مشورے اور دعاء و استخارہ اور منجانب اللہ غیبی اشارے (منامات) کے بعد ہی حضرت اقدس تھانویؒ کا انتخاب فرمایا، یہی وجہ ہے کہ شدید تقاضے کے باوجود تھانہ بھون پہنچتے پہنچتے آپ کو دس سال کا عرصہ لگ گیا، جناب علامہ سید صاحبؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

''کامل دس برس تک چپکے ہی چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درد مانی کر سکے، بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے۔''[۲]

حضرت سید صاحبؒ اپنے قدیم مخلص دوست مولانا عبدالماجد صاحبؒ دریا آبادی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی اویس صاحب کی معرفت آپ کا ایک والا نامہ ملا تھا جس میں مولانا تھانویؒ سے متعلق آپ سے مشورہ کا مشورہ تھا، مشورہ کا ہر وقت محتاج ہوں ...... صرف

[۱] معاصرین۔ص:۲۱ [۲] تذکرہ سلیمان ص:۹۳

حصول تربیت کی آرزو ہے، آپ اب بھی فرمائیں کیا ارشاد ہے، عقائد میں پورا اتفاق ہے، فقہیات میں قدرے اختلاف ہے مگر جانب ثانی سے اس میں بھی توسع ہے تحریر میں بھی اور زبانی بھی، بھائی قوم وعلم کی خدمت تو ہوچکی، کچھ اپنے نفس کی خدمت کر لینے دیجئے، راہ ابھی کھلی نہیں مگر آثار معلوم ہوتے ہیں، مشورہ سے مدد فرمایئے۔ [1]

حق تعالی کا قانون ہے کہ وہ سچے عاشق طالب صادق کی طلب اور اس کی محنت ضائع نہیں فرماتے، جو کوشش کرتا ہے اس کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمادیتا ہے، قدرتی وتکوینی اسباب کے تحت حضرت سید صاحبؒ کا حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ سے ربط ہوا، اور جس نعمت کے حصول کے لئے آپ حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی سے تعلق نہ ہوسکنے پر حسرت فرماتے تے وہ باطنی نعمت اور نورِ نبوت آپ کو خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون سے حاصل ہوئی، اس کی ابتداء کیسے ہوئی اور قدرت نے تکوینی اسباب کے تحت سید صاحب کو وہاں تک کیسے پہنچایا پھر حضرت سید صاحبؒ نے کس طرح علمی روحانی اور احسانی مدارج طے کئے اس کی تفصیل آپ کی اسی مجموعہ میں انشاء اللہ ملے گی۔

سید صاحبؒ اور حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کی علمی واصلاحی مکاتبت کی پوری تفصیل متفرق رسائل وکتب میں منتشر تھی، بعض خطوط احقر کو جرائد کی پرانی فائلوں میں مظاہر علوم سہارنپور، ہردوئی اور ندوۃ کے کتب خانہ میں بڑی جستجو کے بعد مل سکے، احقر نے ان سب کو یکجا کیا اور تاریخ اور خطوط کے تسلسل کا اعتبار نہ کرتے ہوئے افادیت کے پیش نظر مضامین کے ربط اور ایک عنوان کے تحت مضامین یکجا کرنے کا اہتمام کیا، بسا اوقات ایک خط میں تین مضمون مذکور تھے، ان کو علیحدہ علیحدہ مضمون کے مناسب موقع پر درج کردیا، بعض خطوط میں سوال جواب تو تھا لیکن اس جواب پر سوال یا سوال پر استفسار اور اس کا جواب، یا سابقہ جواب کا تکملہ وتتمہ بعد کے خطوط اور دوسرے رسائل میں ہوتا تھا، قاری کو مطالعہ کے

[1] مکتوبات سلیمان۔ ص:۱۰۶، ج:۲

بعد بڑی تشنگی محسوس ہوتی تھی، احقر نے ان سب کو تلاش کر کے یکجا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ نے حضرت حکیم الامت صاحب تھانویؒ پر جو مضامین تحریر فرمائے ان کو بھی احقر نے اس مجموعہ میں شامل کیا جن کی تعداد چار ہے۔ مزید افادیت اور کامل بصیرت کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک مضمون بھی اختصار کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے۔ نیز ایک مفصل مضمون (حضرت سید سلیمان ندوی کی علمی وعرفانی اور احسانی زندگی) جو حضرت سید صاحبؒ کی متفرق سوانح اور دیگر کتب ومضامین سے مقتبس ہے شروع میں مرتب کی طرف سے لاحق کر دیا گیا ہے۔ جو بہت سے فوائد اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ مرتَب مجموعہ انشاء اللہ اہل علم اور اصحاب ذوق کے لئے مختلف پہلوؤں سے مفید ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، اور امت کے خصوصاً اصحاب علم وقلم کے لئے اس کو نافع بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۷؍رمضان ۱۴۲۵ھ

سید سلیمان ندویؒ کی

علمی وعرفانی اور احسانی زندگی

باب ۱

علامہ سید سلیمان ندویؒ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر میں ☆

مولانا سید سلیمان ندویؒ سے ہمارے خاندان کے ایسے گونا گوں تعلقات اور ایسے عزیزانہ روابط تھے کہ وہ کسی دور میں بھی ہم لوگوں کے لئے اجنبی اور نامانوس نہیں تھے۔

وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نہ صرف تعلیم یافتہ اور فاضل بلکہ اس کے لئے سرمایہ افتخار و نازش تھے۔ وہ میرے والد کے عزیز شاگرد اور بھائی صاحب کے ایسے دوست تھے جو عمر میں بڑے اور فضیلت و شہرت میں بڑھے ہوئے تھے، سید صاحب ہماری درسگاہ کے ایک طرح کی مربی و سرپرست بھی تھے۔ ۱

ندوہ کی قابل فخر شخصیت

مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسی باکمال اور جامع شخصیت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے سرمایہ فخر و ناز تھی۔

”ناظم ندوۃ العلماء (مفکر اسلام حضرت) مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے بھوپال کے ایک منتخب مجمع میں فرمایا تھا کہ:

”ندوہ صرف سید سلیمان ندوی کو پیدا کرتا تو تنہا یہ بات اس کی بقا اور ترقی کے استحقاق کے لئے کافی تھی“ ۲

(☆) یہ پورا مضمون ”پرانے چراغ“ اور حضرت مولاناؒ کی دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ سرخیاں مرتب کی قائم کردہ ہیں ۱ پرانے چراغ۔ ص:۱۹ ۲ تعمیر حیات ۲۵/نومبر ۷۴ء سرورق

ندوۃ العلماء کے سب سے نمایاں اور کامیاب طالب علم

اس درسگاہ کے سب سے نمایاں اور کامیاب طالب علم مولانا سید سلیمان ندوی تھے، جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ علماء کی اس قدیم جامعیت کو زندہ اور نمایاں رکھا اور دینی وعلمی وادبی حلقوں میں بیک وقت نہ صرف باریاب بلکہ اکثر صدر نشین رہے، ان کی زندگی اور وہ مختلف ذمہ داریاں جو انہوں نے مختلف وقتوں میں سنبھالیں خود ان کی جامعیت کا ثبوت ہیں، وہ ایک زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد ادب اور ''الندوہ'' کے نائب ایڈیٹر نظر آتے ہیں، پھر ''الہلال'' جیسے عہد آفریں صحیفہ کے ادارت اور ''مشہد اکبر'' جیسے زندہ جاوید مقالہ کے مضمون نگار ہیں، جس نے سارے ملک میں جوش وحمیت کی ایک لہر پیدا کردی تھی، اسی عرصہ میں جب مجلس خلافت مولانا محمد علی کی سرکردگی میں اپنا وفد انگلستان بھیجنا طے کرتی ہے تو اس کی رکنیت اور مسلمانان ہند کی دینی نمایندگی کے لئے اس کی نظر انتخاب اسی نوجوان عالم پر پڑتی ہے، دفعۃً وہ اپنے مربی واستاد (مولانا شبلی) کا معاون ورفیق نظر آتا ہے، اور ان کے انتقال کے بعد مجلس دارالمصنفین کا ناظم وروح رواں اور ''معارف'' جیسے بلند پایہ رسالہ کا مدیر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم دکھائی دیتا ہے، مجلس خلافت سلطان ابن سعود کی دعوت پر موتمر اسلامی میں شرکت اور مسلمانان ہند کے خیالات کی ترجمانی کے لئے ایک وفد مرتب کرتی ہے تو اس کی قیادت کے لئے اس سے زیادہ موزوں شخص نظر نہیں آتا جو عالم اسلام کے اس نمایندہ ومنتخب مجمع میں عربی میں اظہار خیال کی قدرت رکھتا ہو اور مسلمانان ہند کی دینی علمی عظمت کا نقش قائم کرسکے، نادر خاں شاہ افغانستان اپنے ملک کی تعلیم کا ایسا خاکہ اور نظام مرتب کرانا چاہتے ہیں، جو بیک وقت قومی ودینی تقاضوں کو پورا کرسکے، اور دین کے اصول اور عصر حاضر کی ضروریات پر حاوی ہو، اس نازک اور دشوار کام کے لئے ان کی نظر ہندوستان کی تین ہی ہستیوں پر پڑتی ہے، ایک ڈاکٹر

سر محمد اقبالؔ دوسرے سرراس مسعود تیسرے مولانا سید سلیمان، پھر اس پورے عرصہ میں ہم ان کو کانگرس کے مخصوص جلسوں میں شرکت کرتے اور خلافت وجمیعۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کی صدارت کرتے دیکھتے ہیں، ہر جگہ ان کی رائے کا وزن، ان کی شخصیت کا وقار اور ان کی واقفیت کا اعتراف پاتے ہیں، اسی کیساتھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جامعہ ملیہ انجمن ترقی اردو، اور ہندوستانی اکاڈمی ان کے گراں قدر علمی خطبات ومقالات سے مالا مال ہے، پھر ان تمام مصروفیتوں اور سفروں میں ان کے علمی انہماک اور تصنیفی تسلسل میں فرق نہیں آتا اور اسی عرصہ میں ان کی وہ محققانہ کتابیں شائع ہوتی ہیں، جن کو پڑھ کر بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کا مصنف ملک کی سیاسی زندگی میں شریک اور ملک کے انقلابی تقاضوں اور امنگوں کو سمجھنے والا اور ان کا ساتھ دینے والا ہے۔ [۱]

سید صاحب کا فہم قرآن میں بلند مقام

عام طور پر لوگ سید صاحب کو مؤرخ یا ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی سلسلہ سے ہے، لیکن مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے، میں نے معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعہ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا، علم کلام اور عقائد پر سید صاحب کی نظر بہت عمیق و وسیع تھی، اور ان کو علم کلام کو سلف کے اصول اور کتاب وسنت کی روشنی میں عصر حاضر کے ذہن اور روح کے مطابق پیش کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ [۲]

میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا مولانا سید سلیمان ندوی کا، یہ ایک تاریخی انکشاف ہے، لوگ سید صاحب کو مؤرخ اور

[۱] پرانے چراغ ص ۵۵ [۲] پرانے چراغ۔ص:۵۸

سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں، متکلم کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحتی بر اعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو، اور اس غائر مطالعہ کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان وادب اور بلاغت اور اعجاز قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع وعمیق تھا۔ [1]

سید سلیمان ندویؒ علامہ شبلیؒ سے آگے بڑھے ہوئے تھے

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ سید صاحب اپنے علم وتحقیق اور وسعت مطالعہ میں اپنے استاد ومربی مولانا شبلی مرحوم سے بہت آگے بڑھ گئے تھے، نئی نئی کتابوں کی اشاعت، مسلسل غور وفکر اور محنت ومطالعہ کی بنا پر اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ [2]

سید صاحبؒ کا علمی ذوق اور وقت کی قدردانی

کسی فن میں کامل اور نامور ہونا اور بات ہے، اور اس کا تصنیفی ذوق اور اس میں شغف وانہماک اور بات ہے، اپنی اس مختصر علمی زندگی میں اکثر یہ دیکھا کہ اکثر لوگ خاص ماحول اور خاص اوقات میں، صاحب علم اور صاحب ذوق نظر آتے ہیں، باقی اوقات میں ان میں کوئی علمی دلچسپی شوق ومطالعہ، جستجو اور کتابی ذوق نظر نہیں آتا، درحقیقت ان میں طالب علمانہ روح نہیں ہوتی، اس بارے میں میں نے دو شخصیتوں کو مستثنیٰ پایا ایک مولانا انور شاہ کشمیریؒ، دوسرے مولانا سید سلیمان ندوی، اول الذکر کو کم دیکھا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ایک ہی دو بار ہوا مگر ان کی مجلسوں کو علمی تذکروں اور تحقیقات

---

[1] قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب، خطبات مفکر اسلام۔ ص:۲۱، ج ۳ [2] پرانے چراغ ص:۵۸

وافادات سے معمور پایا، لیکن سید صاحب کو خوب دیکھا، سفر وحضر میں رفاقت رہی اور کئی کئی دن مسلسل ساتھ رہنا ہوا، ان کا علمی ذوق ہر جگہ اور تقریباً ہر وقت قائم رہتا، مطالعہ، غور وفکر، علماء واہل فن سے تبادلۂ خیال اور بحث ونظر کا سلسلہ جاری رہتا وہ فطرتاً طالب علم تھے، اوران کا اصلی ذوق اورافتادطبع یہی تھی، مطالعہ ان کی غذا اورانکا لازمۂ زندگی تھا، بیماری میں بھی ان کا ذہن کام کرتا رہتا تھا، اورنقاہت وضعف کی حالت میں بھی انکا مطالعہ جاری رہتا، دیکھنے میں یہ معمولی بات ہے، لیکن قدیم وجدید حلقوں میں اب جو علمی بےتعلقی وبے ذوقی بڑھتی جارہی ہے اس کے پیش نظر کسی زمانہ میں یہ ایک یادگار بات ہوگی[1]

سید صاحبؒ کا علمی وتصنیفی کام کرنے کا ولولہ

سید صاحبؒ میں علمی کام کرنے کا بڑا ولولہ اوراس کی قوت (Energy) تھی، وہ ہر تصنیف کواس طرح مکمل کرنا چاہتے تھے، اوراسی طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے، گویا یہ زندگی کی اصلی اور آخری تصنیف ہے، وہ اس کے سلسلہ میں اپنے امکان بھر کوئی کمی نہیں کرتے تھے، اس کے لئے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرتے، معلومات واقتباسات جمع کرتے پھر مرتب کرتے، اس سے فارغ ہوتے ہی بجائے آرام کرنے کے کوئی دوسرا سلسلہ شروع کردیتے، اوراسی انہماک ونشاط کے ساتھ اس میں مصروف ہوجاتے، اس چیز نے ان کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا ان پر عرصہ سے سن رسیدگی اورضعف کے آثار شروع ہوچکے تھے، انہوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تمہارے والد (مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ ناظم ندوۃ العلماء نے) نے مجھ سے فرمایا تھا کہ:

من نکردم شما حذر بکنید

---

[1] پرانے چراغ ص ۵۸۔

مجھے تصنیف ومطالعہ نے قبل از وقت بوڑھا اور ضعیف کردیا تم احتیاط کرنا،
فرماتے تھے مجھ سے تو اس وصیت پر عمل نہ ہوسکا، اب یہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں،
واقعہ یہ ہے کہ جو علمی مزاج اور طبیعت وہ لے کر آئے تھے، اس کے بعد ان کے لئے ممکن
نہ تھا کہ وہ اپنا علمی انہماک کم کرسکیں، وہ اپنے علمی و تصنیفی کاموں میں برابر مشغول رہے،
اور اتنا بڑا تصنیفی ذخیرہ چھوڑا جو ایک پوری جماعت کو مصنف بنانے کے لئے کافی ہے،
یورپ وایشیاء میں کئی کئی آدمی مل کر زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض
اوقات اتنا علمی و تصنیفی کام نہیں کرتے [1]

سید صاحبؒ کا میدان علمی و تصنیفی تھا

اس موقع پر اس کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ سید صاحب، فطرتاً مطالعہ وتصنیف اور
ذہنی وتعمیری کاموں کے لئے پیدا کئے گئے تھے، اور اسی قسم کا مزاج اور طبیعت لے کر آئے
تھے، وہ میدانی وہنگامہ خیز زندگی اور سیاسی تحریکات کے لئے موزوں نہ تھے، انہوں نے
اپنی ذات اور ملت پر احسان کیا کہ اپنی اصلی طاقت اور زیادہ تر وقت تصنیفی وتعمیری کاموں
میں صرف کیا، جب انہوں نے حالات کے دباؤ یا طبیعت کی ہمہ گیری کی وجہ سے اس
دائرہ سے قدم نکالا، ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا یہ میدان نہیں تھا، اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے
کہ وہ فطرتاً عوامی مقرر اور اسٹیج کے خطیب نہیں تھے ان کا اصل جوہر غور وفکر، تلاش و تحقیق
اور تصنیف وتالیف تھا، اور اس میں وہ پورے طور پر کامیاب تھے [2]

سید صاحب کا سب سے نمایاں اور ممتاز وصف

سید صاحب کی زندگی کا سب سے نمایاں اور ممتاز پہلو طبقۂ علماء میں ان کی

[1] پرانے چراغ ص ۶۰ [2] ایضاً ص ۶۰۔

جامعیت اوران کے علوم ومضامین کا تنوع ہے، ان کی ذات اوران کی علمی زندگی میں قدیم وجدید واقفیت، علمی تبحراورادبی ذوق، نقادو مؤرخ کی حقیقت پسندی اورسنجیدگی، ادباء وانشاء پردازوں کی شگفتگی اورحلاوت اورفکرونظر کالوچ اورمطالعہ کی وسعت اس طرح جمع ہوگئی تھی، جو شاذونادر جمع ہوتی ہے۔[1]

سید صاحب نے جن اساتذہ اور علمی سرپرستوں کی رہنمائی اورجس ماحول میں ذہنی وعلمی تربیت حاصل کی تھی اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ان کی نظر میں وسعت اوران کی طبیعت میں اعتدال تھا، نہ ان میں بہت سے قدیم علماء کا سا جموداور گروہی عصبیت تھی، نہ جدید طبقہ کی عجلت وسطحیت اور یورپ کی مرعوبیت، وہ اپنے تعلیمی خیالات سے لے کرفقہی مسلک تک وسیع النظر وسیع القلب اورمعتدل تھے۔ یہ نظر کی وسعت اورقلب کی فراخی تھی کہ انہوں نے ہندوستان کی ایک نامور علمی جماعت اورمشہورادارہ کے سب سے بڑے آدمی ہوتے ہوئے اوراپنے مخصوص تعلیمی واصلاحی خیالات رکھنے کے باوجود مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع واستفادہ کیا، اوراس میں ان کو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی وسعتِ نظر کی ایسی مثالیں طبقہ علماء میں کم ملیں گی۔[2]

اصلاح نفس اورتزکیہ باطن کے لئے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق

۱۹۴۰ء، ۱۹۴۱ء کا زمانہ تھا کہ سید صاحب علم وتحقیق کے چشموں سے سیراب ہوکراور علوم دینیہ اورتاریخ وادبیات کے سمندر میں بار بار غوطہ لگانے کے بعد اپنی روح کی پیاس اور ''قلب کی کسی اور چیز کی تلاش'' محسوس کرنے لگے تھے۔

---

[1] پرانے چراغ ص:۵۳ [2] ایضاً ص ۶۱۔

لیکن ان کی ہمت عالی اور ان کا طائر بلند پرواز خود اس دولت بیدار کا طالب تھا جس کو حدیث میں احسان اور قرآن مجید میں تزکیہ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، اور جس طرح ان کو علم وادب کی وادی کو کامیابی وفتح مندی کے ساتھ طے کرنے کے لئے علامہ شبلی جیسا خضر طریق ملا تھا، احسان اور تزکیہ کی وادی کے لئے بھی ایک خضر راہ اور ایک مرد حق آگاہ کی تلاش تھی، اس سلسلہ میں ان کی کہانی اور ان کے واردات قلبی، حجۃ الاسلام امام غزالی کی کہانی اور واردات قلبی سے بہت مشابہ نظر آتے ہیں کہ ان کو علم وشہرت کے بام عروج پر پہونچنے کے بعد اپنی علمی زندگی اور ذہنی کد وکاوش سراب نظر آنے لگی اور علم ویقین کے چشمۂ حیوان کی تلاش میں نکلے اور سیراب وکامیاب واپس آئے۔

یہ خضر راہ ان کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شکل میں مل گیا اور چونکہ عراقی کی طرح ان کا باطن اس حرارت وحلاوت کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھا، اس لئے انہوں نے سالوں کی راہ مہینوں میں، اور مہینوں کی راہ ہفتوں میں اور دنوں میں طے کی اور شیخ وقت کے اعتماد واستناد سے بہت جلد سرفراز اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔[۱]

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی حسن طلب

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (بلند پایہ کا مصنف) اپنے علمی وادبی فتوحات پر قانع اور خالص تصنیفی زندگی اور علمی تحقیقات پر راضی نہیں بلکہ زبان ہوشمند، ذہن ارجمند اور فکر بلند کے ساتھ دل دردمند کی دولت سے فیضیاب ہے اور اپنے زمانے کے ایک مسلم الثبوت شیخ (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کی نسبت وصحبت سے اس شعبہ کی بھی تکمیل چاہتا ہے۔ اور بالآخر قلیل عرصہ میں ان کے اعتماد اور استناد سے مشرف ہوتا ہے۔[۲]

ہمارے اس دور مادیت والحاد میں امام غزالی کی اس علوئے ہمت اور حسن طلب

[۱] پرانے چراغ۔ ص:۳۷ [۲] ایضاً ۵۶

کی دو مثالیں ہمارے حلقہ میں ہمارے سامنے گذری ہیں، ایک مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک صاحب نے جو ہائی کورٹ کے جج رہ چکے تھے انہوں نے تعجب سے کہا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ علامہ شبلیؒ کے شاگرد ہوکر مولانا تھانویؒ کے مرید ہوگئے؟ مولانا تھانویؒ کو ان کا مرید ہونا چاہئے تھا۔ اور ندوی حلقہ میں بھی اس پر چہ میگوئیاں رہیں، لوگوں نے سید صاحب کو خطوط لکھے، خود سید صاحب نے ہمارے سامنے کہا عجیب بات ہے کہ لوگ مجھے بڑا بھی مانتے ہیں اور احمق بھی سمجھتے ہیں اور مجھے مشورہ بھی دیتے ہیں کہ آپ کو تھانہ بھون نہیں جانا چاہئے تھا، آپ نے ندوہ کی توہین کی اور علامہ شبلیؒ کے نام کو بٹہ لگایا، ان کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اور بے شمار محققانہ کتابوں کی تصنیف و تالیف کے بعد آپ دیوبند کے ایک عالم کے پاس گئے۔

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ سے کسی نے کہا آپ ایسے شخص کے درس میں بیٹھتے ہیں جو آپ کے درس میں بھی شریک ہونے کے قابل نہیں تو انہوں نے جواب دیا یا بنی انما یجلس الإنسان حیث یجد صلاحه' "آدمی وہاں پر بیٹھتا ہے جہاں دل کا فائدہ نظر آتا ہے" کیا ہمیں دل کے علاج کی ضرورت نہیں؟ ہمیں اپنے دل کو حرارت سے بھرنے اور نور یقین سے بھرنے کی ضرورت نہیں؟ یہ مثالیں ہمارے سامنے کی ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ جو ہمارے عہد کے عظیم ترین مصنف تھے، یہ میں مسجد میں بیٹھ کر کہہ رہا ہوں، ان کی تصانیف مقدار کی حیثیت سے بھی کچھ کم نہیں اور تنوع کی حیثیت سے بھی کچھ کم نہیں، اور پھر قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی کچھ کم نہیں۔ وہ اور مولانا عبدالباری ندویؒ دونوں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس پہنچے، کوئی مدرسی اور گروہی عصبیت حائل نہیں ہوئی، کوئی شہرت کا جو بہت بڑا فتنہ ہے جن کی شہرت سے مستشرقین بھی مرعوب تھے اور اپنے سوالات کے جوابات ان سے مانگتے

تھے عربوں نے بھی ان کا لوہا مان لیا وہ تھانہ بھون گئے اور پھر اس طرح اپنے کو ڈال دیا کہ حضرت تھانویؒ کو یہ کہنا پڑا ؎

از سلیمان گیر اخلاص عمل ☆ داں تو ندوی را منزہ از دغل [1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وفات پر سید صاحبؒ کی اضطرابی کیفیت

سید صاحب کا تعلق اپنے شیخ سے اور شیخ کی شفقت ان کے حال پر برابر بڑھتی جا رہی تھی کہ ۱۶/رجب ۱۳۶۲ھ (جولائی ۱۹۴۳ء) میں مولانا تھانویؒ نے سفر آخرت اختیار کیا، سید صاحب کو یہ خبر سنتے ہی لکھنؤ کا سفر پیش آیا، اس وقت ان پر کچھ عجیب از خود رفتگی اور حزن و قلق کی کیفیت طاری تھی، حکمت الٰہی کہ انہیں دنوں مولانا محمد الیاس صاحبؒ بھی لکھنؤ تشریف لے آئے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور ایک تبلیغی جماعت بھی اس وقت ندوہ میں ہی مقیم تھی دونوں کا قیام ندوہ کے مہمان خانہ میں تھا [2]، مولانا الیاس صاحبؒ کی اس صحبت اور ان کے تبلیغی جلسوں کی شرکت نے ان کے زخمی

---

[1] تعمیر حیات ۱۰ و ۲۵ فروری ۱۹۷۶ء ص ۶

[2] حضرت سید صاحب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

تھانہ بھون کے اسٹیشن پر پہلی دفعہ مولانا الیاس صاحب سے ملاقات ہوئی اور گھنٹہ بھر ریل پر ساتھ رہا، پھر بھوپال سے واپس آ کر دار العلوم ندوہ میں ان کی عشرہ تک ملاقات رہی، خوب باتیں ہوئیں، پچاس ساٹھ مبلغوں کے ساتھ ایک عشرہ دار العلوم میں قیام رہا۔ اس اثناء میں نے انہیں جانا اور انہوں نے مجھے۔ ساتھ کانپور گیا اور وہاں کے اور لکھنؤ کے مجمعوں میں تقریریں کیں، پسند آئیں، ان کے طریق کار کو دیکھا، انشاء اللہ ندوہ اودھ میں ان کی دعوت کا مرکز بنے گا۔ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۴۳ء

(مکاتیب سید سلیمان ص ۱۴۷)

دل کے لئے مرہم کا کام دیا، سید صاحب مولانا کے ساتھ اسی احترام اور تواضع سے (پیش آئے) جیسے کوئی مسترشد اپنے شیخ کے ساتھ پیش آتا ہے، مولانا بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے، اور ان کے علم، ان کے مقام، ان کی طلب صادق اور اخلاص کے بڑے معترف اور قدرداں تھے، اس زمانہ میں سید صاحب پر ذکر جہر کا بہت غلبہ تھا، دونوں حضرات کا قیام مہمان خانہ ہی میں تھا، مولانا الیاسؒ سید صاحب کے اس ذوق کو دیکھ کر بہت مسرور تھے۔[1]

رجب ۱۳۶۲ھ (جولائی ۱۹۴۳ء) میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ لکھنؤ تشریف لائے اور اس کی وجہ سے شہر میں ایک خاص برکت و رونق اور دینی و ایمانی فضا پیدا ہوگئی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی دوسرے روز تشریف لے آئے ایک بڑی تبلیغی جماعت بھی آئی ہوئی تھی، ہم سب لوگ اسی دینی دعوت اور تبلیغی نقل و حرکت میں مصروف اور مسرور تھے کہ "اچانک یہ جانگداز اور روح فرسا خبر سنی کہ ۱۷/رجب ۱۳۶۲ھ (۱۹/جولائی ۱۹۴۳ء) کو تھانہ بھون کا یہ آفتاب علم وارشاد غروب ہوگیا، حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی بھی ٹھیک انہی دنوں میں لکھنؤ تشریف لائے، معلوم نہیں انہوں نے یہ خبر راستہ میں سنی یا لکھنؤ آکر لیکن ان کی بےقراری اور رنج و قلق دیکھنے کا تھا، اس وقت ہم لوگوں کو اندازہ ہوا کہ ان کو اپنے شیخ سے کیسا گہرا تعلق ہے۔[2]

سید صاحب کے نزدیک ندوہ نام ہے
قلب دردمند، ذہن ارجمند اور زبان ہوشمند کے مجموعہ کا

رجحان اور ذوق کی تبدیلی اور عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ سید صاحب کا دارالعلوم کے بارے میں ذوق و رجحان بھی خاصہ بدل گیا تھا، اب وہ اس کو محض ایک علمی ادارہ اور

[1] پرانے چراغ ص ۳۸ [2] ایضاً ص ۱۳۲

پڑھنے پڑھانے اور علوم جدیدہ سے بقدر ضرورت واقفیت کا مرکز سمجھنے پر قانع نہ تھے، دوسرے مختصر و بلیغ الفاظ میں وہ ''لسان العصر'' اکبر الہ آبادی کی اس تعریف کو پسند نہیں کرتے تھے جو انھوں نے فضلائے ندوہ کا امتیاز بیان کرنے کے لئے خود سید صاحب کی نوجوانی میں کی تھی ۔

اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

وہ ندوہ کو قلب دردمند، ذہن ارجمند اور زبان ہوشمند، تینوں کا مجموعہ دیکھنا چاہتے تھے، اور اسی ترتیب و تناسب کے ساتھ کہ پہلا مقام قلب دردمند کا، دوسرا ذہن ارجمند کا اور اس کے بعد ان کی ترجمانی کے لئے زبان ہوشمند ہو، ندوہ میں دینی شخصیتوں اور دینی مرکزوں سے جو بیگانگی عرصہ سے چلی آرہی تھی، اس میں کچھ کمی تو خود سید صاحب کے اس جدید تعلق اور رجحان سے پیدا ہوئی جس کا اوپر تذکرہ ہوا، اور کچھ کمی مولانا الیاس صاحبؒ کے اس ہفت روزہ قیام سے جو ندوہ ہی کے مہمان خانہ میں تھا، اور جس میں انہوں نے اس ماحول کو پورے طور پر اپنے سوزِ دروں اور اپنی روح اور اپنے جسم کی بے تابی سے بے چین اور متحرک رکھا، لیکن سید صاحب اس سے زیادہ چاہتے تھے۔

ان کی خواہش تھی کہ اب ندوہ کے فرزند اور دار العلوم کے طلباء ادب اور تاریخ ہی کو اپنی کوششوں اور فتوحات کا نشانہ اور اپنے سفر کی آخری منزل نہ سمجھیں وہ دوبارہ اقبال کی زبان میں گویا تھے ۔

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

وہ چاہتے تھے کہ فرزندان ندوہ کے سامنے وہی شخصیتیں قابل تقلید اور منتہائے کمال نہ ہوں جو علم و ادب اور تاریخ کے لئے ایک رمز و علامت بن گئی ہیں، بلکہ وہ اپنی تحریک کے داعیوں اور اپنی درسگاہ کے بانیوں میں سے ان لوگوں کو بھی مثالی نمونہ کے طور

پر سامنے رکھیں اوران کی پیروی کی کوشش کریں جو اپنی دینداری اور صلاح اور اپنی دینی و دنیوی اور علمی وادبی جامعیت میں بھی امتیاز خاص کے مالک تھے☆ ۱؎

۱؎ پرانے چراغ۔ص:۴۰۔

☆ دارالعلوم ندوہ کی ذمہ داری قبول فرمانے کے بعد سید صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:
''ندوہ کے مقاصد و مطالب کو نئی روشنی میں پھر سے دیکھنا ہے، کہ اب کیا ہونا اور کیا کرنا ہے''۔
(مکاتیب سلیمان ۹۴)

تاریخ ندوہ میں ہے:
دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دوسرے عربی ودینی مدارس میں خاص قرب واعتماد پیدا ہو چکا ہے اس تغیر وانقلاب کا سہرا دارالعلوم کے سرمایۂ صد فخر فرزند مولانا سید سلیمان ندویؒ کے سر ہے، جن کی علمی عظمت، دینی رسوخ، اور شخصی مقبولیت نے دارالعلوم کو تمام دینی حلقوں میں مقبول بنا دیا۔
(رجسٹر سوم کاروائی مجالس انتظامیہ ندوۃ العلماء)

مجلس انتظامی کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت وتعلق سے بھی اس دینی رجحان کو تقویت ملی جو ایک طویل عرصے تک دارالعلوم کے معتمد تعلیم رہے۔
(تاریخ ندوۃ العلماء ج ۲ ص ۴۰۵)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:
''بحمد اللہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے فاضل اساتذہ واہل علم کی مختصر صحبت نصیب ہوئی۔ ندوہ جیسا علمی مرکز اب تک نہیں دیکھا تھا، بحمد اللہ اس کی زیارت ہوگئی۔
ندوہ کی علمی ودینی فضا دیکھ کر بڑی امیدیں قائم ہوئیں اور حوصلہ بڑھا، ندوہ، بقول اکبر مرحوم مسلمانوں کی ''زبان ہوش مند'' تو ہمیشہ سے تھا، لیکن ''دل دردمند'' کی جو کسر بیان کی جاتی تھی وہ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہم نے پوری فرمادی ہے، خاص طور سے حضرت مولانا علی میاں مدظلہم العالی کی فکر وبصیرت، جہد وعمل اور سوز وگداز کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہم نے اس ادارے کو حیات نو بخش دی ہے۔ (جہان دیدہ ص ۵۳۴)

سید صاحبؒ کی طبیعت کی شرافت و مروّت

آخری چیز جو ان کی پوی زندگی میں نمایاں رہی وہ ان کی طبیعت کی شرافت ومروت تھی وہ باکل بے آزار اور غیر منتقمانہ طبیعت کے آدمی تھے ان کے لئے ظالم کے بجائے مظلوم بننا بہت آسان تھا، ان کی یہ صفت اس درجہ تک پہونچی ہوئی تھی جو کمزوری سے تعبیر کی جاتی تھی، ایک ایسی سوسائٹی میں جو اس طرح کی صفات کی قدر کرنے کی عادی نہیں ان کو اپنی اس افتادِ طبع کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی اور اپنی رضامندی کے خلاف بہت سے فیصلے کرنے پڑے، اس طویل زندگی اور وسیع تعلقات میں شاید کوئی ایسا شخص مل سکے جو بیان کرے کہ سید صاحب نے اس کو کبھی نقصان پہونچایا یا اپنی ذات کا انتقام لیا۔[1]

ایک تکلیف دہ واقعہ اور سید صاحب کا صبر و تحمل

سید صاحب کے ان نئے رجحانات نے طلباء میں وہ مقبولیت اور کامیابی حاصل نہیں کی جو ان کے مقام کے لحاظ سے متوقع تھی بلکہ اس سے ایک ذہنی کشمکش پیدا ہوئی، اس کا نقطۂ عروج وارتقاء طلباء کی وہ اسٹرائک تھی جو ۱۹۴۳ء میں پیش آئی[2] آغاز

---

[1] پرانے چراغ ص ۶۲

[2] اس اسٹرائک کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس کی وجہ جو میرے ذاتی خیال پر مبنی ہے، جو تھانہ بھون کا اثر نہیں ہے، بلکہ عہد قدیم سے ہے مگر بہر حال اس کا اجراء نہیں کیا گیا، کیا ذاتی خیال بھی منع ہے؟

موجودہ شورشیں تمام تر دارالاقامہ کی ہیں دارالعلوم کی نہیں۔ اپریل ۱۹۴۳ء

(مکاتیب سید سلیمان ص ۱۳۵، ۱۳۹)

اس کا اگرچہ کچھ انتظامی معاملات سے ہوا، لیکن اس کے اندر بے اطمینانی اور کشمکش کی یہی روح کام کررہی تھی اس اسٹرائک کی قیادت ہمارے بعض عزیز شاگرد کررہے تھے، جو دارالعلوم کے بہترین طلباء تھے، اور ان سے ہم نے اور دارالعلوم نے بڑی بڑی توقعات قائم کی تھیں، ان میں سب سے زیادہ نمایاں میرے عزیز ترین شاگرد علی احمد کیانی تھے مجھے اپنے دس سال کے تدریسی دور میں اور اس کے بعد بھی جب میں نے بحیثیت نائب معتمد اور معتمد کے کام کیا اس نوجوان سے زیادہ ذہین، ذی استعداد اور سلیم الطبع طالب علم نہیں دیکھا، دوسرے اور تیسرے ہی درجہ سے اس کا یہ حال تھا کہ صرف ونحو کی غلطی اس سے ہونی بہت مشکل تھی، میرے بعض عربی مضامین کا ترجمہ بھی کیا تھا، وہ اسٹرائک کے بعد جب کراچی گئے تو اپنی نوعمری کے باوجود کراچی کی علمی مجلسوں میں علامہ کیانی کے نام سے مشہور ہوئے، جیسا کہ طلباء کے ہنگاموں میں ہوا کرتا ہے، وہ طوعاً وکرہاً طلباء کے نمائندہ اور اسٹرائک کے قائد بن گئے۔ ان کے سب استادوں کو اور بالخصوص مجھے ان کے اس ہنگامہ میں نہ صرف شریک ہونے بلکہ قائد بننے سے سخت قلق تھا، زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس اسٹرائک کی زد سید صاحب کی شخصیت اور ان کی معتمدی پر پڑتی تھی، بلکہ وہ اس وقت ندوہ کے حقیقی مربی اور سرپرست اور اس کے لئے سینہ سپر تھے، سید صاحب کے دل کو بھی اس ہنگامہ سے بڑی چوٹ لگی ان کے دل میں ندوہ کی خدمت اور طلباء کی تربیت کی بڑی بڑی امنگیں تھیں، ان کو اس سے اپنی تمناؤں کا خون اور اپنی کوششوں کی ناکامی کا منظر نظر آیا اور بہت دل شکستہ اور افسردہ ہوگئے، انھیں دنوں میں علی احمد مرحوم پر جنون کا دورہ پڑا اور حالت یہاں تک پہونچی کہ ان کو گھر والوں نے رسیوں سے باندھ دیا ان کے بھائی میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کو ان کو دکھانے کے لئے گھر لے گئے، میں بھی خصوصی تعلق کی بناء پر ساتھ ہو گیا، مرحوم کو جب رسیوں سے باندھا ہوا دیکھا تو آنکھ میں آنسو آ گئے کہ یہ نوجوان جو اپنی ذکاوت اور صحیح الدماغی میں اپنے ساتھیوں کے لئے بھی قابل رشک تھا،

اس حالت میں ہے، بھائی صاحب نے نسخہ لکھا اور تشریف لے آئے، سید صاحب اس زمانہ میں اتنے دل برداشتہ تھے کہ دارالعلوم میں قیام بھی نہیں فرمایا، ہمارے ہی گھر میں مقیم تھے، میں نے ایک مرتبہ تنہائی میں موقع پا کر عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ علی احمد کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی لفظ نکل گیا، اس طوفان بے تمیزی میں کچھ بعید نہیں کہ ان پر جذباتیت غالب آئی ہو اور ناگفتنی کا ارتکاب کیا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے، "من اٰذیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب" اور آپ تو ان کے محسن اور مربی بھی تھے، [1] سید صاحب نے اس کے جواب میں تواضع اور فروتنی کے الفاظ فرمائے اور کہا کہ میں کیا چیز ہوں میں نے دوبارہ عرض کیا اور دعا کی درخواست کی، سید صاحب نے اس پر سکوت فرمایا، دوسرے یا تیسرے دن مجھ سے فرمایا کہ مولوی علی صاحب میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کردی، اب اس واقعہ کو سید صاحب کی کرامت سمجھا جائے یا اس کو کسی اور بات پر محمول کیا جائے کہ عزیز موصوف بالکل اچھے ہو گئے، اور جہاں تک مجھے علم ہے یہ دورہ پھر کبھی نہیں پڑا، افسوس ہے کہ یہ شعلۂ مستعجل بالکل نوعمری میں ۱۹۵۰ء میں گل ہو گیا۔ ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جب بن کھلے مرجھا گئے [2]

---

[1] حضرت سید صاحبؒ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے نام ایک خط میں اس حادثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص اس فتنہ کا بانی ہے۔ چند ماہ پہلے تک میں نے ہمیشہ اس پر بھروسہ کیا، بڑھایا اور توقعات قائم کیں، لیکن دفعتہً تھانہ بھون کی نسبت کے بعد اس نے [؟ وہ] ایسے طریقے سے حملہ آور ہوا جو میرے گمان میں بھی نہ تھا، ان کی گریہ مسکینی جو مجھ پر سالہا سال تک ذریعہ شفقت و محبت بنی رہی۔

۱۰/اگست ۱۹۴۳ء

مولانا عبدالماجد صاحب حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: یہ اشارہ غالباً ایک ایسے ندوی کی طرف ہے جو بعد کو پاکستان چلے گئے تھے اور وہیں اب کئی سال ہوئے کہ ان کا انتقال ہو گیا اس وقت طلباء میں ممتاز تھے۔ عبدالماجد (مکتوبات سلیمانی، ج:۲، ص:۱۴۰)

[2] پرانے چراغ، ص:۴۱، ۴۲، ج:۱۔

سید صاحبؒ کا دار العلوم ندوۃ العلماء سے اخیر اخیر تک قلبی تعلق اور وابستگی

سید صاحب بعض خاص اسباب کی بنا پر جولائی ۱۹۴۶ء میں قاضی ریاست امیر دار العلوم احمدیہ اور دینی امور تعلیم کے مشیر ہو کر ریاست بھوپال چلے گئے اور اکتوبر ۱۹۴۹ء تک وہیں رہے، انہوں نے بھوپال سے دار العلوم کے ساتھ تعلق قائم رکھا، دار العلوم کی حیثیت ایک فرزند کی سی تھی اور وہ اس کی یاد کو کسی وقت بھی دل سے جدا نہ کر سکتے تھے، شفقت ناموں سے کارکنان ندوہ کا حوصلہ بڑھاتے اور تعلیمی رہنمائی فرماتے یہاں پر بھوپال کا ایک مکتوب..........(کا ایک اقتباس) درج کیا جاتا ہے۔

عزیز گرامی وفقکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ندوۃ کے متعلق میرے جذبات وہی ہیں جو آپ کے ہیں میری تو ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ آپ اس بار گراں کو اپنے سر پر اٹھا لیں۔

جواں ہو تم لب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

میں ہر حال میں آپ کی مدد کروں گا اور اگر کہیں تو کچھ قیام بھی کروں بشرطیکہ آپ کے خیالات کے تائید میں دوسرے اساتذہ بھی شریک ہوں۔ والسلام

سید سلیمان ۱۸/اپریل ۱۹۴۸ء

سید صاحب نے یہ سمجھ کر کہ بھوپال میں رہ کر وہ دار العلوم کی تعلیمی نگرانی پوری طرح نہیں کر سکیں گے مجھے نائب معتمد بنائے جانے کی تحریک کی جس کو مجلس دار العلوم نے ۷/جنوری ۱۹۴۹ء کو منظور کیا اور میں نے ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں کام شروع کیا، اہم امور میں ان کی طرف رجوع کرتا تھا، اور وہ بھی از راہ شفقت بزرگانہ پورا اعتماد فرماتے تھے

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

اخی العزیز رفع اللہ شانکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

.... دار العلوم ندوہ کی خدمت ہمیشہ سے زندگی کا مقصد رہا اور اب بھی اس کی خدمت سے انکار نہیں مگر ندوہ کے لئے جو اس وقت سب سے ضروری چیز مالی امداد ہے، یعنی چندوں کا جمع کرنا میں اس کے لئے بیکار ہوں، پھر میری اقتصادی اور مع اہل وعیال کی قیامی شکل کا حل وہاں کوئی مجھے نظر نہیں آتا۔ والسلام

سید سلیمان ۵؍جون ۱۹۴۹ء[1]

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اہم نصیحت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم سے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فارغ ہونے والے طلباء کے سامنے الوداعی تقریر میں نصیحت اور وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھی ہیں، اسلام کے مذاہب اربعہ اور ان سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے، شاید کم ہی لوگوں نے اس طرح کا مطالعہ کیا ہو ان تمام کے مطالعے کے نچوڑ میں ایک گر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہل سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا، اس کو لکھ لیجئے، چاہے آپ کا دماغ کچھ بھی بتائے۔ آپ کی ذہنیت آپ کو کہیں بھی لے جائے، کیسی ہی قوی دلیل پائیں، جمہور کے مسلک سے نہ ہٹیے[1] اللہ تعالی کی جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے جس کے شواہد وقرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں۔

---

[1] پرانے چراغ ص ۴۳، ۴۵، ۴۷۔

یہ وہ بات ہے جس کو ہمارے اور آپ کے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے بعض شاگردوں سے کہا جیسا کہ مولانا اویس صاحبؒ نقل کرتے تھے، اور سید صاحبؒ سے ان کے استاذ مولانا شبلیؒ نے کہی تھی، بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکہ کھاجاتے ہیں، "ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوٰة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه" اور شہیدوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کبھی علماءسلف کا مذاق اڑاتے ہیں، کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں۔

لہذا! مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھئے اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوگی اس کی نصرت و برکت ہوگی اور حسن خاتمہ بھی ہوگا۔

یہ باتیں ہیں جن کو میں شاید زیادہ مؤثر طریقہ سے نہ کہہ سکا لیکن آپ انہیں حقائق سمجھیں اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا ماحصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان باتوں تک پہونچا ہوں اور آپ تک بطور امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں[2]

---

[1] حضرت سید صاحب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:
سلف کی راہ سے سرِ مو تجاوز نہ ہو، یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش ۔
(مکاتبت سید سلیمان ص ۱۷۸)

[2] اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے۔ ص:۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۲

سید سلیمان ندویؒ کی علمی وعرفانی اوراحسانی زندگی

ازمحمدزیدمظاہری ندوی استاددارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کاعلمی مرتبہ ومقام

شاعر اسلام اقبال مرحوم علامہ سید سلیمان ندویؒ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

''آج سید سلیمان ندویؒ ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں، وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں، مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں، ان کا وجود علم وفضل کا ایک بہتا دریا ہے، جس سے سیکڑوں نہریں نکلی ہیں، اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔[۱]

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

ایک عالم دین ایک مؤرخ ایک مقرر وخطیب، ایک ادیب، ایک مناظر، ایک معلم ومدرس، ایک سیاسی وملی کارکن، ایک معزز روزنامہ کے ایڈیٹر، ایک بڑی دینی درسگاہ کے ناظم، ایک بڑے تصنیفی ادارہ کے روح رواں، ایک شاعر، ایک ناقد، یونیورسٹیوں کے ممتحن، فلاں فلاں کمیٹیوں کے ممبر، فلاں مجلس کے صدر، فلاں کے سکریٹری، وغیرہ وغیرہ اور پبلک مسائل پر ہزارہا فقرے ان کے قلم وزبان سے ادا ہوئے ہیں۔[۲]

---

[۱] تعمیر حیات ۲۵ر نومبر ۷۴ء ومقدمہ سلوک سلیمانی، ص:۵۲۔

[۲] صدق جدید لکھنؤ۔ ۸ر جولائی ۱۹۶۰ء

سید صاحب نرے صوفی اور مرشد طریقت نہ تھے، ادیب، انشاء پرداز، خطیب، مناظر، ایڈیٹر، مؤرخ، مدرس، معتمد دارالعلوم ندوۃ، ناظم دارالمصنفین اور کتنی ہی کمیٹیوں اور مجلسوں کے صدر، ناظم ورکن رہ چکے تھے اور یہ سلسلہ آخر تک بالکل منقطع نہیں ہوا تھا۔[۱]

سید صاحب اصلاً ایک جید عالم دین اور ممتاز اہل قلم تھے، مگر ایک باخبر واہل نظر اور زمانہ شناس و بیدار مغز عالم کی طرح قومی اور بین الاقوامی حالات اور ملکی وملی سیاسیات میں شریک ہوکر علمی و عملی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

سید الملت مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی زندگی کے ہر دور میں سنت نبوی کے پابند اور طریق سلف پر کاربند رہے، اس لئے ان کی زندگی میں احسانی وعرفانی رنگ برابر موجود رہا جو عمر اور خیالات کی پختگی کے ساتھ پختہ اور گہرا ہوتا گیا، اور اسلام وایمان کے بعد تزکیہ واحسان کی اور صدق واخلاص کے حقائق بھی روشن ہو گئے اور علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین میں بدل گیا۔[۲]

سید صاحبؒ کا مسلک ومشرب اور علمی مذاق

حضرت علامہ نے ''تراجم علماء حدیث ہند'' مولفہ ابویحیٰ امام خاں نوشہری پر جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے اس میں اپنی بابت رقم طراز ہیں:

''میں سنت کا پیرو ہوں، اور توحید خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا جانتا ہوں، اور حق کو ائمہ سلف میں سے کسی ایک میں منحصر نہیں جانتا اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھیں۔

سید سلیمان ندوی ۱۳/صفر ۱۳۵۷ھ[۳]

---

[۱] صدق جدید، لکھنؤ۔ ج:۱۰ نمبر:۲۶ [۲] تاریخ ندوہ ص ۴۷۳ و ۴۸۰ ج ۲

[۳] تراجم علماء حدیث ہند ج ۱ ص ۳۸

حضرت سید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین رحمہم اللہ تعالی کے مسلک سے علیحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتامہ نہیں ہوسکی بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے لیکن کبھی کوئی ایسی رائے اختیار نہیں کی جس کی تائید ائمہ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے۔☆ [1]

میں نے اعتزال سے لے کر سلفیت تک بمدارج ترقی کی ہے، عقائد میں امام مالکؒ کے اس اصول کا پیرو ہوں " **الاستویٰ معلوم والکیفیة مجھول والایمان به واجب، والسوال عنه بدعة** "

فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃ ان سے عدول حق نہیں سمجھتا [2]

(میں نے) "نیل الاوطار" "زادالمعاد" اور مصنفات ابن تیمیہ وابن قیم وشوکانی ونواب صدیق حسن خاں سب پڑھیں، پھر دوسرے پہلو کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق صرف ایک فرقہ میں منحصر نہیں ہے۔

ابن ہمام کی کتابیں، اور ابن الترکمانی علی البیقھی بھی دیکھئے فتح الباری اور عینی میں غور کیجئے۔ ابن حجر میں بے شبہ وسعت ہے، مگر عمق نہیں۔ عینی میں عمق ہے۔ [3]

امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدت تامہ رکھتا ہوں، خرافات وطامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں۔ [4]

☆ بعض مسائل میں سید صاحب نے جمہور فقہاء ومحدثین کے خلاف رائے قائم فرمائی تھی لیکن بعد میں تنبہ ہوا اور اپنی سابقہ رائے وتحقیق سے رجوع وتبرّی کا اعلان فرمایا۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص: ۸۲ تا ۸۵

[1] معارف، جنوری ۱۹۴۳ء

[2] تذکرہ سلیمان ص ۱۰۳ [3] مکاتیب سید سلیمان ص ۲۲۷ و ۲۲۹ [4] تذکرہ سلیمان ص ۱۰۰۔

سید صاحبؒ کا عربی ادب کا ذوق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت سید صاحبؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

عربی زبان وادب اور بلاغت اور اعجاز قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع وعمیق تھا[1]

مجلس خلافت سلطان ابن سعود کی دعوت پر موتمر اسلامی میں شرکت اور مسلمانان ہند کے خیالات کی ترجمانی کے لئے ایک وفد مرتب کرتی ہے تو اس کی قیادت کے لئے اس سے زیادہ موزوں شخص نظر نہیں آتا جو عالم اسلام کے اس نمایندہ ومنتخب مجمع میں عربی میں اظہار خیال کی قدرت رکھتا ہو اور مسلمانان ہند کی دینی علمی عظمت کا نقش قائم کر سکے[2]

نیز ندوۃ العلماء کے ابتدائی دور کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اس پورے عرصہ میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے فضلائے ندوہ کے قلم سے صرف ایک ہی کتاب ''دروس الادب'' (۱۔۲) (تصنیف مولانا سید سلیمان ندوی) نکلی، جو نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کے نصاب میں داخل ہوئی دوسرے مدارس کے حلقے میں بھی مقبول ہوئی کہ ہندوستان میں وہ اپنے طرز کی پہلی کوشش تھی۔[3]

علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میری نسبت اتنی بدگمانی تو آپ کو نہیں ہوسکتی کہ میں عربیت کے ذوق سے کورا ہوں، ابھی مولانا مناظر صاحب کی تعلیم وتربیت کی تنقید میں آزاد بلگرامی کی عربیت پر میری رائے آپ پڑھ چکے ہیں، میں نے ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا عربی شاعر وسعت کلام کی بناء پر کہا ہے، کیا ان کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے کسی شاعر کا ان سے پہلے کوئی چھوٹا سا عربی دیوان بھی دیکھا ہے؟ پھر جس نے مثنویوں کے علاوہ جس کے بھی

۱؎ دعوت فکر وعمل ص ۱۸۸ ۲؎ پرانے چراغ ص ۵۵ ۳؎ کاروان زندگی ص ۳۰۳۔

متعدد حصے ہیں دس دیوان یادگار چھوڑے ہوں اس کو ہندوستان کا سب سے بڑا عربی شاعر نہیں کہیں گے؟ صاحب حجۃ اللہ البالغہ کے اشعار وقصائد بھی آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے ان کی نظم کو حجۃ اللہ کی نثر سے تول کر دیکھیئے، کہ جس کی نثر ایسی ہے اس کی نظم کیسی ہے؟

نیز موصوف کے نام بھی تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے دارالعروبہ کی روداد معلوم ہوئی، کسی رنگ میں ہو دین کی خدمت زندگی کا کام ہے۔ عرب جاہلیت کے لئے بلکہ دین کے لئے عربی ادب کی خدمت بھی ایک کام ہے بشرطیکہ اسی نیت سے ہو۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

ادب برائے ادب کا تصور ذہنی عیاشی ہے اور دراصل ادب برائے زندگی ہی حق ہے، مگر کون سی زندگی؟ وہ زندگی جو اسلام کا مطلوب ہو۔ **فی الحیاۃ الدنیا والآخرہ** [1]

عبارت بلیغ فصیح جائز، لیکن عبارت وکلام میں تکلف وتشدق وتصنع ناپسندیدہ بلکہ منہی وممنوع، لیکن اس سے فن فصاحت وبلاغت وبدیع وسجع وقافیہ حرام نہیں[2]

---

[1] مکاتیب سید سلیمان ندویؒ ص ۱۸۵ و ۱۷۳ و ۱۷۰۔ [2] ایضاً ص ۱۸۳۔

فصل ۱

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے سید صاحب کی پہلی ملاقات

تذکرہ سلیمان کے مصنف جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۳۴ء ختم اور ۱۹۳۵ء کے آغاز کا زمانہ تھا، حضرت والا ڈاکٹر اقبال مرحوم کی دعوت پر کسی کمیٹی میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے، چونکہ اب تک حضرت مولانا تھانویؒ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس لئے لاہور سے واپسی پر خیال آیا کہ تھانہ بھون کچھ دیر کے لئے اتر جائیں، چنانچہ یہ اندرونی تقاضا پورا ہوا اور مرشد تھانویؒ کی زیارت ہوگئی، اس ملاقات سے خود حضرت شیخ (مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) قدس سرہ نے جو اثر لیا اس کو خود انہی کے جچے تلے پر کیف الفاظ میں سنئے، مولانا دریابادی کے ایک مکتوب میں اس کا ذکر فرماتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لے آئے میں مکان پر تھا، سنتے ہی حاضر ہوا، میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض تھا، ملا تو معتدل الخلقت پا کر قلب کو بہت انس ہوا، پھر ملاقات ومکالمات سے ان کی تواضع وسادگی ورعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہوگیا۔[۱] گیارہ بجے تشریف لائے تین بجے واپس تشریف لے گئے مجلس میں بہت دیر تک ثنا خوانی کرتا رہا۔''[۲]

---

[۱] کیسے مفتری ہیں وہ لوگ جنھوں نے بزعم محبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سید صاحبؒ گئے تو تھے ملنے کے لئے لیکن مولانا تھانویؒ نے بزور تصرف ان کو مسخر کرلیا اور از خود ان کو مرید بنالیا، اس بیان میں اگر مولانا تھانویؒ کی شکایت ہے تو سید والا مرتبت کے رتبہ عالی کا کون سا پاس ولحاظ ہے۔

(حاشیہ تذکرہ سلیمان ص ۱۰۹)

[۲] ملاحظہ ہو: ''حکیم الامت'' ص: ۴۳۸ و تذکرہ سلیمان ص ۱۰۹۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کیوں تشریف لے گئے تھے

حیات سلیمان کے مصنف شاہ معین الدین صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

درحقیقت تصوف وسلوک وہی چیز ہے جس کو قرآن مجید نے احسان سے تعبیر کیا ہے، یہ اخلاص فی العمل کی وہ کیفیت ہے جو محض کتابوں سے نہیں پیدا ہوتی، بلکہ اس کے لئے کسی صاحب دل سے تعلق، اس کی صحبت اور ریاضت ومجاہدہ ضروری ہے، آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حدیثیں کتابوں میں محفوظ ہیں، جو سب کی نظر سے گذرتی ہیں، بڑے بڑے کثیر الروایۃ صحابہ سے زیادہ ایک ایک محدث کو حدیثیں یاد ہیں، اور ان سے بقدر صلاحیت فائدہ بھی پہنچتا ہے، لیکن جو تاثیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روزہ صحبت نے صحابہ کرام میں پیدا کر دی تھی وہ اس پورے ذخیرہ کے حفظ سے پیدا نہیں ہوتی، پھر صحابہ کرام کی تعداد کئی لاکھ تھی، ان کے درجات کے لحاظ سے ان کا شرف مسلم ہے، لیکن ان میں سے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قرب اور واختصاص حاصل تھا، اسی قدر ان کو احسانی کیفیت سے حصہ ملا، اسی لئے بعد کے صحابہ مہاجرین اولین کے برابر نہیں ہیں، ان میں بھی عشرہ مبشرہ کا خاص درجہ ہے اس لئے جب عہدِ رسالت میں احسان کی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ضروری تھی تو اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی روح مضمحل ہوگئی ہے، دلوں پر سیکڑوں حجابات پڑ گئے ہیں کسی صاحب دل شیخ کی صحبت اور بھی زیادہ ضروری ہے، اس سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ محض کتابوں سے نہیں ہوسکتا۔ اسی کیفیت کو پیدا کرنے کے لئے بڑے بڑے ائمہ اسلام نے اپنے دور کے شیوخ کی طرف رجوع کیا ہے، اس لئے اگر سید صاحب نے (حکیم الامت حضرت) مولانا اشرف علی (صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف رجوع کیا تو اس سے ان کے علمی مرتبہ میں کیا فرق آتا ہے۔ (حیات سلیمان ص:۶۸۶)

تلاش شیخ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بے چینی

حضرت والا کو اصل کشش حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی ذات سے تھی مگر وہ اس عالم رنگ و بو میں موجود نہ تھے، اسی لئے تلاش شیخ ایک لاینحل سا مسئلہ بن گیا، خود فرماتے ہیں کہ :

''کامل دس برس تک چپکے ہی چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درد مانی کر سکے، بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی، بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے۔''[1]

منجانب اللہ رہنمائی اور غیبی نصرت

ایک رات عالم رویا میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی زیارت نصیب ہوئی، حضرت سیدی (مولانا سید سلیمانؒ صاحب) نے اپنی انگشت شہادت سے اپنے سینہ کی طرف اور پھر حضرت حاجی صاحب کے سینہ فیض گنجینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی ''اس کو ایسا کر دیجئے''

شیخ الشیوخ قدس سرہ مسکرائے اور ارشاد فرمایا: ''اب تو میں ایسا نہیں کرتا''

حضرت والا (علامہ سلیمان ندویؒ) فرماتے تھے کہ جب آنکھ کھلی تو اس خواب کی تعبیر یہ ذہن میں آئی کہ حضرت حاجی صاحب چونکہ عالم ناسوت سے تعلق منقطع فرما چکے ہیں، اس لئے ان کو عذر ہے اور اب ان کے کسی جانشین سے تعلق جوڑنا چاہئے۔

---

[1] تذکرہ سلیمان۔ص:۹۳

ہندوستان میں اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ ارشد تنہا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی تھے اور ان ہی کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل ہوگئی تھی جو گیارہویں صدی کے آغاز پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذات اقدس سے سرہند کو حاصل تھی، لازمی طور پر حضرت کے قلب ونظر نے پھر ذات اشرف ہی کی طرف جاذبیت محسوس کی اور ایسی جاذبیت جس نے رجوع پر مجبور کر دیا۔

غرض ظاہری مؤثرات اور باطنی تقاضوں سے مجبور ہوکر حضرت والاؒ کی نظر انتخاب مرشد تھانویؒ کو قبول ہی کرنے والی تھی کہ اسی دوران میں ایک صاف وصریح اور سچا خواب یہ دیکھا کہ ایک پلنگ پر حضرت مولانا تھانویؒ تشریف فرما ہیں اور اسی کے پاس ایک دوسرے پلنگ پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ خود حضرت والا بیٹھے ہوئے ہیں، یکایک مولانا مدنی اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت والاؒ کا ہاتھ پکڑ کر مرشد تھانویؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ان کو میری طرف سے قبول فرمالیں''[1]

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس رویائے صادقہ کے بعد حضرت والا کو یکسوئی حاصل ہوئی اور مرشد تھانویؒ قدس سرہٗ کی حلقہ بگوشی کا عزم فرمالیا[2]

درخواست بیعت

مناسبت تامہ کے بعد جو بہت جلد شیخ ومرید میں پیدا ہوگئی تھی، حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ: میں نے بیعت کی درخواست پیش کر دی، مگر حکیم الامت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] سلیمان نمبر معارف ص ۶۸، ۶۹ [2] تذکرہ سلیمان ص ۱۲۶

''پچاس خط لکھ چکیں تو پھر انشاءاللہ''

پھر فرمایا: ''خواہ روزانہ یا صبح وشام خطوط لکھ کر یہ عدد پورا کر دیجئے۔''

حضرت مولانا تھانویؒ پر انتظامی شان غالب تھی، اس لئے بیعت سے قبل ایک معتد بہ مراسلت کی شرط ضرور عائد فرماتے تھے،☆ یہاں بھی عام ضابطہ کے مطابق ایک قید تو عائد فرما دی مگر دیکھئے کہ کس حکیمانہ وکریمانہ انداز سے ضابطہ ومحبت کے تقاضوں کو ہم آہنگ کر دیا کہ نہ یہ ٹوٹے نہ وہ چھوٹے!

حضرت والاؒ نے یہ شرط قبول فرمائی کہ ع

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست[1]

عزم تھانہ بھون

جولائی اگست ۱۹۳۸ء میں مولانا عبدالباری ندویؒ مدظلہ تھانہ بھون میں مقیم تھے، اس مرتبہ کھل کر اور اصرار سے حضرت والا کو لکھا کہ:

''بس اب میری اس حاضری کے زمانے میں ہمت فرما کر آ ہی جائیں۔''

..............اس اصرار کی وجہ بھی خود مولانا ہی کی زبانی سنیے۔ :

''اصرار کی وجہ خصوصیت کے ساتھ یہ تھی کہ حضرت علیہ الرحمۃ کا سلسلۂ علالت طول پکڑتا جا رہا تھا اور ڈر تھا کہ کہیں یہ آفتاب ارشاد وتربیت لب بام نہ ہو۔''[2]

☆حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا اس نوع کی شرطیں لگانے کا دائمی معمول نہ تھا، بہت سے لوگوں کو بغیر کسی شرط کے فورا بیعت فرما لیتے تھے اور بہت سے لوگوں کو بیعت میں جلدی نہ فرماتے، بلکہ مختلف قسم کی شرطیں لگاتے جس سے مقصود طلب صادق کا امتحان ہوتا تھا، اور کبھی اس غرض سے تا کہ مناسبت تامہ پیدا ہو جائے، اور کبھی دوسرے اغراض ومصالح سے، مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ بیعت کا تعلق محض رسمی نہ ہو بلکہ حقیقی ہو۔

(مرتب)

[1] تذکرۂ سلیمان۔ ص: ۱۳۸ [2] سلیمان نمبر معارف ص ۶۵، ۹۶۔

ادھر حضرت والاؒ خود آمادہ ہی تھے، مولانا کو جواب تحریر فرمایا کہ:

''لفافہ ملا، میں آپ کے حرف حرف سے متفق ہوں، کل صبح انشاء اللہ علی گڑھ کے لئے روانہ ہوتا ہوں، خوشی ہوئی کہ آپ ۲۵/اگست تک وہاں (تھانہ بھون میں) رہیں گے، انشاء اللہ شاہدرہ لائن ریلوے سے ۱۱/اگست کی شام کو پہنچتا ہوں، دو روز ٹھہروں گا، اور بقدر ظرف فائدہ اٹھاؤں گا۔

چنانچہ پروگرام کے مطابق حضرت والا عازم سفر ہوگئے، اور چپ چاپ تھانہ بھون پہنچ گئے، مگر حکیم الامت سے یہاں ملاقات مقدر نہ تھی، حضرت حکیم الامت اپنے علاج کی غرض سے لکھنؤ پہنچ چکے تھے۔[1]

لکھنؤ میں مرشد تھانوی سے رجوع

تھانہ بھون میں مرشد تھانویؒ کو نہ پا کر حضرت والا لکھنؤ پہنچے، حکیم الامت کا قیام یہاں مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی کے مکان پر تھا، بیماری کے سبب سے عام ملاقات کا سلسلہ تو بند تھا، البتہ مخصوص حضرات جیسے خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے لئے حاضری پر امتناع نہ تھا، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بغرض رجوع آمد کی اطلاع جب حکیم الامت کی خدمت میں پہنچی تو فوراً بلالیا گیا اور ان کی ہی درخواست پر تربیت کی خدمت بلا تأمل قبول فرمائی گئی! اس طرح دس سالہ تلاش شیخ وسط اگست ۱۹۳۸ء میں بارآور ہوئی۔

جستجو آج وہاں پر مجھے لے آئی ہے
خود جہاں حسن محبت کا تماشائی ہے[2]

[1] تذکرۂ سلیمان، ص:۱۲۶ [2] تذکرۂ سلیمان، ص:۱۲۷

جناب وصل بلگرامی صاحب ''سفر نامہ لاہور ولکھنؤ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا محمد سلیمان ندوی عدم علم سفر کی وجہ سے حضرت والا سے ملنے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے، اور جب علم ہوا کہ حضرت والا لکھنؤ میں تشریف فرما ہیں، لکھنؤ تشریف لائے اور اپنی تمنا کو پورا کیا''۔[1]

مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی کا باضابطہ تعلق بیعت یہیں۔ (لکھنؤ میں) غالباً شروع اکتوبر میں ہوا۔[2]

''حکیم الامت قدس سرہٗ اگست ۱۹۳۸ء میں اپنے علاج کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے تھے، اس موقع کو حضرت والا نے غنیمت سمجھا اور حاضر خدمت ہو کر مستقلاً رجوع ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔''[3]

سید صاحب کی بیعت ایک غیر معمولی واقعہ اور دعوت فکر و عمل

سید صاحب کی یہ بیعت غیر معمولی واقعہ تھا اس میں انکسار و تواضع، اخلاص و حقانیت، اور کردار کی عظمت کے بہت سے پہلو پوشیدہ ہیں، اور اس میں دعوتِ فکر و عمل موجود ہے سید صاحب نے یہ روحانی قدم اس وقت اٹھایا جب ان کی علمی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اور اقبال جیسا علامۂ دوراں انہیں ''علوم اسلامیہ کا جوئے شیر کا فرہاد'' قرار دے رہا تھا۔[4]

---

[1] سفر نامہ لاہور و لکھنؤ ص: ۱۱۴ [2] حکیم الامت، نقوش و تاثرات، ص: ۵۷۴
[3] معارف سلیمان نمبر، ص: ۲۹۰ [4] تاریخ ندوۃ العلماء ص ۱۸۱ ج ۲۔

جذباتِ شوق کا وفور

ایک اور خاص کیفیت جو ارادت کے تعلق کے بعد ظاہر ہوئی وہ جذبات شوق کا وفور تھا جو جب سینے سے اٹھ کر زبان پر آتے شعر بن کر نکلتے تھے، چنانچہ خود صاحب کلام کو حیرت ہے فرماتے ہیں:

نغمہ اللہ سے طبع حزیں موزوں ہوئی
جو کبھی گاتی نہ تھی وہ وجد میں گانے لگی

اور پھر فرماتے ہیں:

فیض ہے یہ کس ولی وقت کا
اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

یہ بھی حضرت والاؒ کی زبان صدق سے سنا ہے کہ:

میری اس دور کی شاعری کا آغاز حضرت والا (تھانوی قدس سرہٗ) کے تعلق سے ہوا اور انجام بھی حضرت کی رحلت ہی پر ہو گیا، بعد میں مشکل سے دو چار غزلیں ہوئی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی موجودگی میں جذبات کا وفور رہتا تھا جو پھر باقی نہ رہا۔

اسی حقیقت کی ترجمانی ان اشعار میں بھی فرمائی ہے

جو شعر بھی سپرد قلم کر رہا ہوں میں — سب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں
دیوانہ گان عشق کو دے کر صلائے عام — آراستہ یہ مجلسِ جم کر رہا ہوں میں

اسی لئے یہ انتباہ بھی کر دیا ہے کہ ؎

سمجھیں مرے کلام کو جو ہوش مند ہیں — مستی میری یہ بادۂ انگور کی نہیں[1]

---

[1] تذکرۂ سلیمان ص: ۱۳۵۔

بیعت کے بعد جذب وشوق میں

حضرت سید صاحبؒ کے کہے ہوئے چند اشعار

جس دن سے مرے دل میں تری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں

عالم کے تماشے نہیں اب جاذب دل میں
ہر لذت ہستی کا مزا بھول گیا ہوں

ہر سمت نظر آتے ہیں ہر وقت وہ مجھ کو
دوریٔ مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں

اب مسئلہ کثرت ووحدت کو میں سمجھا
پا کر تجھے سب تیرے سوا بھول گیا ہوں

حل جب سے ہوا فلسفۂ حسن حقیقت
ہر مسئلہ اے ذہن رسا بھول گیا ہوں

ہے آہ وسحر گاہ میں وہ ذوق لب وگوش
چنگ نئے وبربط کی صدا بھول گیا ہوں

یہ غزل حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت ہونے کے ہفتہ عشرہ کے اندر ہی کہی تھی ہے[1] اس زمانہ میں جو کیفیات ان پر طاری ہوئیں ان کی ترجمانی اس سے بہتر اور کسی غزل میں نہیں پائی جاتی۔[2]

لکھنؤ میں چار دن حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی صحبت اور اس کے بعد کے تاثرات

چار دن کے مختصر قیام لکھنؤ کے بعد حضرت والاؒ نے اپنے جس تاثر کا اظہار فرمایا ہے وہ قابل دید ہے، (اپنے دوست مولانا عبدالباریؒ صاحب ندوی کے نام ایک خط میں) تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] اس کے صرف چند اشعار یہاں درج کئے گئے ہیں [2] معارف سلیمان نمبر، ص:۲۳۳۔

''لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی مگر مولانا (تھانویؒ) کی شفقت میری عقیدت کو بڑھاتی رہی اور آخر ان کی ہدایت کے بموجب اور آپ (مولانا عبدالباری) کا مشورہ تو پہلے ہی تھا، باب مکاتبت وا ہے اور اب تو وہی وہ ہیں: ع

آتے ہیں نگاہوں میں خیالوں میں دلوں میں

معائنہ سے بڑھ کر تصور میں مکالمے تک نوبت آتی ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بہرحال اپنی طرف سے سفر شروع کر دیا ہے، منزل پر پہنچانا جس کا کام ہے وہ پہنچائے گا دعا کیجئے![1]

افسوس اتنے دن کیوں غافل اور محروم رہا

سید صاحب مولانا عبدالباری صاحبؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اور مولانا کے مواعظ اور رسائل پڑھتا ہوں، اکثر علمی مسائل بھی اپنے ہی مذاق کے مطابق پائے اور احوال و کیفیات میں ان سے نئی نئی گرہیں کھلتی ہیں۔ افسوس کہ اتنے دنوں میں کیوں غافل و محروم رہا۔''

''اتنے دنوں کیوں غافل رہا'' کے خیال نے سالک کی طلب بے انتہا تیز کر دی تھی، ایک جگہ شیخ سے فرماتے ہیں:

دیر سے آیا ہوں ساقی دور سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھ کو جو عطائے عام ہے[2]

---

[1] تذکرہ سلیمان ۱۲۹ [2] تذکرۂ سلیمان، ص: ۱۳۰

بیعت کے بعد حضرت سید صاحبؒ کا حال

مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ ہی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی وہ عملاً سمجھ میں آ گئی، اور اب تلافی مافات میں مصروف ہوں، **لعل اللہ یرزقنی صلاحا**.

اب نہ دارالمصنفین سے زیادہ دلچسپی سے نہ ندوہ سے نہ علمی مقالات وتصنیفات سے، چونکہ میری روزی قلم سے وابستہ ہے، اور گھر میں اثاثہ بھی نہیں، اس لئے ناچار پڑا پھرتا ہوں، خداتعالی ہمت دے کہ ترک تعلق کرسکوں۔☆ ا۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے نام ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں پوری کوشش کررہا ہوں کہ رفقاء میں وہ فضا پیدا ہو جس کی تمنا آپ کو ہے، مگر ظاہر ہے کہ مجھی میں کیا ہے جو دوسروں پر اثر ہو، حضرت (حکیم الامت تھانویؒ) کی باتیں ان کو سناتا ہوں اور ان کی تصنیفات کی طرف متوجہ کرتا ہوں''۔

''میرا مذاق یہ ہے کہ شیخ وقت قائم مقام نبی ہے ان امور میں جو مختص بالنبوت نہیں'' ۲۔

بہرحال اب دل کی دنیا زیر وزبر ہوگئی، فکر ونظر کی قدریں بدلیں، اپنی اس حالت کا نقشہ مولانا مسعود عالم مرحوم کے ایک خط میں بھی حضرت والاؒ نے ہی ایجاز کے

☆ ٹھیک یہی حال حضرت امام غزالیؒ کا علامہ شبلیؒ نے ''الغزالی'' میں تحریر فرمایا ہے، امام غزالیؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

بالآخر میں نے سفر کا قطعی ارادہ کرلیا، علماء اور ارکان سلطنت کو جب یہ خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا اور حسرت سے کہا کہ یہ اسلام کی بدقسمتی ہے، ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہونا شرعاً کیوں کر جائز ہوسکتا ہے، تمام علماء وفضلاء یہی کہتے تھے لیکن میں اصل حقیقت سمجھتا تھا، آخر سب چھوڑ چھاڑ کر دفعتہً اٹھ کھڑا ہوا اور شام کی راہ لی۔'' **المنقذ من الضلال، للغزالی، ص: ۲۲**)

ا تذکرہ سلیمان ص ۱۳۰، سلیمان نمبر معارف ص ۹۵ ۲ سلیمان نمبر، ص: ۹۷ و ص: ۱۰۲)

ساتھ کھینچا ہے، معنویت کے ساتھ اعجاز بیان بھی ملاحظہ ہو:

"واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا، اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا، اب تو آہ آہ کا دور ہے، اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے۔ یہ آہ آہ (یعنی کثرت استغفار وذکر) اس درجہ بڑھی کہ دارالمصنفین کے ایک رفیق نے مجھ سے فرمایا کہ "دارالمصنفین کے درودیوار پر اس کا اثر چھا گیا تھا۔"[1]

تھانہ بھون کے سفر کی مختصر تفصیل

علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالماجدؒ صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"کیا آپ تھانہ بھون نہیں جا سکے، آپ نے کچھ لکھا نہیں، آپ نے لکھا ہے کہ گو فضل وکمال وزہد واتقا میں نہیں مگر مزاج دانی میں کم نہیں، مگر یہ ہیچمدان ویہچ میرز تو دونوں جہتوں سے خالی ہے،☆ میرے سفر کی تفصیل کیا، حاضر ہوا، صبح کی نشست میں یاد فرمانے پر حاضر ہوتا رہا، اور بعد ظہر تو اذن عام تھا، مقررہ نشست پر بیٹھتا رہا، اور ارشادات عالی کو سنتا رہا، موقع ہوا تو کچھ عرض بھی کیا، شفقتیں علی حالہ رہیں، پہنچنے پر ایک امر خاص میں استخارہ کے بعد استشارۃ کا فرمان تھا اس کو بجالایا اور مناسب جواب عرض کیا، جو باستحسان قبول ہوا اور رخصت ہوتے وقت مزید یادگار شفقت سے نوازا۔

☆ کیا حد ہے (اس تواضع وفروتنی کی ...... میں نے لکھا تھا کہ فضل وکمال، زہد وتقویٰ سے تو مجھے کوئی نسبت نہیں، البتہ حضرت تھانویؒ کی مزاج شناسی میں شاید ان کے کسی خلیفہ سے پیچھے نہ ہوں۔

دربار مرشد کی لذیز وعزیز حکایت میں اس درجہ اختصار خود ایک دلیل ہے فنائے نفس کی۔ عبدالماجد

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۳۱۔

بس یہ دو ہفتوں کے قریب کی حکایت ہے۔

میں حضرت والا تھانویؒ کی مجلس میں اس طرح آتا جاتا رہا کہ مجھے غیروں کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔

اب تو ماشاء اللہ آپ کی ذات مرجع بن رہی ہے، امید ہے کہ مدت کے ساتھی فراموش نہ ہوں گے اور بحکم **کونوا مع الصادقین** یعنی صدق والے کے ساتھ رہنے کی سعادت ملے گی، دعاء کا طالب اور ہمیشہ طالب۔ سید سلیمان ۲۶/مئی ۱۹۴۸ء[۱]

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت تھانویؒ سہ دری میں بیٹھ کر تصنیف کا کام کر رہے تھے، اور حضرت سید صاحب دور ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر حضرت تھانویؒ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے جہاں سے حضرت تھانویؒ ان کو نہ دیکھ سکیں۔ میں اچانک پیچھے سے ان کے قریب پہنچا اور کہا کہ حضرت! یہاں کیا کر رہے ہیں؟ کیا دیکھ رہے ہیں؟ میرے سوال پر اچانک چونک پڑے اور کہا کہ کچھ نہیں۔ میں نے جب اصرار کیا تو فرمایا کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ ساری زندگی جن چیزوں کو علوم سمجھتے رہے، وہ تو جہل ثابت ہوئے، علوم تو ان بڑے میاں کے پاس ہیں۔[۲]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی عنایتوں کا ذکر

حضرت سید صاحبؒ مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مکرم دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

---

[۱] مکتوبات سلیمان ص، ۱۲۲ و ۱۸۳ ج ۲ [۲] اصلاحی مجالس ص ۳۰۰۔

والا نامہ مؤرخہ ۱۹/ جولائی ملا، واقعتاً آپ نے اس صحیفہ کریمہ کا اقتباس بھیج کر رمضان میں پوری عید کردی، یہ سب حضرت والا رحمہ اللہ تعالی کی شفقتیں ہیں جو اپنے وابستوں کو اس طرح نوازا کرتے تھے، اولین ملاقات کے اس تاثر کا خیال کر کے میرے اس شعر کی معنویت اور بڑھ گئی ع

دل میں کیا کیا آرزوئے دید ہے

رمضان میں انتظار عید ہے

حضرت کی دزدیدہ نگاہیں جو کبھی کبھی مجلس میں مجھ پر پڑتی تھیں، ان کو ذہن میں رکھ کر میں نے کبھی کہا تھا ع

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار — آج ہی آغاز کا انجام ہے

دیکھ کر سب نے اسی کو چن لیا — جو نگاہِ ناز کے قابل ہوا

حضرت والا کا ایسا طرز تھا کہ ہر شخص سمجھتا کہ اس کے ساتھ ان کی خاص شفقت ہے، اسی خیال کو دیکھ کر کبھی یہ شعر کہا گیا تھا ع

تیرا انداز محبت خوب ہے

ہر کسی سے اک نیا اسلوب ہے[1]

حضرت سید صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں نے اپنے برادر گرامی مولوی مسعود علی صاحب کو جو تھانہ بھون میں مقیم تھے اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا اور ریاض مرحوم کا یہ مصرع لکھ دیا!

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی اور یہ مصرع بھی سنا دیا تو فوراً فقیروں کو بدل کر یوں فرما دیا! زندگی ہے تو سلیمان کا بھی پھیرا ہوگا۔

---

[1] مکتوبات سلیمان ص: ۲۰۹۔

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی تو خاکسار نے ایک بیت کہی ۔

خواجہ بخشید مرا سبحہ صد دانہ بلطف

دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنا دیا تو فرمایا ''تو بھئی مجھے بھی اس کا جواب کہنا پڑے گا، مگر کچھ فرمایا نہیں ۔[1]

سید صاحب کی حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے درخواست نصیحت

حضرت والا کی طبیعت اب پوری قوت کے ساتھ اپنے شیخ عالی مرتبت سے اخذ فیض کی طرف متوجہ ہوگئی، ذوق وشوق نے بار بار تھانہ بھون کی حاضری پر مجبور کر دیا اور شیخ کے خصوصی الطاف سے برسوں کے مراحل منٹوں میں طے ہونے لگے.........

ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ حضرت سید صاحب خانقاہ تھانہ بھون تشریف لائے، محفل خاص آراستہ تھی، سید صاحب حضرت مولانا تھانویؒ سے متصل بیٹھے ہوئے تھے، چپکے سے سید صاحب نے کوئی بات حضرت شیخ کے گوش گذار فرمائی، اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حضرت شیخ قدس سرہٗ نے سید صاحب کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا، ہم لوگ یہ عرض وارشاد کو سن نہ سکے، مگر دیکھا یہ کہ دفعتہً سید صاحب پر گریہ طاری ہوگیا یہاں تک کہ سسکیاں بندھ گئیں، پھر سید صاحب رخصت ہوگئے، ساری محفل محوِ حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا تھا لیکن بارگاہ اشرفیہ میں استفسار کی کس کو مجال ہوسکتی تھی، ایک عرصہ بعد حضرت خواجہ

[1] حکیم الامت کے آثار علمیہ، معارف ۱۹۴۴ء۔

صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوبؒ) نے جرأت کر کے وہ بات پوچھی تو حضرت حکیم الامت نے اظہار فرمایا:

''ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمایئے حضرت والاؒ فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شیخ کو میں کیا نصیحت کروں، پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسبِ حال تھا، میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کرسکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فنا و عبدیت ہے، بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے، بس اسی کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا و عبدیت کی تحصیل میں گذار دینی چاہئے، اس تقریر کا ان پر اس درجہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہوگئے۔[1]

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نقل فرماتے ہیں:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے، پورے ہندوستان میں جن کے علم کا ڈنکا بج رہا تھا، ''سیرۃ النبی'' کے مصنف، محقق وقت، اور سیاسی اعتبار سے بھی لوگوں کے اندر مشہور و معروف، حضرت سید صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! کوئی نصیحت فرمادیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ اتنے بڑے عالم ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں نصیحت کروں۔ یا اللہ! ایسی نصیحت دل میں ڈال دیجئے جو ان کے حق میں فائدہ مند ہو، تو اس وقت بیساختہ میرے دل میں

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۳۶، اشرف السوانح ۲۱۸ ج ۲

یہ بات آئی کہ ہمارے یہاں اول وآخر ایک ہی چیز ہے، وہ یہ کہ اپنے آپ کو مٹادینا۔ حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات کہتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا، وہ جھٹکا میرے دل پر ایسا لگا کہ اسی وقت گریہ طاری ہوگیا۔[1]

حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ اس (مذکورۃ) واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندویؒ مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کررہے ہیں، یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کردی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا''۔[2]

حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد سید صاحب کی زندگی میں غیر معمولی تبدیلی

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس تعلق کے ساتھ سید صاحب کے لیل ونہار ہی بدل گئے، اگرچہ ان کی پوری زندگی دینداری اور پرہیزگاری میں گذری تھی، لیکن بادۂ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد ان کی دینداری میں تقویٰ اور تورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہوگیا، عبادت وریاضت بڑھ گئی، ذکر خفی کے ساتھ ذکر جلی بھی کرنے لگے، تقریر وخطابت نے وعظ وپند کی شکل اختیار کرلی، زیادہ وقت علمی مذاکروں کے بجائے رشد وہدایت میں صرف ہونے لگا''۔[3]

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اسی

---

[1] اصلاحی مجالس ص ۲۹۹ [2] اصلاحی خطبات ص ۳۶ ج ۵ [3] سلیمان نمبر ص ۳۴۔

زمانہ کی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد الیاس صاحبؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور ایک تبلیغی جماعت بھی اس وقت ندوہ میں ہی مقیم تھی، دونوں کا قیام ندوہ کے مہمان خانہ میں تھا، اس زمانہ میں سید صاحب پر ذکر جہر کا بہت غلبہ تھا، دونوں حضرات کا قیام مہمان خانہ ہی میں تھا، مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ سید صاحب کے اس ذوق کو دیکھ کر بہت مسرور تھے''۔[1]

مدیر معارف مولانا شاہ معین الدین ندوی نے حضرت سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''وہ صبغۃ اللہ میں بالکل رنگ گئے تھے، ''وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً'' اور ان میں بڑا روحانی انقلاب ہوگیا تھا، ان کے خیالات میں بھی بڑا تغیر پیدا ہوگیا تھا، اور ان کی تقریروں اور تحریروں کا رنگ بھی بدل گیا۔

حضرت والاؒ کے داماد محترمی جناب سید حسین صاحب نے جو خود بھی حضرت تھانویؒ ہی کے دست گرفتہ ہیں، حضرت والا کے تبدیلی احوال کا بڑا جامع نقشہ کھینچا ہے لکھتے ہیں:

''پہلے دارالمصنفین کے کاموں سے خالی اوقات کا کافی بڑا حصہ اہل وعیال کے ساتھ دینی مذاکرہ میں صرف فرماتے یا چھوٹے بچوں سے بذلہ سنجی میں، اب اوقات کا بڑا حصہ خلوت میں گذرتا، خواہ مسجد میں ہو یا اپنے مسکونہ کمرے میں پہلے عصر کے بعد

---

[1] پرانے چراغ، ص:۳۸ سلیمان نمبر معارف ص۳۴ و۱۱۱ ۔

☆ علامہ شبلیؒ ''الغزلی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''امام صاحب نے خود ''المنقد من الضلال'' میں لکھا ہے کہ حج کرنے کے بعد اہل وعیال کی کشش نے وطن پہنچایا حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا، وطن پہنچ کر میں نے عزلت وخلوت اختیار کی لیکن زمانہ کی ضرورتیں اور معاش کی تلاش میرے صفائے وقت کو مکدر کردیتی تھیں اور دلجمعی واطمینان کا وقت جستہ جستہ ہاتھ آتا تھا۔ (الغزالی ص:۲۷)۔

چائے رفقائے دارالمصنفین کے ساتھ نوش فرماتے، اور مغرب تک ان سے مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے، یہ مجلس بھی ختم ہوگئی، کبھی اعزہ اہلیہ محترمہ سے اشتیاق ظاہر کرتے کہ قبلہ سے کچھ باتیں سنوادیجئے، عرصہ ہوا ان کی صحبت میسر نہیں آئی تو وہ جاکر خلوت سے آتیں اور کچھ دیر کے لئے آپ تشریف لے آتے، اہل وعیال اور احباء کی درخواست آپ کم مسترد فرماتے تھے، اس لئے ان کی دلجوئی واستمالت کے لئے برآمدہ یا آنگن میں تشریف رکھتے مگر دل کہیں اور ہی ہوتا، سب کی خیر وعافیت دریافت فرماتے اور جلد ہی کہیں اٹھ کر جانا چاہتے، اگر کوئی اصرار کرتا تو تھوڑی دیر کے لئے رک بھی جاتے، لیکن سب کو یہ محسوس ہوتا کہ ۔

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح وشام کا

اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو نہیں رہا (مجذوب)

یہ صورت دیکھ کر لوگوں نے اصرار کرنا ترک کردیا اور حضرت قبلہ کا اہل وعیال سے ملنا جلنا بھی دس پانچ منٹ کا رہ گیا، باہر کے سفر بھی ترک فرمادیئے، ایم، اے وغیرہ کے امتحانات کی ممتحنی وغیرہ سب چھوڑ دی، اور دارالمصنفین کے کام کے علاوہ خلوت کو زیادہ عزیز رکھنے لگے۔

خوردونوش اور لباس وغیرہ میں بڑی تبدیلی ہوگئی پہلے کے لباس فاخرہ سب بکسوں ہی میں بند رہ گئے، نادرشاہ کی عطا کردہ خلعت کو کیڑوں ہی نے چاٹ لیا، اکثر اہلیہ محترمہ یاد کرکے ہر دوسرے دن کپڑے نکال دیتیں اور اگر کاموں کی مشغولیت سے انہیں خیال نہ رہتا تو خلاف معمول تین تین دن تک ایک ہی کپڑا پہنے رہتے، بعض لوگ جنہیں مزاج عالی میں درخور تھا، کبھی یہ عرض کرتے کہ حضرت تصوف کے یہ معنی تو نہیں کہ انسان کو کپڑا بدلنے کی بھی خبر نہ رہے تو مسکرا کر فرماتے کہ اب بوڑھا ہوگیا ہوں، یاد نہیں رہتا، آپ یاد دلادیا کریں۔

انہی ایام میں دیکھا کہ قبلہ فرش زمین پر بیٹھے ہیں کہ لوگ آگئے، آپ بیٹھے

بیٹھے گفتگو فرمانے لگے، کبھی بعد نماز مغرب دارالمصنفین کی مسجد کی شمالی چار دیواری پر ایک کونہ میں ذکر حق میں مشغول ہوتے، کبھی مکان مسکونہ کے باہر برآمدہ میں تخت پر بغیر کسی فرش کے کبھی مکان کے کسی اور گوشہ میں متوجہ الی الحق پائے جاتے، کھانے کا وقت آتا یا کسی اور ضرورت سے لوگ تلاش کرتے ہوئے پہنچتے تو اس حالت میں دیکھ کر عرض کرتے کہ اس طرح کیوں تشریف رکھتے ہیں، فرمادیئے ہوتے تو فرش بچھا دیا جاتا یا قالین کی جانماز بچھا دی جاتی سردی کا موسم ہے، ٹھنڈک نہ لگ جائے فرماتے کہ ان ظاہری باتوں میں کیا رکھا ہے۔☆

یہ اس شخص کا حال ہے جو اس دور میں نفاست مزاج میں مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کی مثال اور ظاہری و باطنی حسن اخلاق کا مجسمہ تھا، جس کا رہن سہن اور لباس شاہانہ رہ چکا تھا۔" [1]

☆ سید صاحبؒ کے یہ احوال اور کیفیات بھی امام غزالیؒ کے احوال کے مشابہ تھے، علامہ شبلیؒ امام غزالیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے عجب ذوق اور وارفتگی کی حالت تھی، پر تکلف اور قیمتی لباس کے بجائے بدن پر کمّل تھا، اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گذران تھی۔

غرض بغداد سے نکل کر شام کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہوئے، روزانہ یہ شغل تھا کہ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے، متصل دو برس تک دمشق میں قیام رہا، اگرچہ زیادہ اوقات مجاہدہ و مراقبہ میں گذرے، تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے۔ دمشق سے نکل کر بیت المقدس پہنچے یہاں بھی یہ شغل رہا کہ صخرہ کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے۔

(الغزالی، ص ۲۳، ۲۵)

[1] تذکرہ سلیمان ص: ۱۳۴، سلیمان نمبر، معارف، ص: ۳۲۹ تا ۳۳۲۔

خلافت سے سرفرازی

اگست ۱۹۳۸ء میں سید سلیمان ندوی نے راہِ سلوک میں قدم رکھا اور اب اکتوبر ۱۹۴۲ء آ پہنچا تھا، مسافر نے عشق ومعرفت کی اتنی منزلیں طے کر لی تھیں کہ اب وہ حکیم الامت کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب وفراز اور پیچ وخم سے پوری طرح باخبر اور ناواقفوں کی راہبری کے لئے ہر طرح لائق اعتبار تھا۔

حضرت حکیم الامت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا، استخارہ سے تائید وتقویت پائی پھر سید صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا عنوان تھا،

"استشارہ بعد از استخارہ کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دیدوں میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کرلیا ہے اب آپ کا کیا مشورہ ہے۔"

حضرت سید صاحب فرماتے تھے، کہ چونکہ دوتین ہی روز میں تھانہ بھون کی حاضری کا قصد تھا اس لئے میں نے اس گرامی نامہ کا جواب نہیں دیا، اور جب حاضر خدمت ہوا تو خاموش ہی رہا، ایک دن حضرت والا کی طرف سے ایک پرچہ ملا کہ:

"آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا":

اس اصرار پر میں نے جواباً عرض کیا کہ:

"حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی، میں کہاں اور یہ ذمہ داری کہاں"

حضرت حکیم الامت اپنے مریدوں کو ہر مرحلہ پر آزماتے اور پرکھتے رہتے تھے، چنانچہ جب سید صاحب کا وہ جواب پہنچا تو حضرت حکیم الامت بے حد مسرور ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ:

"الحمدللہ وہی جواب آیا جس کی توقع تھی"، بس اس کے بعد سید صاحب کو ۲۲ر

اکتوبر ۱۹۴۲ء میں سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمائی، حافظ محمد عثمان صاحب اس بات کے راوی ہیں کہ ”حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت حکیم الامت اس درجہ مسرور و مطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ الحمدللہ مجھے اب کچھ فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔“ ؎۱

جناب سید حسین صاحب کمشنر لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں:

دسمبر کی پہلی یا دوسری تاریخ کو حضرت تھانویؒ کا والا نامہ آیا عصر کی نماز کے بعد حسب معمول کمرہ میں چائے آئی سب اعزہ جمع ہو گئے چائے پی کر سب لوگ چلے گئے مگر میں وہیں بیٹھا رہا قدرے سکوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

”حضرت مولانا کا والا نامہ آیا ہے تحریر فرمایا ہے کہ منجانب الٰہی وارد ہوا ہے کہ آپ کو طریق قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ و چشتیہ میں اجازت بیعت کی دوں، چنانچہ اس وارد غیبی کے تحت آپ کو اس کا اہل پاتے ہوئے اجازت بیعت کی دیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ برکت وصبر عطا کریں، اور آپ کے فیوض کو عرصہ دراز تک جاری رکھیں، آپ اس کی اطلاع اپنے ملنے والوں اور دوستوں کو بھی کر دیں، تا کہ لوگوں کو علم ہو جائے اور ان کو افادہ ہو۔

یہ خبر سنانے کے بعد اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ بھائی میں تو بالکل خام ہوں لیکن حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں تم کو اس کی خبر کرتا ہوں۔ ؎۲

؎۱ بزم اشرف کے چراغ، ص:۸۰

؎۲ معارف سلیمان نمبر ص ۳۲۹ مئی ۱۹۵۵ء

اجازت وخلافت کے بعد کے کہے ہوئے چند اشعار

براہ الٰہ آباد بتقریب خلافت ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۲ء

ابھی تو مشق فغاں[1] کنج[2] میں ہزار[3] کرے　　اثر[4] کے واسطے کچھ اور انتظار کرے

جو آج لذت دردِ نہاں کا جویا ہے　　وہ پہلے سوز سے دل کو تو داغدار کرے

انہیں کے دینے سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے　　وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار[5] کرے

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو　　مجال ہے جو کوئی ان کو ہمکنار[6] کرے

سنا تو دے انہیں افسانۂ غم ہجراں　　وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار[7] کرے

وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو[8]　　وہ طرزِ نالہ[9] ہو جو ان کو بیقرار کرے

تری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا[10]　　تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے[11]

تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں　　وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے[12]

(تذکرہ سلیمان ص ۱۵۵)

---

۱ تحلیل ذکر ۲ نہاں خانہ دل ۳ ذات سالک ۴ حصولِ تمکین ۵ منصب ومقام ولایت جو وہبی ہے یو تیہ من یشاء ،البتہ راہ ولایت کھلی ہوئی ہے جو چاہے پہنچنے کی کوشش کرے ۶ یعنی حق تعالیٰ کا وصال حقیقی تو ایک محال عقلی ہے، البتہ وصال مجازی یعنی بندہ کے حسب استعداد وحجابات کا ارتفاع ممکن بھی ہے اور مقصود بھی ۷ یعنی دعاء بذات خود عاشق کا مطلوب ہے۔ ۸ اشارہ ہے ''**ادعونی استجب لکم**'' کے وعدہ ربانی کی طرف ۹ مراد آداب دعا جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، مثلاً اخلاص، عجز اور یقین وغیرہ ۱۰ یعنی وہ اللہ (ہمہ مہر) ہے، رحمٰن، رحیم اور ودود ہے! ۱۱ مراد توفیق الٰہی جس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ **قل ان الھدی ھدی اللہ** ۔ (قرآن) ۱۲ یعنی وصول الی اللہ کے دونوں ہی طریق: (۱) اجتباء یا جذب (۲) انابت یا سلوک۔ طالب مولی بہرحال کامیاب ہے!!۔ (حواشی از تذکرہ سلیمان ص ۱۵۵)

تھانہ بھون سے لکھنؤ واپسی پر ندوۃ العلماء میں اصلاحی مجالس

جناب سید حسین صاحب (کمشنر لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں:

تھانہ بھون میں دس بارہ روز قیام کے بعد جب لکھنؤ واپسی ہوئی تو مجھے بھی ان کے پروگرام کی اطلاع ہوئی، رخصت پر تو تھا ہی اپنے نجی کام سے لکھنؤ گیا اور بعد فجر ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ پہنچا وہاں قبلہ کو موجود پایا، آپ کے حالات و کیفیات کو یہ ناچیز کیا سمجھ سکتا، لیکن اتنا اندازہ ضرور ہوا کہ حضرت بے حد مسرور وشاداں ہیں، دار العلوم کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر حضرات مہمان خانہ میں حضرت کے گرد جمع تھے، اور آپ اپنے مخصوص انداز میں گفتگو فرمارہے تھے، چائے آئی میں بھی شریک ہوا، چائے کے بعد مخصوص حضرات وہاں رہ گئے تھے جن میں زیادہ دار العلوم ہی کے اساتذہ اور طالب علم تھے، اس مجلس میں قبلہ نے اپنی غزل مؤرخہ ۲؍نومبر جو اوپر درج ہو چکی ہے لوگوں کو سنائی یہ مجلس تقریباً دس گیارہ بجے ختم ہوئی، کھانا کھایا گیا قدرے قیلولہ کے بعد نمازِ ظہر مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء میں جماعت کے ساتھ ہوئی، اس کے بعد پھر مہمان خانہ میں مجلس ہوئی، اس مجلس میں بھی کچھ غزلیں سنائیں، حاضرین میں سے چند حضرات کو میں نے علیحدہ کہتے ہوئے سنا کہ سید صاحب قبلہ میں غیر معمولی تغیر ہے، یہ باتیں ان میں نہ کبھی دیکھی تھیں اور نہ سنی تھیں، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو کبھی اس طرح شعر پڑھتے نہیں سنا تھا، اس لئے بہت متعجب تھے، دو یا تین دن دار العلوم میں قیام رہا، اس درمیان میں برابر اس قسم کی مجلس ہوتی رہی، پھر لکھنؤ سے قبلہ کے ساتھ میں بھی ہم سفر ہوا ریل میں یہ غزل ارقام فرمائی:

ہر بات میں جس کی ہے کیفیت مستانہ — آباد رہے یا رب تا حشر وہ میخانہ
چھائی ہے یہاں مستی ہر ایک نمازی پر — حیرت ہے یہ گھر اے دل مسجد ہے کہ میخانہ

زاہد نے کہاں پائی زاہد نے کہاں پی لی گفتار ہے رندانہ رفتار ہے مستانہ
دستار فضیلت ہو یا دلق مرقع ہو ہونا ہے اسے اک دن نذرِ مے و میخانہ
ہر قطرہ ندامت کا جو دیدۂ تر میں ہے ہے دامن خالی کا وہ گوہر شاہانہ
وہ چشم محبت تو جو پائے محبت ہے دیکھے تو ذرا کر کے اس سے کوئی یارانہ
معشوق یگانہ ہے عاشق بھی یگانہ ہو یعنی کہ جو ان کا ہو وہ سب سے ہو بے گانہ[1]

حضرت تھانویؒ کا فیض سید صاحبؒ کے واسطے سے

ایک عالم دین کو بیعت کی درخواست پر حضرت سید صاحب نے تحریر فرمایا:

''بیعت سے مقصود تعلیم باہمی پر معاہدہ ہے سو تعلیم جاری ہے، اپنا رسوخ دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر اس برکت کے حصول کی خواہش فرمائیں گے تو دریغ نہ ہوگا۔

میرے پاس بجز حضرت والا کی نسبت کے کوئی اور چیز نہیں ہے یہی نسبت انشاء اللہ تعالیٰ پیش ہوگی۔

آپ تعلیم الدین اور تبلیغ دین کا مطالعہ اس نیت سے فرمائیں کہ آئینہ میں اپنے کو دیکھیں جو اپنے میں خیر یا مطابق عمل پائیں اس پر شکر کریں اور جو کمی پائیں اس کے حصول اور عمل کی کوشش فرمائیں، تبلیغ دین میں کہیں کہیں زمانہ کے لحاظ سے کچھ غلو معلوم ہوگا اس کی اصلاح حسب تجویز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ پوچھنے پر عرض کی جائے گی۔[2]

ایک مسترشد خاص کو تحریر فرماتے ہیں:

میری نسبت آپ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ صرف آپ کا حسن ظن ہے.......... مجھ میں بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ حضرت والاؒ کا دست گرفتہ ہوں، اب جو کچھ ہے یہی نسبت ہے اور اسی کا بفضل خدا بھروسہ ہے آپ میرے لئے دعا کریں اور میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔[3]

---

[1] سلیمان نمبر، معارف ص: ۳۲۷ [2] بینات کراچی، محرم ۸۴ھ [3] سلوک سلیمانی ص ۴۳۹۔

فصل ۲

اپنی تصانیف پر نظر ثانی کی فکر و احساس اور اہل علم دوست حضرات سے مشورہ و درخواست

سید صاحب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تصانیف کا تعارف کراتے ہوئے ''ترجیح الراجح'' کے تعارف کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

''ترجیح الراجح'' یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے اپنے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے، جن میں از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کردی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرات تابعین و تبع تابعین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا۔[1]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت علامہ سید صاحبؒ نے مرشد تھانوی حضرت حکیم الامت کی طرف رجوع فرمایا اور تزکیہ نفس کے لئے بار بار تھانہ بھون حاضری کی نوبت آئی، تزکیہ ظاہر و باطن کے ساتھ ماضی کے اعمال و افعال پر بھی نظر ہونا اور کوتاہیوں کا تدارک کرنا لوازم میں سے ہے۔

[1] معارف فروری ۱۹۴۴ء۔

حق تعالیٰ نے جب سید صاحبؒ کو اس مقام فناء پر سرفراز فرمایا، تو اپنے اعمال ماضیہ کے جائزے اور تلافی مافات کے ساتھ اپنی چالیس سالہ علمی تحقیقات اور تصانیف اور مقالات و مضامین اسی جائزہ کا مستقل موضوع بنے اور بالآخر محرم ۱۳۶۳ھ میں معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۴۳ء آپ نے سلف صالحین کی اس سنت کو زندہ فرمایا اور ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے ایک مضمون اپنی سب تصانیف اور تحریرات و مضامین کے متعلق اجمالاً اور خاص خاص مسائل سے رجوع کے متعلق تفصیلات شائع فرمایا۔

یہ رجوع واعتراف کا مضمون علامہ سید صاحب کے کمال علم اور کمال تقویٰ کا بہت بڑا شاہکار ہے اس پر خود مرشد تھانوی سیدی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی مسرت کا اظہار نظر میں فرمایا۔[۱]

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ جناب مولانا سید سلیمان ندویؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سید صاحب فطری طور پر خود رائی سے بہت دور تھے............سید صاحبؒ میں قلب و باطن کے تزکیہ وترقی کا بڑا قیمتی فطری جوہر ان کی یہی خوبی تھی کہ بڑوں کیا چھوٹوں کی بات کو بھی قبول کرنے کی آمادگی میں جتنا ان کے ظرف کو عالی پایا اتنا کم کسی کے ظرف کو پایا۔

(حضرت سید صاحبؒ نے) حضرت (اقدس تھانویؒ) کے اشارہ ہی سے اپنی تصنیفات کے ہزاروں صفحات کی نظر ثانی پر تل گئے،

۱۱ ر رمضان مبارک ۶۲ھ کے والا نامہ میں (حضرت سید صاحب) فرماتے ہیں:

''ادھر جب سے حضرت والاؒ کا ایما ہوا تھا، جس سے متعلق اشعار معارف میں چھاپ دیئے ہیں، یہ خیال غالب رہا ہے کہ اپنی تصنیفات پر نظر ثانی کر کے رکھ جاؤں، پھر

[۱] تصویر کے شرعی احکام ص ۷، ۸۔

جب چھپیں، چنانچہ سیرت جلد اول پر نظر ثانی آدھی سے زیادہ ہوگئی ہے اور وہ چھپ بھی رہی ہے“۔

”اسی سلسلہ میں سیرت کی تیسری جلد معجزات والی بھی آتی ہے، اس میں جو حصہ آپ کا ہے اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں، زبانی بھی کہہ چکا ہوں آپ مہربانی فرما کر نظر ثانی فرما کر بھیج دیں، لیت ولعل، یا حوالہ غفلت نہ کریں اس میں آپ کا فائدہ ہے اور امت کا بھی“

سیرت کی پانچویں جلد نکلنے پر خصوصیت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ:

”آپ نے سیرت کی پانچویں جلد پڑھی بھی؟ آپ لوگوں سے اس لئے نہیں پوچھتا کہ تحسین مقصود ہے بلکہ اس لئے کہ میں محسوس کروں کہ غلط نہیں چل رہا ہوں، سہارا چاہتا ہوں، تعریف نہیں“[1]

رجوع واعتراف

ڈاکٹر غلام محمد صاحب تذکرہ سلیمان میں تحریر فرماتے ہیں:

راہ سلوک میں آ کر ایک مخلص سالک کی نظر اپنے نفس واعمال پر محاسبانہ انداز سے پڑنے لگتی ہے، وہ اپنے حال ہی کا نہیں بلکہ ماضی کا بھی جائزہ لے ڈالتا ہے تا کہ جہاں کہیں کوئی کور کسر نظر آئے اس کی تلافی کر سکے، اور ماضی کے دامن پر اگر کہیں کوئی داغ دھبہ پڑ گیا ہے تو اسے دھوڈالے، اس دور کے سید السالکین کو بھی اس مرحلہ سے گذرنا پڑا اور تلافی مافات کی فکر ان پر بھی غالب آ کر رہی۔

ادھر شیخ سے والہانہ محبت نے مسلک شیخ کو اس درجہ محبوب بنا دیا کہ اس کی خاطر ہر ایثار وقربانی کی امنگ خود بخود دل میں پیدا ہونے لگی۔

---

[1] ماخوذ از سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء مضمون حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ ص ۹۸و۱۰۲

چنانچہ حکیم الامت کے کسی اشارے کنایہ کے بغیر از خود اپنے احساس سے مجبور ہوکر حضرت والا نے ''رجوع واعتراف'' کے نام سے جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف میں ایک تحریر شائع فرمائی جوان کے اسی حال کی ترجمان ہے، جس میں مبتلا ہوکر خسرو بے ریا کہہ اٹھا تھا:

خلق میگوید کہ خسرو عشق بازی می کند
آرے آرے میکنم باخلق عالم کار نیست

وہ تحریر دلپذیر یہ ہے، ذرادل ودماغ کی یکجائی اور یکسوئی کے ساتھ ملاحظہ ہوتا کہ اس حال عالی کا فیضان آپ پر بھی ہوسکے[1]

علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ کا اپنی بعض تحقیقات سے رجوع

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہوگیا، یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر لئے، میری تحریر کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا ہے اور اب ۱۹۴۲ء ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کر لئے، جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہوں گی تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے :

از کردۂ ناصواب یارب توبہ

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہوگئے، یادنہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباع حق کے بجائے اتباع ہویٰ کے موقعے کہاں کہاں پیش آئے اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبان حال یہ صدائے غیب آتی ہے۔

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۴۵

چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

کتابوں اور مضمونوں کے ہزار ہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں جا سکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے جس سے اتباع حق کے بجائے اتباع ہویٰ کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حالت میں قصوروار ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا علم و عمل کی لغزش گاہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے اس لئے یہ خاکسار ہیچمدان علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دانستہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف اور اپنی ہر اس رائے سے جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو، اعلان برأت کرتا ہے، وما توفیقی الا باللہ.[1]

مذہبی مسائل میں سید صاحبؒ کا مسلک

مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین رحمہم اللہ تعالی کے مسلک سے علیحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہ نہیں ہو سکی بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے لیکن کبھی کوئی ایسی رائے اختیار نہیں کی جس کی تائید ائمہ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے۔

[1] معارف جنوری ۱۹۶۳ شذرات سلیمان ص ۳۱۸۔

معراج اور فناء نار کے مسئلہ میں رجوع

ایسا بھی دو چار دفعہ ہوا ہے کہ ایک تحقیق کے بعد دوسری تحقیق سامنے آئی ہے اور اپنی غلطی ظاہر ہوئی ہے تو بعد کے ایڈیشن میں اس کے مطابق تبدیلی کردی ہے مثلاً معراج بحالت بیداری وبہ جسم ہونے پر قرآن پاک سے صحیح استدلال مجھے پہلے نہ مل سکا اور بعد کو اللہ تعالی نے توفیق سے صحیح دلیل سمجھا دی تو دوسرے ایڈیشن میں اس کو بڑھا کر مقام کی تصحیح کردی۔

اسی طرح فنائے نار کے مسئلہ میں پہلے حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیم کی پیروی میں کچھ لکھا گیا، بعد کو جمہور کی رائے کا اضافہ کر کے دونوں کے دلائل کی تشریح کردی اور اب بحمد للہ کہ اس باب میں جمہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آ گیا۔ **وما توفیقی الا باللہ.**

تصویر کے مسئلہ میں رجوع

مسئلہ تصاویر کے متعلق میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی اور خصوصاً نصف حصہ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا، اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے جن میں سے بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف ہین لیکن بہرحال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ صحیح یہی ہے کہ امر اول (یعنی عکسی تصویر جو کیمرے وغیرہ سے لی جاتی ہے) دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے اور امر ثانی کا کھینچنا ناجائز اور کھنچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرے کے دونوں جائز! پوری تفصیل آئندہ لکھی جائے گی، انشاءاللہ تعالی۔

زیوروں کی زکوۃ کے مسئلہ میں رجوع

زیوروں میں زکوۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا ہے، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عدم وجوب کی قائل تھیں، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ان کے اس مسلک کی تشریح میرے قلم سے کچھ اس انداز سے نکلی ہے جس سے اس مسئلہ میں ان کی اس رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب علم نے بڑی خوبی سے اس کا جواب بھی ایک رسالہ میں لکھا ہے جو شائع ہو چکا ہے اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دینا ہے اور کہہ دینا ہے کہ میں زیوروں میں جمہور کے فیصلہ کے مطابق زکوۃ کے وجوب کا قائل اور اس پر بحمد للہ عامل ہوں اور کتاب کے آئندہ اڈیشن میں انشاء اللہ اس کی تصحیح بھی ہو جائے گی۔

یہ باتیں کسی معترض کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ تعالی کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے لکھ رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ بارالہا مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ اور مجھے راہ صواب دکھا، **ربنا اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين. ربنا لا تواخذنا ان نسينا او اخطانا ......واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا !!!**

اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا ہو جس نے میری وجہ سے ان مسئلوں میں میری رائے اختیار کی ہو تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اس میرے رجوع اور تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کر لے اور صحیح امر اختیار کرے، علمائے سلف میں اپنی رائے سے رجوع اور ترجیح اور قول ثانی کا رواج عام رہا ہے۔ یہ ان ہی کا اتباع حق ہے **والحق احق ان يتبع والسلام علىٰ من اتبع الهدى**[1]

---

[1] معارف ماہ جنوری ۱۹۴۳ء و تذکرہ سلیمان، ص: ۱۶۰ تا ۱۶۲۔

رجوع واعتراف پر سید صاحب کی شان میں حضرت تھانویؒ کی مدحت

''بزم اشرف کے چراغ'' کے مرتب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت سید صاحب نے حکیم الامت کے بغیر کسی اشارہ وکنایہ کے ازخود اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع واعتراف کے نام سے جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف میں ایک تحریر شائع فرمائی اور یہ شمارہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا، حضرت تھانویؒ کے قلب مبارک پر اس تحریر کا بڑا اثر ہوا، اور اپنی عادت ومزاج کے خلاف پہلی اور آخری مرتبہ اپنے خلیفہِ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے۔

اعتراف (یعنی اخذ اعلان) — ازاعتراف (یعنی رجوع سلیمان)

لمثل ہذا فلیعمل العاملون — وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون

اقتباس ترغیب دل پذیر — از مثنوی رومی بتصرف یسیر

از سلیمان گیر اخلاص عمل — دان تو ندوی را منزہ از دغل

اے دلت معمور از اسرار حق — اے دلت مخمور از آثار حق

اے دلت پر نور از انوارِ حق — اے دلت مسرور از اخبار حق

صد مبارک باد ایں اظہار حق — صد مبارک باد ایں اقرار حق

لیک باشد ایں طریق نفع خاص — کہ بہ اہل علم دار واختصاص

سعی نفع عام اینجا واجب است — آنکہ نافع بہر ہر ہر طالب است

در کلام خود نظر خود کردنی — یا کہ نقادے بدست آوردنی!

ہمچناں کردم بہ تالیفات خویش — صرف ہم کردم اے او نقد خویش

گرچہ ناظم نیستم ابیات را — نثر کردم لیک ایں جذبات را

مقصد من خیر خواہی ہست دبس — بوکہ با رغبت فتد در گوش کس

اشرف علی ۲۷ر محرم ۱۳۶۱ھ (بزم اشرف کے چراغ ص ۸۱)

سید صاحبؒ کی حضرت تھانویؒ سے آخری ملاقات اور حضرت تھانویؒ کی ایک وصیت

حضرت سید صاحبؒ یادرفتگاں میں ''موت العالم موت العالم کے ضمن میں'' ''میری آخری حاضری'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

خاکسار جون کے آخر میں اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادہ سے روانہ ہوا............۶/جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور ۷/ کی دوپہر کو عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھیگتے ہوئے پہنچا[1]

اسی آخری سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مسعود عالم ندوی صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت سے ۱۱/جولائی کو رخصت ہو کر بھوپال روانہ ہوا، چلتے وقت ارشاد ہوا جاؤ خدا کے سپرد کیا، یہ فقرہ کبھی اور دفعہ ارشاد نہیں ہوا تھا بڑی شفقت فرمائی، خلاف معمول علٰحدہ انتظام نہیں کرنے دیا، اپنا مہمان رکھا۔ آمدورفت کے لئے اذن عام بخشا، اور ارشاد ہوا کہ میری کتابوں کے اقتباسات رسالوں اور کتابوں کی صورت میں شائع کرو، یہ گویا میری آئندہ تکمیل کی راہ بتائی گئی۔

گو یہ باتیں آپ کے مذاق کی نہیں، مگر زبان قلم پر آ گئیں کہ عزیزوں سے اپنے ہی مذاق کی باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سید سلیمان ۸/اگست ۱۹۴۳ھ[2]

سید سلیمان ندویؒ تھانہ بھون کے اسی آخری سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] یادرفتگاں ص ۲۵۷ [2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۴۶

یہاں سے اٹھ کر جب خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت والا کی طرف سے حضرت کی آخری تصنیف بوادر النوادر کا ایک نسخہ مولانا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لا کر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کر کے شائع کرو، اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا، دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے، انہوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں، عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں، ان کو یکجا کرلیا کرو۔☆ [1]

☆ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اس وصیت کے مطابق حضرت سید صاحبؒ بہت کچھ کام کرنا چاہتے تھے، لیکن مشاغل کی کثرت اور صحت کی مسلسل خرابی کی وجہ سے جس انداز پر آپ کام کرنا چاہتے تھے اس کی تکمیل نہ فرما سکے، آپ کے رفیق حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا، تجدید تصوف، تجدید تعلیم و تبلیغ، تجدیدِ معاشیات وغیرہ منظر عام پر آئیں، تجدِ ید دین کامل کے مقدمہ میں حضرت سید صاحب نے اس کام کا تعارف اور اس کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''ان حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح و تجدید کے خاکے کو جس کو ایک مصلح وقت اپنی تصنیفات و رسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریق ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے مذاق اور تقریر و تحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے''

(تجدید دین کامل ص ۳۲)

اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اسی کی توفیق سے اس ناکارہ کو بھی اس کام کی توفیق ہوئی چنانچہ مختلف موضوعات سے متعلق اب تک تقریباً ساٹھ کتابیں چھوٹی بڑی تیار ہو چکی ہیں اور ہندو پاک میں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں (مرتب)

[1] یادرفتگاں ص ۲۵۹

آخری دیدار کے موقع پر سید صاحبؒ کے جذبات میں ڈوبے ہوئے چند اشعار

اس عنوان اور ان تین اشعار سے متعلق خود حضرت والا (سید صاحبؒ) نے لکھا ہے کہ جب وہ مولانا تھانویؒ کی خدمت میں آخری بار حاضر ہوئے تو حضرت نے از راہِ محبت سرِ بالین ایک کرسی پر بیٹھنے کا امر فرمایا، حضرت تھانویؒ پر غنودگی یا استغراق کا عالم بار بار طاری ہوجاتا تھا اور آنکھیں بند فرمالیتے تھے، صاحب نظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے رومال سے مگس رانی فرماتے رہے، اسی عالم میں یہ خیالات ان کے دل و دماغ پر گزرتے رہے!!

دل بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز — پھر یہ جمال نور دکھایا نہ جائے گا

گوش جہاں بغور سنے اس کلام کو — پھر یہ کلام شوق سنایا نہ جائے گا

اے میکشو یہ درد تہ جام بھی پیو — ترسوگے پھر یہ جام پلایا نہ جائے گا[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وفات پر گہرا تاثر

مرشد تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی رحلت کا حضرت والا کے قلب مبارک پر جس قدر گہرا اثر ہوا، اس کا اندازہ ہم کیا کرسکتے ہیں، باقی اتنی بات تو آنکھوں دیکھی ہے کہ اس سانحہ کے کوئی ۹۔۱۰ مہینے بعد یعنی مارچ واپریل ۱۹۴۴ء میں جب وہ حیدرآباد دکن تشریف لائے تھے، تو چہرہ بشرہ مرقع غم اور لب ولہجہ اس قدر دردانگیز تھا کہ اہل محفل کے قلوب گداختہ ہوجاتے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت علامہ کا قلب ابھی خون ہوا ہے۔ ...... "فراقِ یار" کا یہ اثر برسوں باقی رہا، بلکہ سکون پانے پر بھی آخر حیات تک یہی دیکھا کہ جب

---

[1] تذکرہ سلیمان، ص: ۱۸۰۔

حضرت تھانویؒ سے اپنے تعلق کا ذکر فرماتے تو آواز بھرا جاتی اور آنکھیں ڈبڈبا آتیں، بس ایک آدھ جملہ فرما کر خاموش ہو جاتے تھے۔

غرض اس سانحہ کے فوراً بعد حضرت والاؒ نے چند اشعار درد وکرب سے مجبور ہو کر کہے، مگر چونکہ خود عارف تھے اور مسند ارشاد پر فائز اس لئے جذبات کا سیلاب حصار شرع کو چھو بھی نہ سکا اور آہ وبکا میں بھی تلقین وصبر کی شان پیدا ہو گئی۔[1]

رحلتِ شیخ پر رنج وغم میں ڈوبے ہوئے چند اشعار

داغ فراق یار مٹایا نہ جائے گا
اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حرفِ دمِ وداع خدا کے سپرد ہو
تا آخر حیات بھلایا نہ جائے گا

اے دل خموش صبر ورضا کا مقام ہے
نقش دوام فیض مٹایا نہ جائے گا

پیر مغاں نہیں ہے مگر میکدہ تو ہے
جام وسبو یہاں سے ہٹایا نہ جائے گا

یوں ہی بچھا رہے گا یہاں خوانِ فیض عام
جب تک ہیں مہمان بڑھایا نہ جائے گا

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کرے گا، بجھایا نہ جائے گا[2]

---

[1] تذکرۂ سلیمان، ص:۱۸۰۔
[2] بزم اشرف کے چراغ، ص:۸۲۔

فصل ۳

تصوف نے سید صاحبؒ کو کیا علمی کاموں سے معطل اور حالات سے شکستہ خورد بنا دیا تھا؟

تمہید

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”دنیا میں بہت سی چیزیں بعض خاص اسباب کی بنا پر بغیر علمی تنقید و تحقیق کے تسلیم کر لی جاتی ہیں اور ان کو ایسی شہرت و مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر چہ ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی مگر خواص بھی ان کو زبان و قلم سے بے تکلف دہرانے لگتے ہیں۔

انہیں مشہورات بے اصل میں یہ بات بھی ہے کہ تصوف، تعطل و بے عملی، حالات سے شکست خوردگی اور میدان جدوجہد سے فرار کا نام ہے۔ لیکن عقلی و نفسیاتی طور پر بھی اور عملی اور تاریخی حیثیت سے بھی ہمیں اس دعوے کے خلاف مسلسل طریقہ پر داخلی و خارجی شہادتیں ملتی ہیں۔

”سیرت سید احمد شہید“ میں تزکیہ و اصلاح باطن کے عنوان کے ماتحت خاکسار راقم نے حسب ذیل الفاظ لکھے تھے، جس میں آج بھی تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی، اور اس حقیقت پر پہلے سے زیادہ یقین پیدا ہو گیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی و جاں بازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للّٰہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی اس

لئے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے،

اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تحصیل حاصل ہے کہ ان کی یہ جامعیت مسلمات میں سے ہے اور حد تواتر کو پہونچ چکی ہے۔ ان کے رفقاءِ جہاد اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوش جہاد، شوق شہادت، محبت دینی بغض فی اللہ کے واقعات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں، جب کبھی ان کے مفصل واقعات سامنے آئیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ قرن اول کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو تیرھویں صدی میں چلا تھا، اور جس نے دکھا دیا تھا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہ نبوت کی تربیت وسلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے، اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے پختہ جوش وجذبہ اور ایثار وقربانی اور جاں سپاری کی امید غلط ہے۔

ان حضرات کے بعد بھی ہم کو اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ نشین نہیں نظر آتے، شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت حافظ ضامن، مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم انگریزوں کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں، حافظ حضرت ضامن وہیں شہید ہوتے ہیں، حاجی صاحب کو ہندوستان سے ہجرت کر جانی پڑی ہے، مولانا نانوتوی ومولانا گنگوہی کو عرصہ تک گوشہ نشین اور مستور رہنا پڑتا ہے۔

پھر مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بجا طور پر شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا) انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں، اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ اور ان کے ہاتھ میں ملک کی زمام کار ہو، ان کی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان وافغانستان وترکی کو ایک سلسلہ جہاد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط، انور پاشا کی ملاقات مالٹہ کی اسارت، ان

عالی ہمتی اور قوت عمل کا ثبوت ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔

ان مسلسل تاریخی شہادتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہوگا کہ تعطل و بے عملی حالات کے مقابلہ میں سپر اندازی اور پسپائی تصوف کے لوازم میں سے ہے، اگر اس دعوے کے ثبوت میں چند متصوفین اور اصحاب طریقت کی مثالیں ہیں تو اس کے خلاف بڑی تعداد میں ان آئمہ فن اور شیوخ طریقت کی مثالیں ہیں جو اپنے مقام اور رسوخ فی الطریقہ میں بھی اول الذکر اصحاب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

اگر تصوف اپنی صحیح روح و سلوک راہ بنوت کے مطابق ہو اور یقین اور محبت پیدا ہونے کا باعث ہو (جو اس کے اہم ترین مقاصد و نتائج ہیں) تو اس سے قوت عمل، جذبہ جہاد، عالی ہمتی، جفاکشی، شوق شہادت پیدا ہونا لازمی ہے جب محبت الٰہی کا چشمہ دل سے ابلے گا تو روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہوگی۔

اے آنکہ زنی دم از محبت از ہستی خویشتن پرہیز
برخیز د بہ تیغ تیز بنشیں یا از رہ راہ دوست برخیز[1]

غلط فہمی کا ازالہ اور اشکال کا جواب

تذکرہ سلیمان کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

(علامہ سید سلیمان ندویؒ کے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے گہرا ربط ہونے کے) برس ڈیڑھ برس بعد پھر حضرت والا کے اس حال میں تغیر آ گیا، وہی تغیر جس نے امام غزالی کو ترک تصنیف و تالیف کے بعد احیاء العلوم کی ترتیب و تدوین پر مجبور کر دیا تھا مگر آج تک بعض لوگ نادانستہ طور پر اسی کیفیت اور اسی حال کو حضرت والاؒ کی دارالمصنفین سے مفارقت کا سبب بتاتے ہیں جو واقعہ کے خلاف ہے۔[2]

[1] تصوف کیا ہے، مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علیہ ندوی ص ۱۱۲ و ص ۱۳۰ [2] تذکرہ سلیمان ص ۱۳۱۔

جناب مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

دوسری چیز جو میں نے اپنی پوری زندگی میں محسوس کی کہ ان کی (حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی) پوری زندگی اس نہج پر گذری تھی کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے تعلق کے بعد سوائے اس کے کہ کچھ ذکر بڑھ گیا ہو اور کوئی خاص فرق مجھے محسوس نہ ہوا۔

یہ جواب ہے ان لوگوں کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرنے کے بعد اس کی علمی زندگی ختم ہو جاتی ہے، خود ہمارے والد ماجد (علامہ سید سلیمانؒ ندوی) نے حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد حیات شبلی لکھی، ہمارے حضرت مولانا علی میاںؒ کی علمی کاوشیں آخر آخر تک جاری رہیں، تو تعلق مع اللہ اور اپنے تزکیہ واحسان کے لئے کسی مرشد کا ہاتھ پکڑنا اور بات ہے اور علمی کام اور بات۔[1]

بیماری ومعذوری کے باوجود سید صاحبؒ اخیر عمر تک علمی وتصنیفی کام میں لگے رہے

ڈاکٹر سید محمد ہاشم صاحب اپنی کتاب ''سید سلیمان ندوی حیات، سیرت وشخصیت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

سید صاحب ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس عمر میں صحت مند آدمی کچھ نہ کچھ کام کر لیتا ہے لیکن سید صاحب کو تنفس کی شکایت ۱۹۴۰ء سے قبل ہی سے چل رہی تھی، ۱۹۴۵ء میں استسقاء قلبی کا مرض لاحق ہو گیا، مئی ۱۹۴۵ء میں اس کا اتنا شدید دورہ ہوا کہ لیٹ بیٹھ نہیں سکتے تھے، آٹھ روز تک دن ورات مسلسل کھڑے رہے اور سانس لینا بہت مشکل ہو گیا اس کے بعد سے برابر اس کی شکایت رہی جس سے انہیں کسی مستقل تصنیف

---

[1] تعمیر حیات ۲۵/ جون ۲۰۰۸ء ص ۱۶۔

سے معذور کر کے رکھ دیا اور حیات شبلی (۱۹۴۲ء) ان کی آخری تصنیف ثابت ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اگر چہ لکھنے پڑھنے کی سخت پابندی لگادی تھی لیکن سید صاحب کو تشفی نہ ہوتی تھی البتہ سختی کی وجہ سے وہ صرف وفیات اور شذرات لکھنے پڑھنے پر قانع ہو گئے۔ ساتھ ہی اپنی نگرانی میں رفقاء سے کتابیں تیار کراتے اور سال میں تین کتابیں دارالمصنفین سے شائع ہونا ضروری سا ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب کو تحقیقی کام کرنے سے ان کی عمر اور صحت نے زیادہ مجبور کیا، تصوف نے نہیں کہ اس لئے یہ خیال بھی باطل ثابت ہوتا ہے کہ وابستگی شیخ کے بعد ان کے علمی و تحقیقی کام رک گئے تھے۔[1]

سید صاحب کے ایک عزیز تیمار دار جناب اسلم صاحب سید صاحب کے طرف سے مولانا عبدالماجد صاحب کے نام تحریر فرماتے ہیں:

حضرت محترم سید صاحب ......دس بارہ دن سے سخت قسم کے سینے کے درد اور سوزش میں مبتلا تھے، یہ تکلیف اتنی شدت کی ہوئی کی مسلسل تین راتیں اور گذشتہ دو دن لیٹنے اور بیٹھنے سے بھی قطعی معذور رہے، کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر آئے کمزوری بے حد آ گئی ہے صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے، یہ عریضہ محض اطلاعاً جناب سید صاحب کے حکم سے ارسال خدمت ہے۔

حضرت سید صاحبؒ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

ادھر دو تین سال سے میری صحت بہت خراب ہے، جس سے دل و دماغ اب تصنیف و تالیف یا کسی ذہنی فکر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں رہے، ہر سال صحت کے بعد کام کا حوصلہ کرتا ہوں مگر جیسے ہی مشغولیت ہوتی ہے کسی نہ کسی مرض کا نیا شدید حملہ ہوتا ہے جو پھر مدت تک کے لئے بے کار کر دیتا ہے.........اطباء کا متفقہ مشورہ ہے کہ ایک کافی مدت تک

[1] سید سلیمان ندوی حیات، سیرت و شخصیت ص ۱۷۴۔

مجھے آرام کی ضرورت ہے اور آئندہ تصنیف وتالیف کا کام نہ کیا جائے۔

بیماری کی شدت نے دل ودماغ پر مستقل اثر چھوڑا ہے، قلب جو پہلے باطنی امراض ہی میں مبتلا تھا وہ اب جسمانی مادی امراض میں مبتلا ہو گیا ہے۔[1]

سید صاحبؒ مولانا مسعود عالم ندوی کے نام تحریر فرماتے ہیں:

آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں اپنے قلم سے شاہ صاحب کے حقائق کی تشریح کروں آپ کو معلوم نہیں کہ میری صحت کا کیا رنگ ہے؟[2]

حضرت سید صاحبؒ نے اخیر عمر میں "حکیم الامت کے آثار علمیہ کے" عنوان سے مفصل مضمون تحریر فرمایا ہے جو معارف ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا اس مضمون کے اخیر میں علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

"افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمدان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت وعدم صحت کی سبب سے اس کو اس طرح پورا نہ کرسکا تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانوں کے لئے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے۔[3]

روحانی انقلاب اور تصوف نے سید صاحب کی قوتِ عمل کو تیز کر دیا اور تقریر وتحریر میں ایک نئی معنویت پیدا کر دی

تاریخ ندوہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

تصوف نے ان کی (حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی) شخصیت اور طرز فکر ونظر میں بڑا انقلاب پیدا کر دیا اور ان کی تقریر اور تحریر میں ایک نئی معنویت وکیفیت پیدا ہوگئی، اور عقل کے ساتھ دل کا سوز وگداز اور قلب وروح کا نیاز بڑھتا گیا، روحانی انقلاب نے ان کی قوت عمل کو اور تیز کر دیا اور ان کے اندر حق پسندی، حق گوئی اور حقیقت

[1] مکتوبات سلیمان ۱۶۹ و ۱۷۰ ج ۲ [2] مکاتیب سید سلیمان ۱۸۸ [3] معارف فروری ۱۹۴۴ء۔

شناسی کے جوہر کو اور چمکا دیا، اور اس خلا کو پر کر دیا جسے وہ عرصے سے محسوس کر رہے تھے۔[1]

مجلس انتظامی کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت و تعلق سے بھی اس دینی رجحان کو تقویت ملی جو ایک طویل عرصے تک دار العلوم کے معتمد تعلیم رہے۔[2]

حضرت تھانویؒ سے تعلق قائم ہونے کے بعد سید صاحب کے چند اہم عظیم الشان کارنامے

تاریخ ندوہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

یوں تو سید صاحب کی پوری زندگی واقعات سے بھرپور اور عظیم الشان کاموں کی حامل ہے، مگر ان کی زندگی کے آخری دس سال اس کا بہترین نمونہ ہیں ☆ جن میں ان کی زندگی بظاہر عدم استحکام کا شکار رہی۔۔۔۔۔مگر اسلام کی محبت اور مسلمانوں کی ہمدردی نے انہیں برابر کلمۂ حق کہنے اور انہیں نیک مشورے دینے پر مجبور کیا، اور وہ دمِ واپسیں تک دین وملت کی خیر خواہی و خیر اندیشی میں لگے رہے۔

اس عرصے میں انہوں نے اسلامی مدارس اور جامعات کو نئے حالات وحادثات کے مطابق سرگرم عمل ہونے اور اپنے اندر انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے کی دعوت دی جنکے ذریعے وہ عصری تقاضوں کو پورا کر سکیں، اس سلسلے میں جامعہ دار السلام عمر آباد، پشاور،

---

[1] تاریخ ندوۃ العلماء ص ۴۸۰ ج ۲ [2] تاریخ ندوۃ العلماء ج ۲ ص ۴۰۵

☆ حضرت سید صاحبؒ کی حضرت تھانویؒ سے پہلی ملاقات ۱۹۳۵ء میں ہوئی اور اگست ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں خلافت سے سرفراز ہوئے اور ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں وفات ہوئی، گویا یوں کہنا چاہیے حضرت تھانویؒ سے تعلق بیعت اور خلافت کے بعد کا زمانہ ہی سید صاحبؒ کے اہم کارناموں کا زمانہ اور زندگی کا بہترین نمونہ ہے۔

بھاولپور، راندیر وغیرہ کی تقریریں ان کی مثالی بصیرت اور فہم وفراست کی آئینہ دار ہیں۔

سید صاحبؒ نے واردھا تعلیمی اسکیم اور سیکولر طریقہ تعلیم کے خطرات کے خلاف مسلمانوں کو بہت پہلے آگاہ کیا اور انہیں تعلیمی خود کفالتی کا راستہ دکھایا، تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کو مسلمان مؤرخین کے ذریعے لکھے جانے کی اپیل کی۔

اسی زمانے میں جب مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش نمودار ہوئی تو سید صاحب نے مسلمانوں کو بڑے معتدل، نتیجہ خیز اور دوررس مشورے دیئے اور سیاست وحکومت سے پہلے ایمان وعمل کے ذریعے اپنے اندر قائدانہ صلاحیت تنظیم واجتماعیت، اور اقتصادی واجتماعی، اخلاقی برتری پیدا کرنے پر زور دیا۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک بھوپال میں آپ تعلیمی اور قانونی اداروں کے سربراہ رہے، جس سے اس ریاست کو بڑا اسنبھالا ملا، پھر بعض حالات کی بنا پر ۱۹۵۰ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور اپنی علمی وتعلیمی، قانونی وسیاسی صلاحیتوں کو اس نو تعمیر مسلم ریاست کی صحیح خطوط پر تشکیل کے لئے وقف کردیا، اسلامی دستور کی ترتیب اور ''آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی'' اور ''جمعیۃ علمائے اسلام'' میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت کی حامل تھی، آپ وہاں دارالمصنفین کے طرز پر ایک علمی ادارہ بھی قائم کرنا چاہتے تھے اور بہت سے علمی وتعمیری منصوبے آپ کے دل ودماغ میں تھے۔[1]

---

[1] تاریخ ندوۃ العلماء ج ۲ ص ۴۸۲۔

ندوۃ العلماء کی علمی کمیٹی کی رکنیت

تاریخ ندوہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ندوۃ العلماء میں ''اسلامی نظام حیات'' کے سلسلہ میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے بارے میں رسالہ ''الندوہ'' میں یہ تحریر ملتی ہے کہ:

''عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ''اسلامی نظام حیات'' کا ایک ایسا مکمل خاکہ مرتب ہو جو نو جوانوں کے لئے شمع راہ بن سکے اور جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی اسلامی رنگ میں رنگ سکیں۔ پچھلے دنوں مسلم لیگ نے اس غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی، نواب جمشید علی خاں صاحب رئیس باغپت اور نواب چھتاری کی تحریک پر ملک کے متعدد فضلاء اس کمیٹی میں شریک ہوئے۔

۴/۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوہ کی عمارت میں اس کمیٹی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، نواب صاحب چھتاری جلسہ کے صدر تھے کمیٹی نے غور وفکر کے بعد مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی......(وغیرہ) پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنادی تاکہ یہ حضرات پورے غور وفکر سے اس موضوع پر ایک کتاب کا مسودہ تیار کریں[1]۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علمی و تحقیقی ذوق پیدا کرنے کی فکر

مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے دور معتمدی میں دارالعلوم کے طلباء وفضلاء میں صحیح علمی و تحقیقی ذوق پیدا کرنے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی قدیم علمی روایات وخصوصیات کو زندہ کرنے اور ندوۃ العلماء کے نام و پیغام اور کام کو دور دور تک پہنچانے

[1] الندوہ جنوری ۱۹۴۱ء تاریخ ندوہ ص ۴۳۳ ج ۲۔

کی سرگرم کوشش کی اور اس میں اپنے اثرات اور تعلقات سے پورا کام لیا، انہوں نے ......۱۹۴۰ء میں ماہنامہ ''الندوہ'' کا اجراء کیا، یہ الندوہ کا دور ثالث تھا وہ کئی سال تک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب اور راقم سطور کی ادارت میں نکلتا رہا، سید صاحب طلباء میں علمی ذوق، اساتذہ کی رہنمائی اور دارالعلوم میں بہتر علمی فضا پیدا کرنے کے لئے دارالعلوم میں کئی کئی روز قیام بھی فرماتے اور درس بھی دیتے۔[1]

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلہ میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشورہ اور کام کا آغاز

مولانا محمد اویس صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''دارالمصنفین کے زمانہ قیام میں سید صاحب نے مجھ سے اسلام کے نظام کاشتکاری اور کتب فقہ سے زراعت وآبپاشی کے مسائل کو اردو میں مرتب کرنے کے لئے فرمایا، میں نے کام شروع کر دیا، اسی زمانہ میں سید صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں مولانا تھانویؒ سے اس کا ذکر آیا اور رائے یہ قرار پائی کہ شروع سے پورے سلسلہ فقہ کو اردو میں مدون کر دیا جائے تا کہ اردو داں طبقہ کے ہاتھ میں ایسا مجموعہ آ جائے جو روزمرہ کی ضروریات میں ان کے لئے کافی ہو، سید صاحب نے تھانہ بھون سے تشریف لا کر اس تجویز کا ذکر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب کتاب الطہارت سے کام شروع کر دو، اس کی تعمیل شروع کر دی گئی.......مگر افسوس کہ پہلی جلد سے کام آگے نہ بڑھ سکا، سید صاحب کو اس سلسلہ کی تکمیل کا بے حد خیال تھا۔ وفات سے چند ماہ پیشتر جب ہندوستان تشریف لائے تو بار بار فرماتے تھے کہ اس وقت نئے نئے مسائل سامنے آ رہے ہیں اور ایسے علماء کی

[1] روداد چمن ص ۱۵۷۔

ضرورت ہے جوان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت توجہ کرنا چاہئے، دارالعلوم کے طلبہ کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں بھی اس پر زور دیا تھا، بہر حال اردو میں فقہ اسلامی کی تدوین کی تجویز اہمیت رکھتی ہے اور یہ کرنے کا کام ہے"۔[1]

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۵۲ء میں آخری بار سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مشرقی بنگال کے سفر سے لوٹتے ہوئے ندوہ تشریف لائے تو استقبالیہ جلسہ میں آں جناب نے صرف اسلامی فقہ میں گہرائی اور مہارت حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو متوجہ کیا، ان کی یہ فکر مستقبل کے حالات کا اندازہ کرکے بہت زیادہ سنجیدہ تھی۔ آج نصف صدی کے بعد ان کی اس روشن ضمیری کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔[2]

حجاز کی تبلیغی جماعتوں کی سرپرستی اور کارکنوں کی ہمت افزائی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

سید صاحب بھوپال کچھ دن قیام کرکے حج کے لئے روانہ ہو گئے، ان کا یہ دوسرا یا تیسرا حج تھا جو ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء میں ہوا، حجاز کی تبلیغی جماعت نے سید صاحب کے قیام سے فائدہ اٹھایا اور ان کی ترجمانی اور تائید سے حجاز وسعودی عرب کے علمی ودینی حلقوں نیز باہر سے آئے ہوئے اہل علم حجاج میں اس دعوت کی وقعت اور وزن پیدا ہوا، سید صاحب نے حسب معمول اس خدمت سے دریغ نہیں فرمایا اور مجالس تبلیغ میں شرکت کرکے وہاں کے رفقائے جماعت اور کارکنوں کی ہمت افزائی فرمائی، واپسی پر میں نے شاید کوئی عریضہ لکھا، جس میں ان کی اس سرپرستی اور ہمت افزائی کا مناسب الفاظ میں تذکرہ تھا،

---

[1] سلیمان نمبر ص ۲۴۹ و ۲۵۰ [2] ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج ص ۲۲۔

سید صاحب نے اس کے جواب میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"بھوپال ۲۴/ جنوری ۱۹۵۰ء

عزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عیادت نامہ ملا، شکر گزار ہوں، الحمد للہ بخیر و عافیت ہوں، ضعف بھی دور ہو رہا ہے۔

میری شرکت کو جو جماعت تبلیغ کے کاموں میں حجاز میں ہوئی ہے، آپ صاحبوں نے بڑی اہمیت دی، مولانا یوسف صاحب اور مولانا زکریا صاحب تک نے اس کے لئے شکریے ادا کئے، اور دعائیں دیں، دعائیں تو ٹھیک ہیں کہ میں ان کا محتاج (ہوں) مگر شکریہ کس بات کا؟ کوئی نماز پڑھے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائیگا؟ میں نے اس لئے لکھا کہ بعض صاحبوں نے ایسا کیا ہے۔[1]

ریاست بھوپال میں دینی فیوض و برکات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

پھر خود مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے فرزند ارجمند نواب حمید اللہ خاں والی بھوپال کی خواہش و درخواست پر قاضی القضاۃ ریاست، جامعہ احمدیہ کے امیر اور دینی تعلیم اور مذہبی امور کے صدر کا عہدہ قبول فرمایا، جو اس ریاست کے لئے بڑے امتیاز و اعزاز کا باعث تھا، مولانا سید سلیمان ندویؒ جولائی ۱۹۴۶ء میں بھوپال تشریف لائے اور اکتوبر ۱۹۴۹ء تک تقریباً چار سال رہ کر اس مسلم ریاست کے (جو کبھی شیراز ویمن کی ہمسری کر چکی تھی، اور ہندوستان ہی نہیں عالم اسلام کے متعدد چیدہ وبرگزیدہ مشائخ وعلماء اور فقہا ومحدثین کا مرکز رہ چکی تھی) علمی اور دینی حلقوں کو اپنے نادرہ روزگار علمی تجربات، دینی رہنمائی اور قیمتی صحبتوں اور مجالس سے فیض پہنچایا۔[2]

---

[1] پرانے چراغ ص ۴۸ [2] حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی علمی و دینی خدمات پر ایک نظر ص ۱۶ مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

ریاست بھوپال میں متفرق دینی خدمات

حضرت سید صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

ادھر دنیا نے امسال حیدرآباد بھوپال میں ایک ایک ہزار ماہانہ کی تھیلیاں پیش کرنی چاہیں۔ حیدرآباد کا کام مذاق سے باہر تھا، اس لئے معذرت کی بھوپال کے کام سے یک گونہ ذوق ہے، اس کی پوی نفی نہیں کرتا۔ اور وہ دینی مناصب کی مناسب ترتیب شاید کہ اسلامی ریاستوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ نواب صاحب بھوپال نے یاد فرمایا تھا، عرض کیا کہ اگر مجھ سے اس ریاست میں دین کی خدمت کچھ ہو سکے تو سال دو سال کے لئے حاضر ہوں۔ والامر بید اللہ تعالیٰ۔ اپریل ۱۹۴۵ء[1]

اب بھوپال بھی ایک ادارہ نشر و تالیف میرے زیر انتظام قائم کر رہا ہے۔ اگر کوئی بے ضرر کتاب ہو، تو یہاں سے بھی بشرائط شائع ہونے کا انتظام ممکن ہے۔ ابھی کام شروع نہیں ہوا ہے۔ ریاست نے پانچ سو ماہوار کی امداد منظور کی ہے۔[2]

یہاں بھوپال میں بھی بفضل الٰہی کچھ دینی کام انجام پا رہے ہیں، ورنہ یہاں کا قیام اجیرن ہو جاتا، اب بھی دل کسی بہتر مقام کا طالب ہے، اب سمجھ میں آتا ہے کہ ۵۷ء کے بعد ہمارے بہت سے اکابر نے مکہ معظّمہ کی طرف ہجرت کیوں کی؟ یہ جبن اور نامردی نہ تھی، بلکہ اس مرکز میں اجتماع قوت تھا، جہاں سے سرچشمہ ابل سکے۔

۲۶/دسمبر ۱۹۴۷ء[3]

۱؎ مکاتیب سید سلیمان ص ۱۷۸ ۲؎ ایضاً ص ۲۰۰ ۳؎ ایضاً ص ۲۰۵

بھوپال میں دارالقضاء سے قضاء وفتویٰ نویسی کی خدمت

حضرت سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۶/ جولائی کو میں نے دارالقضاء اور مدارس عربیہ کا چارج لیا ہے، دارالقضاء میں زیادہ تر مقدمات نکاح وطلاق، خلع وتفریق اور ولایت اور کبھی کبھی قصاص کے ہوتے ہیں۔[1]

بھوپال میں دارالقضاء سے فتاویٰ بھی دیئے جاتے تھے اور دارالقضاء سے متعلق جو فتاویٰ ہوتے ان کا بھی مستقل ریکارڈ ''فتاویٰ دارالقضاء'' کے نام سے ہوتا تھا، سید صاحب کے زمانہ کا وہ علمی ذخیرہ آج بھی موجود ہے، فتاویٰ کے پانچ رجسٹر ہیں جو ریکارڈ دستیاب ہو سکے ہیں ان پانچوں رجسٹروں میں فتایٰ کی کل تعداد ۱۵۱۷ ہیں (نکاح، طلاق، عدت، مہر، میراث، وصیت، ہبہ، امامت وغیرہ) ہر موضوع پر الگ الگ فتاویٰ کی تعداد درج ہے۔[2]

ریاست بھوپال میں مکاتب قرآن قائم کرنے کی کوشش

حضرت سید صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

افسوس ہے کہ یہاں کے سرکاری مدارس سے علوم دینیہ اور قرآن پاک کی تعلیم موقوف کرادی گئی اور مدرسین علوم دینیہ کو تین ماہ کا نوٹس دے دیا گیا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اوقاف سے ان مدرسین کی تنخواہیں ملا کریں، اور ان علوم کی تعلیم مدرسہ میں جاری رہے اور عام مکاتب قرآن پاک وابتدائی تعلیم کے مسلمان ہر محلّہ میں قائم کریں۔

۲/ مارچ ۱۹۵۰ء[3]

---

[1] حیات سلیمان ص ۵۷۹ [2] ماہنامہ نشان منزل سلیمان نمبر ۱۹۸۷ء ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج ص ۲۴۴

[3] مکاتیب سید سلیمان ص ۲۱۴۔

قاموس الاعلام کی تکمیل کی مہم

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں:

''قاموس الاعلام'' یا ''مشاہیر امت'' کے نام سے ایک کتاب کی تیاری کی تجویز میں بار بار پیش کر رہا تھا۔

اس کے جواب میں علامہ سید سلیمانؒ تحریر فرماتے ہیں:

مشاہیر امت سے غافل نہیں، آپ اس اسکیم کو علحدہ مستقل ایک کاغذ پر لکھ کر بھیج دیں، (اس وقت) ہمارے ہاں صرف تین آدمی ہیں، مولوی عبدالسلام حکمائے اسلام پر لکھ رہے ہیں اور شاہ صاحب اور ریاست صاحب تاریخ الاسلام میں لگے ہیں اس سے فرصت ایک دو سال میں پائیں گے۔[1]

لغات جدیدہ کی تکمیل کی فکر

جناب پروفیسر عبدالقوی صاحب یادگار سلیمان میں تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت سید صاحبؒ نے) علامہ شبلی کی خواہش سے عربی کے نئے الفاظ کا ایک لغت ترتیب دیا جو اس زمانہ کے مصر و شام کے عربی اخبارات اور رسائل میں عام طور سے مستعمل تھے[2]

اسی سلسلہ میں سید صاحب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیز مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

................امید ہے کہ لغات جدیدہ کا کام ہو رہا ہوگا......

---

[1] مکتوبات سلیمان ص ۱۵۲ [2] یادگار سلیمان ۱۹۶۔

جیل میں فرصت ہوتو لغات جدیدہ کا کام ختم کردیجئے۔

لغات جدیدہ کی نظرثانی کی سلسلہ میں ابھی مزید مہلت آپ کو حاصل ہے، متروک الفاظ کی فہرست دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس افادیت کا پہلو ہے، نئے رجحان یعنی ترکی دور کے الفاظ و مصطلحات کے بجائے موجودہ رجحان عربیت پر ایک نوٹ مقدمہ میں بڑھانا مناسب ہوگا۔[1]

اشتراکیت اور اسلام پر لکھنے کی ضرورت کا احساس

سید صاحب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ کسی ندوی کے قلم سے رد اشتراکیت پر کوئی رسالہ نکلے، اسی لئے آپ سے خواہش ہے کہ یہ آپ کی دلچسپی کی چیز بھی ہے۔[2]

بہت خوب آپ نے اشتراکیت اور اسلام پر لکھنا شروع کر دیا، جی چاہتا ہے کہ جس طرح وقت کے دوسرے فتنوں کے ازالہ میں علمائے ندوۃ نے کام کئے ہیں اسی طرح وہ اس کے ازالہ میں بھی کام کریں، اور آپ لوگ اس کے اہل ہیں، گو اولیت کا حق ندوہ کو حاصل ہے کیونکہ خاکسار نے اس موضوع پر ۱۹۰۸ء میں لکھا تھا الندوہ میں، اور ۱۹۱۰ء میں الہلال میں ''الحریة فی الاسلام'' کے عنوان سے اس کو لکھا۔ ۷ ربیع ۲۔ ۱۳۶۳ھ

کمیونزم کے رد میں اور اقتصاد الاسلام کی تبلیغ میں آپ کی جماعت کی بڑی ضرورت ہے۔[3]

دارالتصنیف و دارالتکمیل کے قیام کی فکر

حضرت سید صاحب مولانا عبدالماجد صاحبؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

خیال ہوتا ہے کہ دارالتکمیل کے نام سے مولانا مرحوم کے پرانے خیال کی تکمیل کی جائے، ان کی تجویز تھی کہ دارالتصنیف کے ساتھ دارالتکمیل بھی قائم کیا جائے جس

[1] مکاتیب سید سلیمان ص۲۲۰ و ۲۲۹ [2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۵۰ [3] ایضاً ۱۵۳ و ص ۲۱۳۔

میں لائق فارغ التحصیل کو چند سال رکھ کر مختلف علوم میں تکمیل کرائی جائے بعد کو وہ مدارس اور دوسرے اداروں میں پھیلیں، اب یہ تجویز میرے سامنے ہے، بحمد اللہ اس وقت سرمایہ کی طرف سے اطمینان ہے، بالفعل ۴ یا ۵ طالب علم اس میں ہوں۔ اور علوم کو دینیات، ادبیات اور عقلیات پر تقسیم کر دیا جائے۔ اور ہر طالب علم اپنے شعبہ میں ۲ برس بذریعہ درس ومطالعہ وتحریر مصروف رہے۔ اس شعبہ کے لئے مولوی اویس صاحب کو بحیثیت استاذ دارالتکمیل رکھنا چاہتا ہوں۔ پورا خاکہ بعد کو پیش کروں گا۔[1]

مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں بھی ایک دارالتکمیل کے خاکہ پر غور کر رہا ہوں جو استاذ مرحوم کا آخری خیال تھا۔ اپنا بھی آخری خیال یہی تصور ہے۔ سرمایہ کی طرف سے بحمد اللہ اطمینان ہے، البتہ ایک کامل العلوم محدث وفقیہہ کا جویا ہوں، دیکھئے کون ملتا ہے۔ یکم اپریل ۱۹۴۵ء[2]

مجلس اصلاح عربی وفارسی میں شرکت

حضرت سید صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں آج کل مولوی ابوالکلام صاحب کی مجلس اصلاح عربی وفارسی کی کمیٹی کی شرکت کے لئے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ آج کل سید حسین یہیں ہیں۔ اس لئے اتر گیا۔ اب یہاں اسکولوں اور کالجوں بلکہ یونیورسٹیوں سے بھی عربی وفارسی نکل رہی ہے۔ چنانچہ آگرہ یونیورسٹی نے اس میں پہل کی ہے۔ ایسی حالت میں اس کمیٹی کا کام دیکھئے کیونکر بار آور ہو، بہر حال مرض کے اشتداد سے مایوسی اور ترک علاج کا کوئی سبب نہیں۔ عربی مدارس کی حالت بھی قابل غور ہوتی جا رہی تھی۔ ۲۵؍مئی ۱۹۴۸ء[3]

---

[1] مکتوبات سلیمان ص ۱۵۳ [2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۷۸ [3] مکاتیب سلیمان ص ۲۱۰۔

احتفال علماء الاسلام میں سرگرمی

سید صاحب مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

احتفال علماء الاسلام کے ۱۴/۱۵/۱۶ فروری کو جلسے ہیں۔ عراق سے زہادی صاحب اور محمود صواف آئے ہوئے ہیں، باقی مصر وشام کے انقلابات کے سبب مہمانوں کی آمد میں دقتیں درپیش ہیں۔ ہندوستان سے علی میاں اور مولوی منظور صاحب کی آمد کی توقع ہے۔ کیا آپ زحمت اٹھا سکیں گے؟ موسم تو انشاء اللہ برا نہ ہوگا۔......................

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

احتفال میں آپ کے نہ آنے کا افسوس ہوا بہرحال گذشت آنچہ کہ گذشت، میرے نزدیک تو علمائے اسلام کا یہ اجتماع بجائے خود تاریخ تھا۔ حضرت شیخ کواکبی نے سجل جمعیۃ ام القری میں جو خواب دیکھا تھا، اس کی حقیقت یہاں عیاں تھی۔ اگرچہ اس بنا پر کہ یہ پہلا اجتماع تھا نقائص تھے، تاہم افادہ سے خالی نہ رہا، خصوصاً ایران و نجف کے علماء کی آمد سے مذاہب مختلفہ کے درمیان ایک خوشگوار حد تک رواداری فرق کی راہ میں منزل طے ہوئی۔ خطبے اور تجاویز زیر طبع ہیں۔ ۲/جنوری ۱۹۵۲ء[1]

۱۹۵۲ء میں عراق سے لے کر الجزائر تک بیس ملکوں کے علماء اور اہل علم کی جو کانفرنس پاکستان میں "احتفال علماء" کے عنوان سے منعقد ہوئی اس کے پہلے اجلاس کی سید صاحب نے صدارت فرمائی، اور اپنے صدارتی خطاب میں سید صاحب نے احتفال علماء کے جو اغراض و مقاصد بتائے ان میں دو اہم نکات یہ بھی تھے:

(۱) دور حاضر کے مطابق فقہ اسلامی کی تحقیق و تدوین کے لئے ادارہ کا قیام۔

(۲) ممالک اسلامیہ کے مجوزہ شہری و ملکی قوانین کی جگہ فقہ اسلامی کی ترویج کے لئے مؤثر جدوجہد کرنا۔[2]

---

[1] مکاتیب سید سلیمان ص ۲۲۰، ۲۲۱ [2] ریاض سلیمان نمبر ص: ۱۴۱ ندوہ کا فقہی مزاج ص ۲۱۷۔

مجمع فواد الاول کی رکنیت

حضرت سید صاحبؒ مولانا مسعود عالم کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

عزام بے مصر سے یہ خبر لائے ہیں کہ مجمع فواد الاول ☆ نے مجھے اپنا عضو منتخب کیا ہے، حکومت عراق نے آخر مارچ میں مجھے بوعلی سینا کی الفی تذکار میں بغداد بلایا ہے۔ والامر بید اللہ تعالیٰ۔ ۲۷/جنوری ۱۹۵۲ء[1]

ڈھاکہ کی ہسٹری کانگریس کی صدارت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

مارچ ۱۹۵۳ء میں سید صاحب ایک بار (اور آخری بار) ہندوستان تشریف لائے سید صاحب ڈھاکہ کی ہسٹری کانگریس کی صدارت کے لئے تشریف لے گئے تھے، جو اسی مہینہ کی کسی تاریخ کو ہوئی تھی، وہاں انہوں نے اپنا وہ فلاضلانہ اور فکر انگیز خطبہ صدارت پڑھا جس میں بنگالی مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ بنگالی اسی طرح فارسی رسم الخط میں لکھیں جیسے وہ انگریزوں کے دور سے پہلے لکھی جاتی تھی، سید صاحب نے ثابت کیا کہ یہ تبدیلی ایک گہری سازش کے ماتحت ہوئی اور اس تبدیلی نے بنگالیوں کو اسلامی ثقافت اور اسلامی تہذیب سے بہت دور کر دیا اب بیگانگی کی اس خلیج کو دور کرنے کے لئے جو بنگالی مسلمانوں اور ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں میں پڑ گئی ہے، یہی صورت ہے کہ بنگالی فارسی رسم الخط اختیار کریں ظاہر ہے کہ یہ مشورہ بڑا مخلصانہ اور انقلاب انگیز تھا، اور اس میں وہ فراست اور دور بینی جھلک رہی تھی جس کو اقبال نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست ۔۔۔ کہ خارے دید و احوال چمن گفت[2]

☆ مصر کی لغوی اکادمی، غالباً برصغیر ہندوپاک میں یہ اعزاز اور کسی کو نہیں ملا (حاشیہ مکاتیب)

[1] مکاتیب سید سلیمان ص ۲۲۲ [2] پرانے چراغ ص ۱۵۱۔

فصل

سید صاحب کے حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے تعلق کے بعد چند اہم کارناموں کی ایک جھلک

یادگار سلیمان کے مرتب جناب پروفیسر عبدالقوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اگست ۱۹۳۸ء میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے راہ سلوک اختیار کیا (اور) مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے۔

نومبر ۱۹۳۸ء میں سیرت النبی جلد ششم کی اشاعت عمل میں آئی، اسی سال سید صاحب کی تقریروں، تحریروں اور مقدموں پر مشتمل ان کی کتاب ''نقوش سلیمانی'' منظر عام پر آئی۔

دسمبر ۱۹۳۹ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ کلکتہ میں ہوا جس کی صدارت نواب کمال یار جنگ بہادر جاگیر دار، حیدرآباد نے کی۔ سید صاحب نے اس کے شعبۂ اردو کی صدارت فرمائی۔

جنوری ۱۹۴۰ء میں سید صاحب حیدرآباد، پونا اور بمبئی گئے جہاں مختلف اداروں، کالجوں، مدرسوں کا معائنہ کیا، طلبہ کو خطاب کیا اور اساتذہ سے تبادلۂ خیال کیا۔

جنوری ۱۹۴۰ء میں ''الندوہ'' دوبارہ جاری کرایا۔

۱۳/فروری ۱۹۴۰ء کو مہاتما گاندھی نے سید صاحب کے نام اپنے مکتوب میں لکھا:

''بھائی صاحب

۲۶/۲۷/فروری کو ہندوستانی پرچار سبھا کی کانفرنس ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس میں شریک ہوں اور اس سوال کو سلجھانے میں حصہ لیں، مجھے آشا ہے کہ آپ

ضرور آویں گے۔ آنے کی تاریخ اور وقت سے خبر دیں گے۔ آپ کا، م، گاندھی[1]

مارچ ۱۹۴۰ء میں پشاور اور بھاولپور کے لئے سید صاحب روانہ ہوئے۔ ۸/ مارچ کو پشاور پہنچے۔ قیام ناظم شعبۂ دینیات اسلامیہ کالج جناب نور الحق ندوی پشاوری کے یہاں کیا۔ دینیات اور طب کے نصاب کی ترتیب دی۔ ۹/ مارچ کو کالج کے طلبہ اور اساتذہ کو خطاب کیا۔ ۱۱/ مارچ کو ایک بار پھر کالج کے اساتذہ اور طلبہ کو مخاطب کیا اور پرزور الفاظ میں کہا کہ:

"مسلمانوں کی اکثریت کے ان صوبوں میں کالج کے مسلمان طلبہ کو ایمان وعمل کا ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے کہ پورے ہندوستان کے مسلمان اس کی تقلید کریں"[2]

۱۱/ مارچ کی رات کو پشاور سے چل کر ۱۲/ مارچ کی صبح کو لاہور پہنچے۔ ایک دن خواجہ عبد الوحید صاحب کے یہاں قیام کیا۔

۱۳ مارچ کی صبح کو بھاولپور کے لئے روانہ ہوئے اور شام کے وقت وہاں پہنچے۔ سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرائے گئے۔ ۱۴/ مارچ کو صادق ایجرٹن کالج کے جلسۂ تقسیم اسناد میں خطبہ پڑھا ۱۵/ مارچ کو کالج ہال میں "خصائص اسلامی" پر تقریر کی۔ جمعہ کو "فضائل نبوی" پر تقریر کی۔ اور ۲۳/ مارچ کو لکھنؤ ہوتے ہوئے اعظم گڈھ کے لئے روانہ ہوئے۔

۱۹۴۰ء ہی میں سید صاحب کی کتاب "رحمت عالم" شائع ہوئی، جو مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے لکھی گئی تھی۔

اسی سال "حیات شبلی" کا کام شروع کیا جو دو سال بعد ۱۹۴۲ء میں تکمیل کو پہنچا۔

۱۹۴۱ء میں نواب چھتاری کی صدارت میں "اسلام کے سیاسی نظام کی تدوین" کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے کنوینر مولانا سید سلیمان ندوی بنائے گئے۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں اس کا پہلا جلسہ ہوا۔[3]

---

[1] سید سلیمان ندوی نمبر ریاض ماہنامہ کراچی ص ۱۷۸ [2] حیات سلیمان ص ۴۸۲ [3] حیات سلیمان ص ۴۸۶۔

فروری ۱۹۴۳ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے سید صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی اور مولوی عبدالحق کی علمی ادبی خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی۔ اس خوشی کے موقع پر اہل دسنہ نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ فروری ۱۹۴۴ء میں حیات شبلی شائع ہوئی۔

دسمبر ۱۹۴۴ء کو ہسٹاریکل کانگریس کا اجلاس کے شعبہ تاریخ از منہ وسطیٰ ہند منعقدہ مدراس کی صدارت کی۔[1]

فروری ۱۹۴۵ء میں جمیعۃ العلماء صوبہ ممبئ کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے خطبہ میں بمبئ کے مسلمانوں کو ایک عام اور آزاد مدرسہ کے قیام کی طرف توجہ دلائی۔[3]

جون ۱۹۴۶ء میں سید صاحب نے اس شرط پر ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ اور امیر جامعہ (ڈائرکٹر تعلیمات علوم مشرقی) کا عہدہ قبول کرلیا کہ دارالمصنفین اور ندوہ سے ان کا تعلق بدستور رہے گا۔

۱۶؍جولائی ۱۹۴۶ء کو دارالقضاء اور مدارس عربیہ کا چارج لیا۔[2]

۲۵؍جنوری ۱۹۴۹ء (کو) انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس بھوپال میں منعقد ہوئی (جس میں سید صاحب نے اہم خطاب فرمایا)

جون ۱۹۵۰ء تک تقریباً چار سال سید صاحب کا قیام بھوپال میں رہا۔

دسمبر ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان نے سید صاحب کے اعزاز میں ڈاکٹر محمود حسین خاں مرکزی وزیر کی صدارت میں ایک جلسہ کیا جس میں سید صاحب نے ''ہندوستان کے نومسلم حکمراں'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔[3]

دسمبر ۱۹۵۰ء میں ہی سید صاحب کی صدارت میں اسلامی دستور کا خاکہ ترتیب دیا گیا جس میں ۳۱ علماء شریک ہوئے تھے۔

---

[1] حیات سلیمان ص ۲۵۰۳ [2] حیات سلیمان ص ۵۱۵-۵۱۹ [3] حیات سلیمان۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں جمعیۃ علماء اسلام سلہٹ کے جلسے کی صدارت کی۔

فروری ۱۹۵۱ء میں احتفال علماء کے نام سے اسلامی ملکوں کے علماء کی کانفرنس ہوئی جس میں سید صاحب نے نمایاں حصہ لیا۔

مارچ ۱۹۵۱ء میں ابن سینا کی ہزار سالہ یادگار میں شرکت کے لئے حکومت عراق نے سید صاحب کو دعوت نامہ بھیجا، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے سفر نہ ہوسکا۔

۱۹۵۱ء میں مصر کے ''مجمع العلمی الادبی'' میں سید صاحب کو بحیثیت رکن منتخب کیا گیا۔

۱۹۵۱ء میں آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی قائم ہوئی تو سید صاحب اس کے رکن منتخب ہوئے۔

مارچ ۱۹۵۲ء میں لاہور میں اس کا پہلا جلسہ ہوا، سید صاحب نے اس کے اسلامی تاریخ کے شعبہ کی صدارت کی، صدارتی خطبہ کے علاوہ ایک مقالہ ''دیبل'' پر بھی انہوں نے پڑھا۔

۱۹۵۲ء کراچی میں یونیورسٹی قائم ہوئی تو سید صاحب اس کے سنیٹ کے ممبر منتخب ہوئے

اگست ۱۹۵۲ء اسلامی بورڈ کی صدارت قبول کی۔

۱۹۵۲ء میں ہی جمعیۃ علمائے اسلام کی صدارت ان کے حصہ میں آئی۔[1]

مارچ ۱۹۵۳ء میں ڈھاکہ میں ''آل پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس'' کی صدارت کی، وہاں سے فتح پور ہسوہ آئے، چند روز کے بعد لکھنؤ پہونچے اور ندوہ کے جلسہ میں شریک ہوئے، جلسہ گاہ میں قدم رکھتے ہوئے سید صاحب نے یہ شعر پڑھا:

---

[1] حیات سلیمان۔

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھ
میں اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

جسے سن کر حاضرین پر گریہ طاری ہو گیا،............سید صاحب نے تقریر کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر پڑھا:

سبق پڑھ، صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[1]

اپریل ۱۹۵۳ء میں کراچی واپس پہنچے کچھ دنوں بعد تنفس کا دورہ پڑا علاج سے صحت یاب ہو گئے۔............

۲۲/نومبر ۱۹۵۳ء کو قلب کا دورہ پڑا تنفس تیز ہو گیا ....ایک ہلکا سا جھٹکا تنفس میں ایسا محسوس ہوا جیسا ہچکی آ گئی ہو، چہرہ پر دفعتاً خون کی لہر دوڑ گئی اور بس طائر روح قفص عنصری سے پرواز کر گیا اس وقت شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ **انا لله و انا اليه راجعون**[2]

(ماخوذ از: یادگار سلیمان ص ۱۰۰ تا ۱۱۹ ملخصاً)

---

[1] حیات سلیمان ۵۸۳ [2] تذکرہ سلیمان۔

مولانا تھانویؒ سے تعلق کے بعد سید صاحبؒ کے لکھے ہوئے علمی واصلاحی اور دعوتی وفکری اہم مقالات ومضامین جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے

عنوانات مضامین (وہ مضامین جو رسالہ "مستقبل" کراچی میں شائع ہوئے)

۱۔ اساس ملت — جلد نمبر ا ستمبر ۱۹۴۹ء

آج دنیا عالمگیر برادری کی متلاشی ہے اسلام نے تیرہ سو برس پہلے یہ آواز بلند کی تھی

۲۔ سیاسیات اسلام کے نظریے — جلد نمبر ۲/ اکتوبر ۱۹۴۹ء

اسلامی اصول سیاست ظاہری ہیئت شکل پر زیادہ زور نہیں دیتا بلکہ اس کا اصلی زور روح اور اسپرٹ پر ہے

۳۔ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے (۱) — جلد نمبر ۳ نومبر ۱۹۴۹ء

احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں تشریعی اور تکوینی۔ ان دونوں قسموں کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ حاکم حقیقی ہے۔

۴۔ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۲) — جلد نمبر ۵ جنوری ۱۹۵۰ء

۵۔ اسلام میں عقائد کی حقیقت اور اہمیت (۱) — جلد نمبر ا فروری مارچ ۱۹۵۰ء

ایمان ہی ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے

۶۔ اسلام میں عقائد کی حقیقت اور اہمیت (۲) — جلد انمبر ۹ مئی ۱۹۵۰ء

۷۔ حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم — جلد انمبر ۱۰، ۱۱ جون جولائی ۱۹۵۰ء

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صوفیانہ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۸۔ اسلام میں عقائد کی حقیقت واہمیت (۳) جلد انمبر ۱۰،۱۱ جون جولائی ۱۹۵۰ء

۹۔ تجدید دین اور حکیم الامت (۱) جلد انمبر ۱۲ / اگست ۱۹۵۰ء

خلیفہ حکیم الامت جامع المجد دین علیہ الرحمۃ اور تجدید دین

۱۰۔ تجدید دین اور حکیم الامت (۲) جلد ۲ نمبر ۱، ۲ ستمبر اکتوبر ۱۹۵۰ء

۱۱۔ اسلام کا تبلیغی نظام جلد ۲ نمبر ۳ دسمبر ۱۹۵۰ء

امت مسلمہ کا فریضہ ، سلسلہ ولی اللّٰہی صاحب سوانح کا نسب۔ اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ۔ انبیاء کے اصول دعوت، اور تبلیغ کی اہمیت

۱۲۔ خطبہ صدارت جلد ۲ نمبر ۵ / فروری ۱۹۵۱ء

(جمیعۃ علمائے اسلام مشرقی پاکستان سلہٹ) ۱۴ اور ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء

اس خطبہ میں سید صاحب نے حسب ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ مشرقی بنگال کی خصوصیات۔ علمائے اسلام کی خدمات، فرقہ واری سے پرہیز، تعلیم وتربیت ، پاکستان کے لئے اسلامی تمدن کا نظریہ، اسلامی نظام سیاست، اسلامی نظام اقتصاد، پاکستانی وحدت کا سررشتہ، دستور اسلامی، قانون اسلامی، قانون اسلامی میں تغیر واضافہ، اقلیت کا مسئلہ، وغیرہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۔ اسلام اور سود جلد ۲ نمبر ۷ / اپریل ۱۹۵۱ء

۱۴۔ خطبہ صدارت مجلس تاریخ اسلام، کراچی جلد ۲ نمبر ۸ / مئی ۱۹۵۱ء

بادشاہوں کے بجائے ملت کی تاریخ، صحت بیان ، ذہنیت کی تبدیلی ، راستہ کی تبدیلی، سندھ کی تاریخ کا کام، مشرقی بنگال کی تاریخ نادر کتابوں اور کتب خانوں کی کمیابی، وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۵۔ اسلام کا جمہوری نظام (ماخوذ) (۱) اسلام دنیا میں اس لئے آیا تا کہ انسانوں کو انسانی غلامی سے نجات دلائے، اسلام نے جمہوری نظام کی بنیاد ڈالی۔	جلد۲ نمبر۹ رفروری ۱۹۵۱ء
۱۶۔ یورپ کا تصور حریت و جمہوریت اور اسلام (۲)	جلد۲ نمبر۱۰ را کتوبر ۱۹۵۱ء
۱۷۔ یورپ کا تصور حریت و جمہوریت اور اسلام (۳)	جلد۲ نمبر۱۱ رنومبر ۱۹۵۱ء
۱۸۔ یورپ کا تصور حریت و جمہوریت اور اسلام (۴)	جلد۳ نمبر۱ رجنوری ۱۹۵۲ء
۱۹۔ اسلامی حکومت کے عاملین (خطبۂ صدارت) اسلامی حکومت کی خدمت عبادت ہے۔ عوام کی حکومت اسلامی حکومت کی عدالت، حاکمانہ ذمہ داری، عمال حکومت کی ذہنیت۔ وغیرہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔	جلد۳ نمبر۱ رجنوری ۱۹۵۲ء
اسلام میں مساوات حقوق و مال ''اسلام میں خلفاء کو عزت واحترام دینی کے علاوہ حقوق انتظامی میں کوئی تفوق و ترجیح نہ تھی'' اس مضمون میں خلیفہ اسلام کے اختیارات، خلیفہ وقت کے مصارف، کلمات تعظیم و تکریم وغیرہ پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔	جلد۳ نمبر۲ رفروری ۱۹۵۲ء
۲۱۔ حریت اور حیات اسلامی ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں: مسامح اور قول حق، حریت رائے، قول حق کی تعریف، ہر مسلمان کو فطرتاً آزاد گو اور حق پرست ہونا چاہیئے، ہر مسلم خدا کا گواہ صادق ہے، ادائے شہادت ربانی اور حریت رائے ایک شے ہے۔ موانع حق گوئی، ناجائز حسن اعتقاد۔	جلد۳ نمبر۳ رمارچ ۱۹۵۲ء

۲۲۔ محبت باطل دنیا میں محبت باطل سے بڑھ کر پائے حق کوش کے لئے کوئی زنجیر نہیں۔ سچے مسلمان کا فرض ہے سچا کے لئے سب کچھ قربان کردے۔	جلد۳ نمبر۳/ مارچ ۱۹۵۲ء
۲۳۔ رسول وحدت (۱) لفظ وحدت کی تحلیل کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی ہے اور کن کن پہلوؤں سے مکمل کی ہے؟	جلد۳ نمبر۴/ اپریل ۱۹۵۲ء
۲۴۔ رسول وحدت (۲)	جلد۳ نمبر۵/ جون ۱۹۵۲ء
۲۵۔ رسول وحدت (۳)	جلد۳ نمبر۶/ اگست ۱۹۵۲ء
۲۶۔ اسلام کا نظریہ تعلیم (۱)	جلد۳ نمبر۷/ اکتوبر ۱۹۵۲ء
۲۷۔ اسلام کا نظریہ تعلیم (۲)	جلد۳ نمبر۸/ دسمبر ۱۹۵۲ء
۲۸۔ اسلام کا نظریہ تعلیم (۳)	جلد۴ نمبر۱/ فروری ۱۹۵۳ء
(وہ مضامین جو رسالہ معارف میں شائع ہوئے)	**معارف اعظم گڑھ**
۲۹۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کا سالانہ اجلاس	نمبر۲ جلد۴۲/ اگست ۱۹۳۸ء
۳۰۔ انڈیا آفس کے کتب خانے کی عربی قلمی کتابوں کی فہرست	نمبر۳ جلد۴۲/ ستمبر ۱۹۳۸ء
۳۱۔ مسلمانوں کی آیندہ تعلیم یہ مقالہ ۱۱/ اپریل ۱۹۳۳ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پڑھا گیا تھا۔	نمبر۴ جلد۴۲/ اکتوبر ۱۹۳۸ء
۳۲۔ مقالات شبلی جلد ششم کا دیباچہ	نمبر۶ جلد۴۲/ دسمبر ۱۹۳۸ء
۳۳۔ فہرست مخطوطات عربی جلد دوم	نمبر۶ جلد۴۲/ دسمبر ۱۹۳۸ء
۳۴۔ قرآن پاک کا تاریخی اعجاز، قرآن کے معجزوں کے متعلق	نمبر۶ جلد۴۲/ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۵۔ عرب وامریکہ (۱)	نمبر۳ جلد۴۳/ مارچ ۱۹۳۹ء
کولمبس سے پہلے عرب کے چند نو جوان امریکہ پہنچ چکے تھے	
۳۶۔ ''جواہرالاسرار'' میں کبیر کی بات چیت	نمبر۳ جلد۴۳/ مارچ ۱۹۳۹ء
ایک پرانے نسخہ میں کبیر اور بیراگیوں کی بات چیت کی بعینہٖ نقل	
۳۷۔ عرب وامریکہ (۲)	نمبر۴ جلد۴۳/ اپریل ۱۹۳۹ء
۳۸۔ انڈیا آفس لائبریری کی فارسی قلمی کتابوں کی فہرست جلد دوم	نمبر۴ جلد۴۳/ اپریل ۱۹۳۹ء
۳۹۔ بعض پرانے لفظوں کی نئی تحقیق	نمبر۵ جلد۴۳/ مئی ۱۹۳۹ء
۴۰۔ تہنید	
غیر زبانوں کے الفاظ کا ہندیانا	نمبر۶ جلد۴۳/ جون ۱۹۳۹ء
۴۱۔ نام خسرو اور اختلاف نماز	نمبر۲ جلد۴۴/ اگست ۱۹۳۹ء
۴۲۔ تہنید اور پرانے لفظوں کی نئی تحقیق پر تبصرے	نمبر۳ جلد۴۴/ ستمبر ۱۹۳۹ء
حبیب الرحمٰن خاں شیروانی اور عبدالستار صدیقی کے خطوط	
اور ان کے مختصراً جواب	
۴۳۔ تفسیر حسن بیان	نمبر۳ جلد۴۴/ ستمبر ۱۹۳۹ء
۴۴۔ فہارس لسان العرب	نمبر۳ جلد۴۴/ ستمبر ۱۹۳۹ء
۴۵۔ اسلامی سکّوں کا مجموعہ ڈھاکہ میں	نمبر۳ جلد۴۴/ ستمبر ۱۹۳۹ء
۴۶۔ حافظ امان اللہ بنارسی اور ان کی مسجد، خانقاہ اور مزار	نمبر۴ جلد۴۴/ اکتوبر ۱۹۳۹ء
کے کتبے، حافظ امان اللہ بنارسی سے متعلق اہم معلومات۔	
۴۷۔ خطبہ صدارت شعبہ اردو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کلکتہ	نمبر۲ جلد۴۵/ فروری ۱۹۴۰ء

ذیلی عنوانات:

مسلمانوں کا مصالحانہ رویہ، اردو اور ہندی کا فرق، ہندو اور مسلمانوں کی ہزار سالہ سمجھوتہ کی یادگار، کیا یہ زبان بدیسی ہے؟ کیا ہندو اور مسلمان مقامی صوبہ دار بولیاں یکساں بولتے تھے؟ سنسکرتی ہندی کے لئے کوشش، زبان کی کسوٹی، اردو کے حامیوں کی سست کاری، کچھ کام کی باتیں، زبان کا صحیح درجہ، اس زبان میں ہندوؤں کا حصہ اب بھی ہے، اردو کے بعض ادبی مورخوں کی غلطی، سنسکرتی ہندی کی ایک دلیل کی کمزوری، ایک اعتراض کا جواب، اصل ہندی سے مسلمانوں کا لگاؤ، صوبوں کی مقامی بولیاں بھی اسلامی درباروں میں بڑھی ہیں، ہندو مسلمانوں سے مخلصانہ اپیل، سرتیج بہادر کا بہادرانہ بیان، اہل بنگال کی خدمت میں کچھ معروضات۔

۴۸۔ المنتظم لابن جوزی	نمبر ۱ جلد ۴۶ ؍ جولائی ۱۹۴۰ء
۴۹۔ مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری	نمبر ۴ جلد ۴۶ ؍ اکتوبر ۱۹۴۰ء
۵۰۔ کیا قرآن رسول کا کلام اور انسانی تعلیمات سے ماخوذ ہے؟	نمبر ۴ جلد ۴۶ ؍ اکتوبر ۱۹۴۰ء
۵۱۔ کتاب التفہیم ابی ریحان بیرونی	نمبر ۴ جلد ۴۶ ؍ نومبر ۱۹۴۰ء
۵۲۔ وحی از روئے قرآن اور مدعی کا تضاد بیان (۱)	نمبر ۵ جلد ۴۶ ؍ نومبر ۱۹۴۰ء
۵۳۔ وحی کے اقسام (۲)	نمبر ۶ جلد ۴۶ ؍ نومبر ۱۹۴۰ء
۵۴۔ ابوالبرکات بغدادی اور اس کی کتاب المعتبر (۱)	نمبر ۱ جلد ۴۷ ؍ جنوری ۱۹۴۱ء

یہ مقالہ عربی میں لکھا گیا تھا جس کا مولوی اویس صاحب نے اردو میں ترجمہ کیا۔

ابوالبرکات فلسفی عراق، طبیب بغداد اور یگانہ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔

۵۵۔ ابوالبرکات بغدادی اور اس کی کتاب المعتبر (۲) — نمبر۲ جلد ۴۷/فروری ۱۹۴۱ء

۵۶۔ مولانا سجاد کی یاد — نمبر۳ جلد ۴۷/مارچ ۱۹۴۱ء

۵۷۔ ابوالبرکات بغدادی اور اس کی کتاب المعتبر (۳) — نمبر۳ جلد ۴۷/مارچ ۱۹۴۱ء

۵۸۔ سر شاہ سلیمان — نمبر۴ جلد ۴۷/اپریل ۱۹۴۱ء

۵۹۔ اسلام: دونوں جہاں کی بادشاہی — نمبر۳ جلد ۴۷/ستمبر ۱۹۴۱ء

محمد رسول اللہ نے صرف آسمانی بادشاہی کی خوش خبری نہیں سنائی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی۔

۶۰۔ شریعت اسلام اور موجودہ ہندوستان میں کاشتکاروں کے حقوق علمائے دین کی رائیں۔ — نمبر۴ جلد ۴۸/اکتوبر ۱۹۴۱ء

۶۱۔ تذکرہ نصر آبادی — نمبر۲ جلد ۴۹/فروری ۱۹۴۲ء

۶۲۔ حامد نعمانی مرحوم — نمبر۴ جلد ۴۹/اپریل ۱۹۴۲ء

۶۳۔ اخبار علمیہ — نمبر۴ جلد ۴۹/اپریل ۱۹۴۲ء

۶۴۔ مولانا حیدر حسن صاحب محدث ٹونکی کی وفات — نمبر۱ جلد ۵۰/جولائی ۱۹۴۲ء

۶۵۔ حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی — نمبر۴ جلد ۵۰/اکتوبر ۱۹۴۲ء

۶۶۔ رجوع و اعتراف — نمبر۱ جلد ۵۱/جنوری ۱۹۴۳ء

۶۷۔ سید سجاد حیدر یلدرم — نمبر۵ جلد ۵۱/مئی ۱۹۴۳ء

۶۸۔ شمس العلماء عبدالرحمٰن شاطر مرحوم	نمبر۶ جلد۵۱/جون ۱۹۴۳ء
۶۹۔ معراج منامی یا جسمانی	نمبر۱ جلد۵۲/جولائی ۱۹۴۳ء
۷۰۔ موت العالم موت العالم مولانا اشرف علی تھانویؒ کے انتقال پر تاثرات	نمبر۲ جلد۵۲/اگست ۱۹۴۳ء
۷۱۔ صبح صادق	نمبر۴ جلد۵۲/اکتوبر ۱۹۴۳ء
۷۲۔ حیات شبلی	نمبر۵ جلد۵۲/نومبر ۱۹۴۳ء
۷۳۔ دیباچہ حیات شبلی	نمبر۵ جلد۵۲/نومبر ۱۹۴۳ء
۷۴۔ فہرست حیات شبلی	نمبر۵ جلد۵۲/نومبر ۱۹۴۳ء
۷۵ روایات معراج	نمبر۱ جلد۵۳/جنوری ۱۹۴۴ء
۷۶۔ آہ! شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ سابق مدرس اعلیٰ دارالعلوم ندوہ۔ وفات پر تاثرات۔	نمبر۱ جلد۵۳/جنوری ۱۹۴۴ء
۷۷۔ حکیم الامت کے آثار علمیہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی علمی و دینی فیوض و برکات جس میں تجوید و قرأت و متعلقات علوم قرآنی، ترجمہ و تفسیر قرآن، علوم القرآن، علم الحدیث، علوم فقہ علم کلام، علم سلوک و تصوف، اصلاحات وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔	نمبر۲ جلد۵۳/فروری ۱۹۴۴ء
۷۸۔ مولانا ظفر احمد صاحب کا مراسلہ ''ابن منصور کو پھانسی نہیں دی گئی'' کا جواب	نمبر۳ جلد۵۳/فروری ۱۹۴۴ء
۷۹۔ قنوج یہ مضمون پہلی بار ''اسلامک کلچر'' اکتوبر ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا تھا جس میں قنوج کا تعارف کرایا گیا ہے۔	نمبر۳ جلد۵۳/مارچ ۱۹۴۴ء

۸۰۔ فن تصوف اور محدثین وصوفیہ میں تطبیق کی راہ	نمبر۴ جلد۵۳/ اپریل ۱۹۴۴ء
۸۱۔ عہد اسلامی میں تعلیم نسواں کی درسگاہیں	نمبر۱ جلد۵۲/ اپریل ۱۹۴۴ء
۸۲ وفات عیسیٰ	نمبر۴ جلد۵۳/ اپریل ۱۹۴۴ء
۸۳۔ خطبہ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال	نمبر۵ جلد۵۳/ مئی ۱۹۴۴ء
۸۴۔ لفظ "اللہ" کے معنی اور اسم اعظم کا تخیل	نمبر۲ جلد۵۳/ مئی ۱۹۴۴ء
۸۵۔ اثر مبارک	نمبر۲ جلد۵۴/ اگست ۱۹۴۴ء
۸۶۔ آنحضرت صلی اللہ وسلم اور علم غیب	نمبر۲ جلد۵۴/ اگست ۱۹۴۴ء
۸۷۔ ایک بہادر مسلمان کی موت۔ نواب بہادر یار جنگ	نمبر۲ جلد۵۴/ اگست ۱۹۴۴ء
۸۸۔ فراق مجذوب	نمبر۴ جلد۵۴/ اکتوبر ۱۹۴۴ء
۹۰۔ مطبوعات جدیدہ	نمبر۴ جلد۵۴/ اکتوبر ۱۹۴۴ء
۹۱۔ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی	نمبر۵ جلد۵۴/ نومبر ۱۹۴۴ء
۹۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۱) مولانا مناظر احسن گیلانی کی تصنیف پر سید صاحب کا تبصرہ	نمبر۶ جلد۵۴/ دسمبر ۱۹۴۴ء
۹۳۔ چودھری خوشی محمد ناظر مرحوم	نمبر۶ جلد۵۴/ دسمبر ۱۹۴۴ء
۹۴۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم تربیت (۲)	نمبر۱ جلد۵۵/ جنوری ۱۹۴۵ء
۹۵۔ خطبۂ صدارت شعبہ تاریخ ہند از منۂ وسطیٰ (۱۲۱۶ء سے ۱۵۲۶ء) آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس دسمبر ۱۹۴۴ء	نمبر۴ جلد۵۵/ اپریل ۱۹۴۵ء
۹۶۔ خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ العلماء صوبہ بمبئی منعقدہ ۱۷/ صفر ۱۳۶۴ھ	نمبر۵ جلد۵۵/ مئی ۱۹۴۵ء
۹۷۔ ضیاء الحسن علوی مرحوم	نمبر۱ جلد۵۶/ جولائی ۱۹۴۵ء

۹۸۔ اسلام اور حرمت ربا — نمبرا جلد ۵۶/ جولائی ۱۹۴۵ء
ڈاکٹر انور اقبال کی کتاب پر تبصرہ

۹۹۔ رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیاں — نمبر۲ جلد ۵۶/ اگست ۱۹۴۵ء
مشنری کالج اور اسکولوں میں اسلام کے متعلق غلط اور من گھڑت باتوں کا جواب۔

۱۰۰۔ تقریر جامعہ عثمانیہ راندیر — نمبر۳ جلد ۵۶/ ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۰۱۔ جبر و قدر — نمبر۳ جلد ۵۶/ ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۰۲۔ کیا خلقی معذورین کی پیدائش انصاف الٰہی کے خلاف ہے؟ — نمبر۳ جلد ۵۶/ ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۰۳۔ عثمان و حسینی شہادتیں — نمبر۳ جلد ۵۶/ ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۰۴۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدائشی احوال کا اختلاف — نمبر۳ جلد ۵/ ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۰۵۔ شمس العلوم کا ایک قلمی نسخہ — نمبرا جلد ۵۷/ جنوری ۱۹۴۶ء

۱۰۶۔ کتاب خلفائے راشدین کے بعض مسامحات کی تصحیح — نمبر۲ جلد ۵۷/ فروری ۱۹۴۶ء

۱۰۷۔ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ جلیل رحمۃ اللہ علیہ — نمبر۳ جلد ۵۷/ مارچ ۱۹۴۶ء

۱۰۸۔ امت مسلمہ کی بعثت — نمبر۴ جلد ۵۷/ اپریل ۱۹۴۶ء
(سیرت جلد ہفتم کا ایک باب)

۱۰۹۔ عدل جہانگیری کا واقعہ — نمبر۴ جلد ۵۷/ اپریل ۱۹۴۶ء

۱۱۰۔ الرد علی المنطق — نمبر۴ جلد ۵۷/ اپریل ۱۹۴۶ء

۱۱۱۔ پروفیسر حافظ محمود خاں صاحب شیرانی مرحوم وفات پر تاثرات — نمبر۴ جلد ۵۷/ اپریل ۱۹۴۶ء

۱۱۲۔ غبارِ خاطر	نمبر ۶ جلد ۵۷/ جون ۱۹۴۶ء
۱۱۳۔ مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزا بیدل ممکن ہے عظیم آبادی نہ ہوں لیکن صوبہ بہار کے ضرور تھے۔	نمبر ۲ جلد ۵۷/ اگست ۱۹۴۶ء
۱۱۴۔ متفرق سوالات	نمبر ۴ جلد ۵۸/ اکتوبر ۱۹۴۶ء
۱۱۵۔ تخلیق عالم کا مقصد	نمبر ۴ جلد ۵۸/ اکتوبر ۱۹۴۶ء
۱۱۶۔ حکومت الٰہی اور مسلمانوں کا مطمح نظر	نمبر ۴ جلد ۵۸/ اکتوبر ۱۹۴۶ء
۱۱۷۔ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (سیرت النبی جلد ہفتم) سیرت النبی جلد ہفتم کا ایک باب	نمبر ۵ جلد ۵۸/ نومبر ۱۹۴۶ء
۱۱۸۔ خطبۂ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ اس مضمون میں حسب ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے: طبی تراجم طب اسلامی یونانی نہیں۔ عجم میں طب، دنیائے اسلام میں طب، ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقیاں، ویدک اور طب کا لین دین، طب کی تجدید، طب اور آلات کا استعمال، قدیم کتب کی فراہمی، عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی، مفردات اور مرکبات، حیدر آباد دکن کا طبی شفاخانہ، دیسی طب کی حمایت، طب اور مذہب، نوجوان طبیبوں کو نصائح۔	نمبر ۶ جلد ۵۸/ دسمبر ۱۹۴۶ء
۱۱۹۔ جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد	نمبر ۶ جلد ۵۸/ دسمبر ۱۹۴۶ء
۱۲۰۔ کیا ولادت نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی۔	نمبر ۲ جلد ۵۹/ فروری ۱۹۴۷ء
۱۲۱۔ کرنول کے علاقہ مدراس کے ایک عالم دین کی وفات ''حاجی محمد عمر''	نمبر ۳ جلد ۵۹/ مارچ ۱۹۴۷ء

۱۲۲۔طوفان محبت نواب ہوشیار جنگ ہوش بلگرامی کی تصنیف پر تبصرہ	نمبر۳ جلد ۵۹/ مارچ ۱۹۴۷ء
۱۲۳۔حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم ڈھاکہ	نمبر۴ جلد ۵۹/اپریل ۱۹۴۷ء
۱۲۴۔اندراج نکاح وطلاق اور تقرر قضاۃ ۱۹۲۷ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کی کوششوں سے ایک کمیٹی بنی تھی جس کا نام ''مسلم میرج سب کمیٹی'' تھا جس کا مقصد مسلمانوں کے نکاح وطلاق کے معاملات پر غور اور نکاح وطلاق کو درج رجسٹر کرانے کے لئے ایک قانون بنانا تھا۔اس کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان مرحوم تھے،ممبران میں مولانا کفایت اللہ مولانا نعیم الدین ، مولانا قطب الدین اور سید سلیمان ندوی تھے چونکہ ممبروں کا اتفاق کسی ایک نقطہ پر نہ ہوسکا،اس لئے سید صاحب نے ایک رپورٹ الگ تیار کی جس پر مولانا قطب الدین اور سید صاحب نے دستخط کئے یہ وہی رپورٹ ہے۔	نمبر۵ جلد ۵۹/مئی ۱۹۴۷ء
۱۲۵۔امام المسلمین کا حکم تشریعی اور عالم رؤیا کے احکام کی اطاعت	نمبر۵ جلد ۵۹/مئی ۱۹۴۷ء
۱۲۶۔ ایک آیت کا زمانہ نزول	نمبر۵ جلد ۵۹/جون ۱۹۴۷ء
۱۲۷۔حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار	نمبر۶ جلد ۵۹/جون ۱۹۴۷ء
۱۲۸۔سیاسیاتِ اسلام کے نظریے یہ مضمون مولانا حید رزماں صدیقی صاحب کی کتاب '' اسلامی نظریہ سیاست'' میں بطور مقدمہ شائع ہوا۔	نمبر۴ جلد ۶۰/اکتوبر ۱۹۴۷ء

۱۲۹۔آہ! مولانا عمادالدین!	نمبر۴ جلد ۶۰ / اکتوبر ۱۹۴۷ء
۱۳۰۔اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت	نمبر۵ جلد ۶۰ / نومبر ۱۹۴۷ء
۱۳۱۔ماتم گذار برامکہ کا ماتم	نمبر۳ جلد ۶۱ / مارچ ۱۹۴۸ء
۱۳۲۔نواب غلام احمد کلامی مدراس	نمبر۳ جلد ۶۱ / مارچ ۱۹۴۸ء
۱۳۳۔برمک اور پرمکھ	نمبر۴ جلد ۶۱ / اپریل ۱۹۴۸ء
۱۳۴۔مولانا ثناءاللہ امرتسری	نمبر۵ جلد ۶۱ / مئی ۱۹۴۸ء
۱۳۵۔مولانا ابوالبرکات داناپوری	نمبر۵ جلد ۶۱ / مئی ۱۹۴۸ء
۱۳۶۔مولانا یعقوب بخش قادری بدایونی	نمبر۵ جلد ۶۱ / مئی ۱۹۴۸ء
۱۳۷۔قومیت	نمبر۲ جلد ۶۲ / اگست ۱۹۴۸ء
ٹیگور کی کتاب نیشلزم کے اردو ترجمہ پر مقدمہ	
۱۳۸۔ہندوستان کی اصلیت اور اسکے کچھ اصول	نمبر۳ جلد ۶۲ / ستمبر ۱۹۴۸ء
گاندھی جی کی خواہش کے مطابق ’’عبدالحق راجندر پیکٹ‘‘ ہوا تھا، اس کے ایک ممبر سید صاحب بھی تھے۔سید صاحب نے اسی سلسلہ میں یہ مضمون تحریر فرمایا تھا۔	
۱۳۹۔ہندو مسلم ملاپ ایک سندیس	نمبر۱۱ جلد ۶۲ / نومبر ۱۹۴۸ء
۱۴۰۔سید حسین کی موت	نمبر۴ جلد ۶۳ / اپریل ۱۹۴۹ء
۱۴۲۔مولانا شبیر احمد عثمانی	نمبر۴ جلد ۶۳ / اپریل ۱۹۵۰ء
۱۴۳۔سر شیخ عبدالقادر	نمبر۵ جلد ۶۵ / مئی ۱۹۵۰ء
۱۴۴۔جن سے میں متاثر ہوا	نمبر۱ جلد ۶۶ / جولائی ۱۹۵۰ء
آل انڈیا ریڈیو کی ایک تقریر	
۱۴۵۔ملا خیراللہ مہندس کے چند نئے رسائل	نمبر۳ جلد ۶۶ / ستمبر ۱۹۵۰ء

استاد ملا احمد معمار جس نے لال قلعہ جامع مسجد اور تاج محل کی عمارتیں بنوائی تھیں اس کے حالات سے متعلق چند مزید تصنیفات کا ذکر۔

۱۴۶۔آہ! مولانا شیروانی!	نمبر ۶ جلد ۶۶ ر دسمبر ۱۹۵۰ء
۱۴۷۔واحسرتا	نمبر ۶ جلد ۶۸ ر دسمبر ۱۹۵۱ء
(مولانا حسرت موہانی کی وفات پر تاثرات) یادگار حسرت نمبر	
۱۴۸۔نقوش سلیمانی طبع دوم کا مقدمہ	نمبر ۲ جلد ۶۹ ر فروری ۱۹۵۲ء
۱۴۹۔پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز (پونہ)	نمبر ۳ جلد ۷۱ ر مارچ ۱۹۵۳ء
۱۵۰۔سیرت النبی جلد ہفتم کا ایک باب	مارچ ۱۹۷۸ء
۱۵۱۔عہد نبوی میں نظام حکومت کے مظاہر اور خصائص (۱)	اپریل ۱۹۷۸ء
۱۵۲۔عہد نبوی میں نظام حکومت کے مظاہر خصائص (۲)	مئی ۱۹۷۸ء
۱۵۳۔اسلام میں حکومت کی حیثیت واہمیت (۱)	ستمبر ۱۹۷۸ء
۱۵۴۔سلطنت اور دین کا تعلق	نومبر ۱۹۷۸ء
۱۵۵۔ اسلامی ریاست کی اولین بنیاد	دسمبر ۱۹۷۸ء
۱۵۶۔نظریہ خلافت	
۱۵۷۔امت مسلمہ کی بعثت	جنوری ۱۹۷۹ء

(ماخوذ از یادگار سلیمان ص ۱۵۰ تا ۱۸۵)

فصل

سید صاحب کے نزدیک فقہ اسلامی کی اہمیت

سید صاحب جمیعۃ العلماء ہند (کلکتہ ۱۹۲۶ء) کے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب وسنت اوران سے ماخوذ ائمۃ سلف کی فقہ پر ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے لئے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتیں تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہیں کرسکی ہیں لیکن ہماری گذشتہ سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا کے طول وعرض میں قائم رہیں وران کا مدار انہیں اسلامی قانون پر رہا اورانہوں نے وہ عروج وترقی حاصل کی اور عدل وانصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔[1]

فقہیات اور جدید تحقیقات میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے حسن ظن واعتماد

سید صاحبؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعض اکابر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوجانے کی وجہ سے ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت ہے، اور مذہبی نظام کو قائم رکھنے اوراس کے اضمحلال کو دور کرنے کے لئے موجودہ زمانہ کا ایک اہم سوال ہے، اس سلسلہ میں اگر کوئی کتاب شائع ہوئی ہو یا کوئی ادارہ ادھر توجہ کررہا ہو، تو

[1] ندوۃ کا فقہی مزاج ص ۲۱۴۔

خاکسار کو اس سے مطلع فرمائیں۔“

جواب میں گذارش ہے کہ افراد کی طرف سے بعض بعض مسائل اور فتووں کے جواب وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے اپنے حوادث الفتاویٰ میں ایسے بعض مسئلوں کے جواب دیئے ہیں اور ان کے زیر نظر جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے کچھ رسالے لکھے ہیں، دار المصنفین نے فقہ کی مفصل و مکمل کتاب کئی جلدوں میں لکھوانے کا ارادہ کیا ہے، جن میں قدیم اور جدید سارے مسئلوں کے استیعاب کا ارادہ ہے، بالفعل پہلی جلد کتاب الطہارۃ تک تیار ہوچکی ہے، اب اس کو دیگر اہل نظر کے سامنے پیش کرنا ہے۔

لیکن اصلی صورت یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا کہ اہل معاملات پہلے ان جدید معاملات کی ان صورتوں کو جو ان کو پیش آتی ہیں، یکجا کر کے علماء کے سامنے رکھیں اور علماء ان کے جوابات مرتب فرمائیں، حضرات علماء کو بے تعلقی کے سبب سے جدید معاملات کی خبر نہیں اور نہ ان کی حقیقت سے پوری واقفیت ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کی تفصیلات خود اہل معاملہ کھول کر بتائیں، تاکہ حضرات علماء ان پر غور و فکر کرسکیں۔☆[1]

---

[1] معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء ماخوذ از شذرات سلیمانی ص ۳۸۶

☆ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے:

”ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک رسالہ ایسا اور لکھا جاتا کہ جس میں ہر پیشہ ور کے معاملات کے احکام کو اس میں شرعی حیثیت بصورت مسائل بیان کردیا جاتا تو بڑی سہولت ہوجاتی، اس لئے کہ لین دین وغیرہ میں آج کل نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اور اکثر احکام شرعیہ کے خلاف عملدرآمد ہورہا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کو لوگ دشوار سمجھتے ہیں یہ سب مشکلیں حل ہوجاتیں۔

فرمایا کہ آپ آج کہہ رہے ہیں میں نے ایک عرصہ ہوا اس وقت چاہا تھا کہ سب اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوال کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دیدیں چاہے وہ تجارت پیشہ ہوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یازراعت پیشہ یا ملازمت پیشہ وغیر وغیرہ، میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کردوں گا اور احکام بتلادوں گا مگر کسی نے میری مددنہ کی بڑے کام کی کتاب ہوتی۔اسی کے متعلق میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ اگر کثیرۃ الوقوع معاملات پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتوی دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں اس سے بہت ہی قوت ہوگئی تھی کہ اب تو کوئی مانع ہی نہیں رہا اور میں خود اس لئے نہیں لکھ سکا کہ مجھ کو معاملات یا واقعات ہی کی خبر نہیں اس لئے اگر تجارت پیشہ وزراعت پیشہ، ملازمت پیشہ اہل صنعت وحرفت یہ سب ان چیزوں کے متعلق واقعات بصورت استفتاء جمع کر کے دیدیتے تو میں سوال وجواب کی صورت میں ان کے احکام جمع کر دیتا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر فتوی دیدوں گا، امام مالک کے مذہب پر فتوی دیدوں گا، امام احمد بن حنبل کے مذہب پر فتوی دیدوں گا اور اگر ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو ان کی سہل تدابیر بتلاؤں گا کہ یوں کرلیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا اور اگر کوئی بات سمجھ ہی سے باہر ہوتی تو اس کا کوئی علاج نہیں معذوری ہے۔اور اب اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں رہی۔ضعف کے سبب تحمل نہیں۔

(الافاضات الیومیہ ج۶ص۱۳۵ملفوظ نمبر ۲۳۸مطبوعہ ملتان)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عرصہ ہوا میں نے ہر پیشہ کے لوگوں سے وقتاً فوقتاً انفرادی صورت میں کہا تھا کہ ہر قسم کے معاملات جو کہ ذرائع معاش ہیں متعارف صورتیں ضبط کرلیں جاویں اور میرے پاس بھیج دی جاویں، میں بصورت رسالہ ان کے احکام شرعیہ کو لکھوں گا تاکہ حوادث وقتیہ کے احکام عام طور سے معلوم ہوجاویں، اور ان میں بھی اس کی کوشش کروں گا کہ حتی الامکان وسعت دی جاوے خواہ دوسرے ہی امام کا قول لینا پڑے بشرطیکہ مذاہب اربعہ سے خروج نہ ہو، اور اس وسعت کے اہتمام کی ضرورت یہ تھی کہ بعض صورتوں میں ابتلا ہے اس لئے سہولت کی کوشش کی جاوے مگر کسی نے بھی میری اعانت نہ کی اب اگر ان معاملات کے ضبط کا بھی کچھ انتظام ہوجاوے تو اب اتنی قوت نہیں رہی کہ اس خدمت کو انجام دے سکوں۔

(ملفوظات حکیم الامت ملفوظ نمبر ۱۶۵، ص ۱۴۱ ج ۵ مطبوعہ ملتان)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بڑا کارنامہ

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فقہی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاویٰ اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کے مجموعے جمع کئے گئے ہیں، جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، و **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**، حوادث الفتاویٰ کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اس زمانے کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاویٰ سے بآسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔☆[1]

عام مسلمانوں کی سہولت کے خیال سے حضرت مولانا تھانویؒ نے تو یہاں تک

☆مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲) کے علمی و فقہی کارناموں کے تفصیلی بیان کے لئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

مولانا کی مقبول عام کتاب ''بہشتی زیور'' کے علاوہ ان کے فتاویٰ (مسمی بہ امداد الفتاویٰ) کا سات جلدوں پر مشتمل عباداتی، تمدنی، معاشرتی، معاملاتی وغیرہ سوالات کے جوابات کا بیش قیمت اور عظیم ذخیرہ ہے، ایک خاص بات یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا ان میں نہ صرف حل پیش کیا گیا ہے، بلکہ ایسی اصولی ہدایات ملتی ہیں جن سے آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے راہنمائی کا پورا سامان ہے، چنانچہ کسی بھی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لئے آج کے علماء وفقہاء ان کی تحقیقات وہدایات سے استفادہ کئے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا مشکل سمجھتے ہیں، مولانا کی زمانہ شناسی اور حساس وفکرمند طبیعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ''الحیلۃ'' ''الناجزۃ'' ہے، جس میں دنیا بھر کے معتمد علماء کی آراء جمع کر کے آج کی مظلوم منکوحہ عورت کی متعدد دشواریوں کا آسان حل پیش کیا گیا ہے۔ (تدوین فقہ اور چند فقہی مباحث ص ۱۱۱)

[1] حکیم الامت کے آثار علمیہ۔ ماخوذ از مآثر حکیم الامت ص ۱۹۸

خیال ظاہر فرمایا ہے کہ معاملات میں مختلف ائمہ مجتہدین کے مسائل میں سے اس زمانے کے مطابق جس میں مسلمانوں کے لئے زیادہ سہولت اور آسانی ہو، اہل ضرورت کو اس کا فتویٰ دیا جائے،

چنانچہ اسی اصول پر مظلوم مسلمان عورتوں کے لئے ''الحیلۃ الناجزۃ'' تصنیف فرمائی جس میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر متعدد مسائل میں فقہ مالکی کے مطابق جوابات تحریر فرمائے، اور ان صورتوں کو اختیار فرمایا جن میں مسلمان عورتوں کے لئے زیادہ سہولت نظر آئی، اسی طرح معاملات کے دوسرے مسائل پر بھی نظر کی جاسکتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ کام ہر کس وناکس کے کرنے کا نہیں ہے، بلکہ متقی، دیندار اور مستند اہل فتویٰ کا ہے، جن کی بصیرت پر علماء اور عام مسلمانوں کو اعتبار ہو[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس وقت ایک بڑا فتنہ یہ پیدا ہوا ہے کہ خاوندوں کی زیادتی اور ظلم کے سبب عورتوں میں ارتداد شروع ہوگیا معلوم ہوا کہ قریب ہی زمانہ میں کئی ہزار عورتیں مرتد ہو چکیں بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ عورتوں کو جو مرد ستاتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں یا مرد مجنون ہوگیا ہے یا عنین ہے یا مفقود الخبر ہے اس کے متعلق اسلام میں کیا احکام ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں ایسی حالت میں مرد سے عورت کی نجات کے لئے کوئی صورت نہیں کوئی، امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرتا ہے کہ ان کے مذہب میں ان مشکلات کا کوئی حل نہیں ہے، ان ہی وجوہ سے ایک رسالہ مرتب کر رہا ہوں، جس کا نام ہے **''الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ''۔**

جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ کئی ہزار عورتیں کوئی سبیل نہ ہونے کی وجہ سے مرتد ہوگئیں اس سے بیحد دل پر اثر ہوا اور اس رسالہ کی تکمیل کی ضرورت محسوس

---

[1] معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء شذرات سلیمانی ۳۸۷۔

ہوئی اور چونکہ اس رسالہ میں بعضی تدابیر دوسرے ائمہ سے لی گئی ہیں اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے حنفیت جاتی رہے گی، میں نے کہا کیا خوب چاہے اسلامیت جاتی رہے۔ مگر حنفیت نہ جائے۔[1]

مردوں کی غفلت اور ظلم سے عاجز آ کر جو عورتیں کثرت سے مرتد ہورہی ہیں اس کے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ہے ''حیلہ ناجزہ''............

اس رسالہ کے متعلق بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ اس رسالہ کا حاصل تو یہ ہوا کہ حنفیت کو چھوڑو۔ منشاء اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس میں بعض صورتوں میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ حنفیت نہ چھوٹے چاہے اسلام چھوٹ جائے جب اسلام اور ایمان ہی جاتا رہا تو وہ کیا ہوگا۔ حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی مقلد یا غیر مقلد دیکھئے............اگر یہ فتویٰ لیا جائے کہ ایک شخص یا مرتد ہوتا ہے یا غیر مقلدی اختیار کرتا ہے تو شرعاً کیا حکم ہے تو اس پر کیا فتویٰ دیتے ہو؟[2]

سید صاحبؒ کے نزدیک ضرورت شدیدہ اور خاص حالات میں مسائل میں توسع

ایک انگریز میاں بیوی مسلمان ہوئے، چند ہی دنوں میں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ،یہ ماجرا ان کے ایک مسلمان دوست نے سنا تو انہوں نے شوہر سے کہا کہ تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہوگیا، اب نومسلم میاں بیوی بھی پریشان اور اس کے دوست بھی حیران، احتیاطاً ان کے دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رجوع کیا، مگر جواب طلاق قطعی ہی کا ملا، پھر وہ

[1] ملفوظات حکیم الامت ص ۱۸ ج ۳ قسط ۱ [2] ملفوظات حکیم الامت ص ۱۷۷ ج ۳ قسط ۲ مطبوعہ دیوبند۔

حضرت علامہ کی خدمت میں آئے ، سارا ماجرا سنایا ، علامہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب (مولانا محمد شفیع صاحب) سے پوچھئے ، انہوں نے عرض کیا کہ وہاں سے تو یہی جواب ملا ہے، علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: تو آپ کا کیا جی چاہتا ہے کہ جواب برعکس ملے ، اس پروہ چپ رہے، تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحب کے سالانہ اجلاس میں لائیے ، مجھے جو کچھ لکھنا ہوگا وہیں لکھ دوں گا ، چنانچہ دوسرے روز جلسہ جب ختم ہوا اور مخصوص علماء جن میں مفتی محمد حسن امرتسری ،مولانا ادریس کاندھلویؒ اور خود مفتی محمد شفیع صاحب تھے، چائے نوشی کے لئے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے،تو علامہ نے ان صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا ، متفقہ جواب تھا کہ طلاق واقع ہوگئی ، پھر حضرت علامہ نے اس پر اپنے قلم سے یہ فتویٰ تحریر فرمادیا کہ اہل سنت والجماعت میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی ،رجوع کرادیا جائے ، پھر علماء کرام کو یہ دکھلاتے ہوئے فرمایا کہ وہ نومسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں ، نہ شافعی ، لہٰذا قانون میں کوئی بھی گنجائش نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انہیں ملنا چاہئے ،اس پر حضرت مفتی صاحب نے برملا فرمایا کہ یہ جواب حضرت ہی لکھ سکتے ہیں ،ہم چوں کہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں،اس لئے نہیں لکھ سکتے ، پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس کی تائید فرمادی"۔ [1]

تنبیہ: سید صاحبؒ کا یہ فتویٰ وگنجائش ایک خاص واقعہ اور حالت میں تھی (**واقعة حال لا عموم لها**) جس کو بنیاد بنا کر عمومی طور پر یہ اجازت نہیں دی جاسکتی۔دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کے حدود وقیود اور شرائط حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمائے ہیں۔

ملاحظہ ہو الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص۲۵و۲۶ (مرتب)

[1] رسالہ برہان دسمبر ۱۹۸۴ء مضمون غلام احمد

فصل

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نظر میں

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اسلامی ملکوں میں بحمد اللہ ہندوستان کی حالت اب بھی غنیمت ہے کہ دینی تغافل اور سیاسی انہماک کے باوجود یہاں علماء تعلیم یافتہ ہیں، اور عوام کی ایک جماعت گو وہ تھوڑی ہی ہو، ایسی موجود ہے، جو دین کی خدمت اور اعلاء کے لئے سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل اور عوام کو دین سے مربوط اور تعلیم یافتوں کو مذہب سے آشنا کرنے کے لئے اخلاص کے ساتھ کام کر رہی ہے......

ممکن ہے کسی کو ان میں سے کسی کے طریق کار سے مخلصانہ اختلاف ہو، تاہم جس حد تک مشترک مقصد کا تعلق ہے، ان کی نیک مساعی کا اعتراف اور ان کی کامیابی کی دعا کرنی چاہیئے، اور اختلاف کو کوئی مخالفت کا رنگ نہیں دینا چاہیئے، کیوں کہ اصل مقصود دین کی خدمت ہے، اشخاص کی بحث نہیں۔

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک

غرض اندر میاں سلامت اوست

"دعوۃ الحق" کی حیثیت مجلسی نہیں ہے، اس کے کام کرنے والے افراد ہیں، یہ ایک دعوت کا خاکہ ہے، جس کو حضرت تھانویؒ نے ایک زمانہ میں کھینچ کر تیار کیا تھا اور جس کے مطابق ان کے زمانہ میں کہیں کہیں کام شروع ہوا تھا، اور اب ایک دو سال سے اس کے مطابق بمبئی اور دہلی اور بعض اور مقامات میں کچھ لوگ کام کر رہے ہیں، بمبئی اور دہلی

دونوں جگہ اس کے ماتحت مسجدوں میں درس قرآن ہوتا ہے اور عوام اور تعلیم یافتہ لوگوں تک پہنچ کر دین کے پیام سے ان کو آشنا کیا جاتا ہے، اور ان کے شکوک وشبہات کے گرد وغبار کو دور کر کے دین کے صافی چشمہ تک ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔[۱]

علمی تحقیقات میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ

کے مواعظ سے تائید وتوثیق

علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"خارجیت والے مضمون کے متعلق میرے مختصر معروضات کی آپ نے تشریح وتوضیح چاہی ہے، میرے خیال میں کسی بڑی توضیح کی ضرورت نہیں، آپ کے بیان میں صرف دو باتوں کو صاف کر دینے سے بات صاف ہو جائے گی۔

(۱) خالق اور مخلوق میں کسی صفت کا بھی اشتراک نہیں، جو اشتراک نظر آتا ہے وہ محض لفظی ہے، ورنہ سمیع وبصیر کی حقیقت دونوں جگہ مختلف ہے، اور شافی تو خاص خدا کی حقیقت ہے، شافی کے معنی شفا بخشنے والا، شفا بخشی صرف خدا کی حقیقت **وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنُ** اور حدیث میں **ولا شافی الا انت**، البتہ تدبیر حصول شفا حکیم وڈاکٹر بتاتے ہیں، مگر شفا نہیں بخشتے اور نہ بخش سکتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ مباح کو آپ حکم الٰہی نہیں مانتے، حالانکہ حلال وحرام کی طرح مباح بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا ہے، وہ بھی انہیں کے حکم سے ہے، اس لئے احکام طبعی اور احکام تشریعی دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں۔

[۱] ماخوذ از شذرات سلیمانی ص ۳۷۳۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالی کے ایک وعظ الدنیا والآخرۃ میں حسب ذیل مضمون نظر پڑا، اس کی نقل مرسل ہے تاکہ میرے گذشتہ عریضہ کی توثیق ہو سکے۔ فرماتے ہیں:

"بعض صفات جو واجب وممکن ہیں بظاہر مشترک ہیں، جیسے علم وقدرت وغیرہما ان سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ صفات ممکن کا تو ادراک بالکنہ ممکن ہے اور بوجہ اشتراک کے وہی حقیقت ہوگی صفات واجب کی، بس صفات واجب کا ادراک بالکنہ ممکن ہوگیا، جواب یہ ہے کہ یہ اشتراک باعتبار حقیقت کے نہیں محض باعتبار اسم کے ہے اور حقیقت دونوں کی جدا جدا ہے"۔[1]

ایک سوال کے جواب میں حضرت تھانویؒ کی تحقیق وتعلیم کا ذکر

ایک مسترشد کے سوال کے جواب میں حضرت سید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت (مولانا تھانوی) کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کے لئے لفظ اللہ کی طرف اور متوسط معنی کی طرف اور منتہی ذات بحت کی طرف توجہ کرے۔[2]

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے ایک خط کے جواب میں حضرت سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

ذوق نے کہا تھا ع

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بہت قدرِ سخن کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

معلوم نہیں مرحوم ذوق اگر آج زندہ ہوتے تو کیا کہتے، آپ نے اقبالؒ کے جس مصرع سے جو تسلی پائی ہے، میں نے وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی اس تعلیم سے پائی کہ "امور اختیاری میں کمی نہ کرے، اور امور غیر اختیاری کے درپے نہ ہو"۔[3]

---

[1] مکتوبات سلیمان، ص: ۲۰۲-۲۰۴ [2] سلوک سلیمانی ص ۳۱۰ ج ۲ [3] مکتوبات سلیمان، ص: ۲۱۱۔

ذاتی اور نجی معاملات میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشورہ

حضرت سید صاحب مولانا عبدالباری صاحبؒ ندوی کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت تھانویؒ میرے ہر معاملہ حتی کہ ذاتی معاملہ سے بھی باخبر ہیں، یہ میرا جوش محبت ہے کہ اپنے والد شفیق کی طرح ان کو ہر معاملہ لکھے بغیر چین ہی نہیں ملتا"

"میرا مذاق تو یہ ہے کہ شیخ وقت قائم مقام نبی ہے ان امور میں جو مختص بالنبوہ نہیں، غرض یہ کہ جس طرح نبی کی یہ شان ہے کہ **لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ ونفسہ** (اوکما قال) اس کا عکس شیخ کے ساتھ تعلق میں بھی ہونا چاہئے"۔

شیخ کا تعلق اس درجہ غالب آیا کہ نجی معاملات میں بھی اس کا پاس ولحاظ اولیت حاصل کرگیا، چنانچہ منجھلی صاحبزادی کی نسبت کا معاملہ درپیش آیا تو اس کے لئے بھی نگاہ ایسے جوان صالح کی متلاشی ہوئی جو اشرفی نسبت سے مشرف ہو، جو یندہ یا بندہ، آخر نگاہ نے اپنا مطلوب پالیا تو فرط مسرت سے اپنے دوست مولانا عبدالباری ندوی کو تحریر فرماتے ہیں"۔

"آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں اپنی منجھلی لڑکی کی نسبت ایک ایسے نوجوان صالح سے کررہا ہوں جو حضرت مولانا تھانویؒ کے متوسلین میں ہیں"

ذکر اس نوجوان کے عہدے یا اسکی تنخواہ کا نہیں، اس کی ثروت یا ظاہری وجاہت کا نہیں بلکہ صرف اس کا ہورہا ہے کہ وہ صالح اور بارگاہ اشرفیہ کا متوسل ہے۔[1]

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۳۰۔

اس تصور واستحضار سے تسلی و تشفی ہوتی ہے کہ حضرت تھانویؒ میرے اس طرزعمل کو پسند فرماتے

مولانا عبدالماجد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

سید صاحب بھوپال بڑے تذبذب کے ساتھ گئے تھے اور وہ تذبذب اب تک قائم تھا، ڈرتے تھے کہ کہیں اس کا شمار حب جاہ میں نہ ہو، میں نے لکھا تھا کہ جو دینی خدمت آپ نے اپنے سر لی ہے تو حضرت تھانویؒ اگر ہوتے تو میں وجداناً کہتا ہوں کہ وہ ضرور اسے پسند فرماتے۔ (عبدالماجد)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کے جواب میں میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے اس وجدان سے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ میرے اس طرزِ عمل کو پسند فرماتے بڑی تسلی ہوئی کہ، ابھی تک تو میرا عزم یہی ہے کہ مستقل قیام نہ کروں واللہ اعلم بما یکون۔"[1]

من تواضع للہ رفعہ اللہ

جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

عجیب بات ہے کہ جن دنوں حضرت والاؒ مٹنے مٹانے پر تلے ہوئے تھے، قدرت نے ایک اور ظاہری اعزاز سے نوازنا چاہا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے یہ طے کیا کہ علامہ ندوی کے کمالات علمی وادبی کے اظہار اعتراف کے لئے ان کی خدمت میں ڈی، لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کرے، حضرت والا کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت نے اپنے شیخ کی خدمت میں اس اعزاز کے عطا کئے جانے کی حقیقت وصورت کی ساری تفصیل لکھ بھیجی اور اس بارے میں شیخ کا فیصلہ طلب کیا، یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ اپنے دل میں اس کی کوئی طلب

[1] مکتوبات سلیمان۔ ص:۱۹۱ ج:۲۔

موجود نہیں...... مگر مرشد تھانوی قدس سرہٗ کا جواب آیا کہ ضرور قبول کیجئے،

اس فیصلہ کے بعد حضرت والا نے وہ اعزاز قبول فرمالیا اور نومبر ۱۹۴۰ء میں مسلم یونیورسٹی نے حضرت علامہ ندوی کی خدمت میں ڈی،لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کرنے کا فخر حاصل کیا۔

حصول اعزاز کے بعد پھر حضرت والا نے اس کی اطلاع خدمت شیخ میں کی اور عرض حال کے طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ

''جس وقت مجھ کو گون (عبا) پہنایا جارہا تھا تو دل میں کوئی ایسی لہر بھی نہیں اٹھی جو نیا کپڑا پہنتے وقت محسوس ہوتی ہے اور سارے اعزاز و مراسم میں بحمد اللہ ذرہ برابر فخر و مباہات کا گمان بھی نہیں گذرا''

اس کے جواب میں شیخ عالی مرتبت نے لکھا کہ:

الحمدللہ یہی توقع تھی۔[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نزدیک حضرت سید صاحب کی قدر و منزلت اور محبت و عظمت

تذکرہ سلیمان کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے بارہا فرمایا کہ'' حضرت سید صاحب خانقاہ تشریف لاتے تو ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہو جاتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا یا جوان ہو گئے ہیں، گھنٹہ بھر کی محفل کو دو، دو گھنٹہ طول دیتے تھے، حالت مرض میں بھی معلوم ہوتا تھا کہ گویا مرض چلا گیا اور فرماتے تھے کہ سید صاحب بہت صاف دل انسان ہیں''!

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۳۲۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ ''آخر زمانہ میں تو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بس یہی فرماتے تھے کہ رات کے دو بجے آنکھ کھلتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ سید صاحب کو بلا کر باتیں کرتا رہوں لیکن پھر ان کی زحمت کے خیال سے چپ ہو رہتا ہوں!'' محبوب کے دل میں محبّ کا یہ مقام خوش بختی کی معراج ہے!

خود حضرت والا نے اپنے محبوب مرشد کے الطاف وعنایات کے سلسلہ میں میں یہ واقعہ بھی سنایا تھا کہ ایک مرتبہ وہ خانقاہ میں تشریف لے جارہے تھے، شیخ کی محفل آراستہ تھی، حکیم الامتؒ کی نظر جو سید والاؒ مرتبت پر پڑی تو بے ساختہ کھڑے ہو گئے، مرید صادق نے بڑھ کر عرض کی ''حضرت تشریف رکھیں''

تو ارشاد فرمایا:۔

''واللہ میں تعظیماً کسی کے لئے نہیں اٹھتا، میں تو فرط محبت سے کھڑا ہو گیا''

اظہار محبت اور دلنوازی کی یہ ادا سنت کے سانچے میں کیسی ڈھلی ہوئی ہے!!

ایک مرتبہ حکیم الامت نے ایک چھڑی تحفۂ محبت کے طور پر بھیجی اور اس کے ساتھ ایک رقعہ بھی جس میں خطاب اس بلیغ جملہ سے فرمایا تھا:۔

''راحت جان راحت جسم کا سامان بھیج رہا ہوں''

حضرت سیدی نے اس عطائے شیخ کو دل وجان سے قبول فرما کر جواباً عرض کیا کہ

''اس عطائے خاص سے میں نے استقامت فی العمل کی تعبیر لی!''

حضرت شیخ قدسہ سرہٗ نے جب یہ عارفانہ جواب پڑھا تو انبساط سے معمور ہو گئے اور اس کا ایک طویل جواب عطا فرمایا جو تمام تر دعاؤں سے لبریز تھا، اور دعائیں بھی ایسی پر شفقت اور والہانہ انداز کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے وغیرہ۔[1]

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۴۸۔

احباب و متعلقین کے ساتھ ہمدردانہ ومحبانہ تعلقات باقی رکھنے کی فکر

حضرت سید صاحب مولانا عبدالماجد صاحب کو مخاطب بنا کر تحریر فرماتے ہیں:

میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مختلف اجزاء اور عناصر کو جن میں کبھی کبھی تصادم بھی ہوسکتا ہے، عفو و مسامحت اور تحمل و درگذر ہی کے مسالہ سے باہم جوڑا جاسکتا ہے۔ ورنہ دارالمصنفین کا آشیانہ چند تنکوں کے سوا کیا ہے۔

غنچہ و گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل
جمع ہیں چند ورق، وہ بھی بکھرنے والے

براہ کرم آپ ان چند اوراق اور تنکوں کے مجموعے تو اپنے ترک التفات سے بکھرنے نہ دیں اور تیس برس کے تعلقات کو اس طرح ختم نہ فرمائیں، خدا جانے اب عمر فانی کے کئے سال باقی ہیں اب نئے دوست ہاتھ آنے کے دن نہیں، اور کسی نئے تجربہ کی فرصت و ہمت بھی نہیں۔ اب ہمارے اچھے یا برے جو احباب بھی ہیں ان کے ساتھ ہی گذر کرنا ہے۔ ۲۵/ اگست ۱۹۴۵ء[1]

سید صاحبؒ کا قابل رشک اعتدال وتوازن اور انصاف پسندی

حضرت سید صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"تحزب" "وتعصب للتحزب" مدارس کی طرح جماعات کا بھی پسندیدہ نہیں۔ بغضک للشئی یعمی ویصم و کذالک حبک للشیی یعمی ویصم[2]

ایک دوسرے مکتوب میں مولانا مسعود عالم ندوی کے نام تحریر فرماتے ہیں:

معارف مس دارالحرب میں سود کے مسئلہ پر جو کچھ چھپ رہا ہے وہ مولانا ظفر احمد صاحب

---

[1] مکتوبات سلیمان ص ۱۶۸ ج ۲ [2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۸۵۔

کے جواب میں ہے۔ امید ہے کہ مولانا ممدوح اس کا جواب دیں گے، جس سے شبہات کا ازالہ ہو جائے گا، مگر اس سے صاحب مقالہ کے باب میں آپ کا سوءِ ظن صحیح نہیں۔ اور ان بعض الظن اثم کی تہدید کی بناء پر ایسے فیصلہ میں احتیاط ضروری ہے، یہ مسئلہ تو ان کا نہیں یہ تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح نہیں سمجھتے تو جواب لکھیں کہ دوسروں کا بھلا ہو۔ مولانا تھانویؒ نے بھی اس خیال کے رد میں کئی رسائل لکھے ہیں، جو مطبوع وشائع ہیں، یہ حقیقت میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتویٰ کی تردید میں ہیں[1]

ایک صاحب علم نے غالباً دارالعلوم دیوبند کے لئے طنزیہ طور پر لفظ دیوبندیت استعمال کر کے کچھ اشارات وکنایات کئے تھے اس کے جواب میں حضرت سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دیوبندیت کا واضح مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا اگر مقصود شدت دینداری اور عصبیت دینی اور صورت اور سیرت میں اسلام اور مسلمانوں کی خصوصیات کا اظہار ہے تو یہ عین مطلوب ہے۔ اور اگر کچھ قبائح کی طرف اشارہ ہے تو وہ کنایات واشارات سے میری سمجھ نہیں آیا تفصیل وتشریح کی ضرورت ہے۔''

سید سلیمان ۳۰/جون ۱۹۳۷ء[2]

قدیم وجدید کی نزاع بہرحال قائم رہے گی، ہر جدید ایک دن قدیم ہو جاتا اور پھر اس سے جدید تر اس جدید نما قدیم سے برسر پیکار ہوتا ہے، یہ رفتار عالم اول سے ہے، اور شاید قیامت تک رہے۔ اپریل ۱۹۴۳ء[3]

دارالعلوم دیوبند کے لئے تائیدی کلمات اور بلند خیالات

حضرت سید صاحبؒ ''معارف'' کے شذرات میں تحریر فرماتے ہیں:

چند سال سے دیوبند کے مدرسے عالیہ کے احاطہ میں دارالحدیث کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت زیر تعمیر ہے بعض بزرگوں نے نیک نیتی سے اس نام ونمود اور

[1] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۹۶ [2] ایضاً ص ۷۲ [3] ایضاً ۱۳۸۔

نمائش کی تعمیر کو دیوبند کے روایات اور رسوم قدیم کے خلاف سمجھ کر اعتراض کیا ہے۔اس کے جواب میں ایک مطبوع رسالہ ہمارے پاس آیا ہے۔

سوال و جواب اور قال اقول سے قطع نظر کر کے سوال ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک اسلامی اسکول کے لئے کئی کئی ہزار روپیہ کی عمارت کی ضرورت ہے تو کیا سارے ہندوستان کے لئے کئی ہزار اگر عربی درسگاہ کے لئے لگ جائے تو کیا نقصان ہے، اسلام کی عمر ہندوستان میں ایک ہزار برس ہے، اس تمام عمر میں اس وسیع خطۂ ارض میں کبھی کوئی دارالحدیث قائم نہ ہوا، حالانکہ اس سے کم عرصہ میں مصر وشام وقسطنطنیہ کو کئی دارالحدیث کے قیام کا فخر حاصل ہے، اگر دیوبند کی یہ عمارت تکمیل کو پہنچ جائے تو ہندوستان کے ناصیۂ اسلام سے بدنامی کا ایک بڑا داغ مٹ جائے۔[1]

حضرت تھانویؒ کے متبعین سے حضرت سید کا حسن ظن

حضرت سید صاحبؒ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے حضرت مولانا کے متوسلین و متبعین میں جو کمی پائی وہ کمی کب اور کہاں نہ تھی؟ مشاجرات صحابہؓ اور اختلافات مشائخ و اکابر دیوبند میں کیا وہ چیز نہیں ملتی، یہ نتیجہ بدنیتی سے نہیں بلکہ خوش نیتی سے اختلاف آراء کا ہے۔[2]

---

[1] معارف مئی ۱۹۱۷ء ص ۲ [2] مکتوبات سلیمان ص ۲۱۹۔

فصل

لوگوں کے اعتراضات اور حضرت سید صاحبؒ کے جوابات

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تعجب سے استفسار اور سید صاحبؒ کا جواب

تذکرہ سلیمان کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

خود حضرت والاؒ نے سنایا کہ برسوں بعد جب مولانا ابوالکلام بھارت کے وزیر تعلیم بن چکے تھے دہلی میں کسی دعوت میں ان سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے بڑے تعجب سے پوچھا:

''مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید ہو چکے ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں؟''

حضرت والاؒ نے دونوں باتوں کا اعتراف فرمایا تو پھر مولانا نے سوال کیا، آخر تصوف میں ہوتا کیا ہے؟''

حضرت والا نے جواب دیا کہ:

''یہ بات تو کسی تفصیلی صحبت میں پوچھنے کی ہے، اس مختصر وقت میں کیا بتاؤں۔''

بات ختم ہوگئی اور پھر کسی ملاقات کی نوبت نہیں آئی، سوال تشنہ جواب ہی رہ گیا، مگر اب سائل و مسئول دونوں وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں بغیر سوال کے ہر حقیقت خود بخود شاہد ہے۔!

غرض اس واقعہ کو سنا کر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہ وہی مولانا ابوالکلام ہیں جن کے والد ماجد کلکتہ کے مشہور پیر تھے اور ان کے وصال پر لوگوں نے ان کو ان کا گدی نشین بھی کیا تھا، اگر وہاں کچھ پایا ہوتا تو آج یہ سوال کیوں کرتے، رسم و رواج نے حقیقت گم کر دی اور اس رسمی پیری مریدی کو دیکھ کر لوگ حقیقت تصوف کے، جس کا صحیح عنوان تقوی واحسان ہے منکر ہو گئے۔![1]

---

[1] تذکرۂ سلیمان ص:۱۶۹۔

مولانا گیلانیؒ کا دوستوں کی زبان میں بے تکلفانہ طنز اور حضرت سید صاحبؒ کا جواب

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالباریؒ صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا گیلانی نے مجھے لکھا ہے کہ سنا آپ نے بھی ایک دیوبندی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، میں لکھنے والا تھا کہ ہاتھ گو اب بھی دیا ہو نہ دیا ہو، مگر دل تو اس کو دس بارہ برس پہلے دے چکا تھا، پھر مجھے فخر یہ ہے کہ لوگوں نے مولانا تھانویؒ کو اپنی طرف کھینچا اور مجھے خود مولانا تھانویؒ نے بار بار اپنی طرف کھینچا[1] (بعالم رویا)

(مولانا گیلانیؒ حضرت سید صاحبؒ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے، دوستوں ہی کی زبان میں بے تکلفی کے انداز میں کسی خاص پس منظر میں مولانا نے سید صاحب کی خدمت میں یہ بات تحریر فرمادی، ورنہ بذات خود مولانا گیلانیؒ حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کے نہایت درجہ محبّ و معتقد تھے، تھانہ بھون حضرت تھانویؒ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری بھی دی ہے، اور حضرت سید صاحبؒ کے تھانہ بھون جانے اور حضرت تھانویؒ صاحب سے تعلق رکھنے پر مولانا گیلانی بڑے مسرور و مطمئن تھے جیسا کہ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے جن کو مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے اپنی کتاب حکیم الامت نقوش و تاثرات میں نقل فرمایا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا گیلانی کی رائے میں تبدیلی بعد میں آئی ہو، واللہ اعلم۔ وہ خطوط یہ ہیں۔)

مرتب

[1] تذکرۂ سلیمان، سلیمان نمبر، معارف ص:۹۴۔

حضرت تھانویؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی بابت مولانا گیلانی کے تاثرات

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک تازہ گرامی نامہ کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"حضرت تھانوی مدظلہ العالی سے تو آج کل آپ سے خوب ملاقاتیں ہوتی ہوں گی، اللہ تعالی ان کے سایہ کو ملت اسلامیہ کے سر پر دیر تک صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے اور اس وقت کے طوفان کے اکیلے ملاح کو اتنا تو وفقہ دے کہ کم از کم یہ طوفان سر سے ٹل جائے، علماء میں افسوس ہے کہ سب ادھر ہی چلے گئے، جدھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ ایک حضرت ہی ہیں جن سے اس جماعت کی آبرو باقی ہے، موقع تو کیا ملے گا، لیکن اگر مل جائے تو کسی کی صحت کی دعاء دعا سحر گاہی میں کرنے والے کا سلام پہنچا دیجئے گا، یہ سن کر افسوس ہوا کہ ہمارے مولانا سلیمان ندوی ایسے وقت جاگے جب جگانے والا خود نیند میں تھا[1]۔ خداوند تعالی حضرت کو تازہ قوت کے ساتھ پھر مسند تھانہ بھون پر جلوہ گر فرما دے۔

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا کے حسن ظن اور عنایت ومحبت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالی اس غیر واقعی خیال کو واقعی کر دے کلاً او بعضا کما قال القائل

مرا از زلفِ تو موئے پسند است ہوس را رہ مدہ بوئے پسند است

---

[1] مولانا سید سلیمان صاحب کو حضرت کی جانب التفات خصوصی اب ادھر تھوڑے دن سے پیدا ہوا تھا، مولانا گیلانی کا اشارہ اسی جانب ہے عبدالماجد۔ (حکیم الامت، نقوش وتاثرات ص:۵۳۶)

مولانا مناظر احسن گیلانی کی تھانہ بھون حاضری

مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

مضمون:- مولانا مناظر احسن صاحب کے تازہ عنایت نامہ کا ایک حصہ اس قابل نظر آیا کہ بے اختیار اس کی نقل خدمت والا میں بھیج دینے کو جی چاہا۔

جواب:- اے وقت تو خوش کہ وقت ناخوش کر دی

مضمون:- وھو ہذا۔

”دیوبند اور تھانہ بھون میں حاضری دی......تھانہ بھون کا حال کیا عرض کروں رات کو ۱۱/بجے پہنچا، ایک دوسری مسجد میں اترا، صبح بعد نماز اس پیر محبوب کے آگے آیا، جو بہ این شیخوخت اپنے ہر ہر انداز میں صرف مظہر جمال تھا، عنایتوں کا عجیب وغریب سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ بڑی بڑی مہربانیاں، بڑی بڑی سرفرازیاں رہیں، کچھ علمی وقرآنی معاملات بھی پیش پڑے۔ فرط ادب نے حافظہ خراب کر دیا، بولنا چاہتا تھا مگر نہ بولا گیا، پھر بھی بہت کچھ تو پوچھ ہی لیا۔“

مولانا نے یہ سارے الفاظ گویا میری زبان سے چھین لئے۔

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”وہ ایک بات لکھنا بھول گئے وہ سب سے زیادہ مزہ دار ہے، وہ یہ کہ میں نے ان سے چلتے وقت تعریضاً عرض کیا تھا کہ اب تو امید ہے کہ بھوت کا ڈر نکل گیا ہوگا۔ یہ اشارہ ہے ان کے اس والہانہ ارشاد کی طرف کہ جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔“ [1]

---

[1] حکیم الامت، نقوش وتاثرات، ص:۴۰۹۔

محبین و معتقدین سے حضرت سید صاحبؒ کے چند مخلصانہ کلمات

''آپ اپنی محبت سے مجھ کو سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن من آنم کہ من دانم، علماء پر فرائض کا بار عام مسلمانوں سے زیادہ ہے، اگر وہ درست نہ ہوں تو ان پر عذاب دوسروں سے زیادہ ہے، معاملہ دماغ کا نہیں، قلب سلیم اور قلم مصیب کا ہے، نفس کا نہیں روح کا ہے، میری اتنی زندگی اور بندھنوں میں گذری، اب اس زندگی کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے جو باقی ہے، علم وقوم کی خدمت بہت ہوچکی ہے، اب اپنے نفس کی خدمت بھی لازم ہے، ابھی منزل بہت دور ہے، صرف تسبیح و مراقبہ سے کچھ نہیں ملتا، جب تک دل کا تعلق دل والے سے نہ ہو، ہم تو بندوں کی ناراضی اور رضامندی میں گرفتار ہیں مالک کی رضامندی اور نارضامندی کی کس کو فکر ہے، دعا کیجئے، کہ اللہ تعالی مجھ کو صحیح راستہ پر چلائے۔''[1]

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ارشاد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا تو ان کے بہت سے غالی معتقدین کو ناگوار ہوا، اور سید صاحب سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح کی سبکی ہوئی کہ ہم نے آپ کو اپنا بڑا بنایا تھا، گویا آپ شیخ الکل تھے، اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے، اور آپ نے دوسرے کا دامن پکڑ لیا، تو اس سے ہماری خفت ہوئی اس پر ایک دن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں ایک طرف تو میرے معتقد بنتے ہیں دوسری طرف مجھ ہی پر اعتماد نہیں کرتے یعنی میں اپنا فائدہ سمجھ کر وہاں گیا تو ان کو اس سے اختلاف ہے، گویا میرے

[1] حیات سلیمان ص: ۶۸۴ تذکرہ سلیمان ص ۱۶۸۔

استاذ بن کر مجھے مشورہ دیتے ہیں، کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھ کر وہاں جاتا، میں تو اپنا فائدہ اس میں دیکھتا ہوں، اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں، گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔"[1]

جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ان سارے استفسارات واعتراضات کے جواب میں حضرت والا اکثر یہی فرماتے رہے کہ:

"وہ لوگ مجھ کو زبان سے تو فاضل اور محقق کہتے ہیں مگر درحقیقت مجھ کو بے عقل جانتے ہیں، آخر اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ ان کے خیال کے مطابق اگر میں واقعی علامہ اور محقق ہوں تو کیا بلا وجہ میں نے مولانا تھانویؒ کا دامن تھاما ہے؟ میں نے اپنے اندر کوئی کمی تو پائی جس کی تکمیل کے لئے میں وہاں گیا"۔

اس کے باوجود جب بعضوں نے گلہ کیا کہ ہم نے تو آپ کو اپنا قبلہ بنایا تھا، آپ کو کسی کے آگے جھکنے کی کیا ضرورت تھی تو صاف یہ جواب باصواب لکھ دیا کہ:

"جن کمالات کی بناء پر آپ نے مجھے قبلہ بنایا تھا ان ہی کمالات نے مجھ کو مولانا تھانویؒ کے آگے جھکا دیا میں نے اپنے انجام کی فکر کر لی اب آپ کو اختیار ہے کہ اپنا قبلہ کوئی اور تجویز کر لیں"۔[2]

---

[1] اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں۔ص:۷، معرفت حق، نومبر ۱۹۷۶ء [2] تذکرۂ سلیمان ص ۱۶۷۔

فصل

حضرت سید سلیمان ندوی رحؒ کی اپنے متعلقین و محبین کے لئے چند نصیحتیں و وصیتیں اور نصیحت آمیز جملے

حضرت سید صاحب رحؒ اپنے ایک مسترشد کو تحریر فرماتے ہیں:

(۱) آپ جارہے ہیں، میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ وصیت کرتا ہوں کہ قدم استقامت کی راہ پر رہے، اور نگاہ محارم سے بچے۔ حضرت والا حکیم الامت تھانوی رحؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف زیر مطالعہ رہیں، نماز با جماعت کا حتی الوسع اہتمام رہے مشائخ رحمہم اللہ کے طریق پر ایک تسبیح و داعی ہدیہ کے طور پر قبول کریں، اللہ تعالیٰ برکت دیں۔

(۲) ہمیشہ کے لئے یہی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے، حضرت والا حکیم الامت تھانوی رحؒ کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر بے راہ روی سے آپ کو بچائے گا اور آپ کے قلب کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھے گا۔ عراق کی سرزمین عجائبات سے لبریز ہے۔ لغزش پا کا موقع ہر رہگذر پر ہے۔

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

معاملات پر خصوصیت سے نظر رہے۔[۱]

(۳) سلف کی راہ سے سرِ مو تجاوز نہ ہو، یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش۔[۲]

(۴) میری آرزو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ یہ ہیچمداں اپنے مخصوصین و محبین کو دین کی طلب اور خدمت میں مصروف دیکھے...... مجھے معلوم نہیں آپ کے رفقاء میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں مگر میں تو ہمیشہ پوچھنے والوں کو اگر وہ نئے تعلیم

[۱] سلوک سلیمانی ج ۱ ص ۴۴۲ [۲] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۷۸۔

یافتوں میں ہیں اس میں شمول کی اجازت دیتا ہوں۔ (ص ۱۷۷)

(۵) علی گڑھ یونیورسٹی گیا تھا آپ کی جماعت کے بعض پرجوش ممبر ملے، اچھا کام کررہے ہیں، مجھ سے جو کچھ بنا میں نے بھی عرض کردیا کہ اس سے بھی ایک قدم منزل آگے ہے۔ (ص ۱۹۵)

(۶) میرا مقصود اخلاص اور شفقت کے سوا کچھ نہیں واہ واہ کا مزا بہت اٹھا چکا اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا اب تو آہ آہ کا دور ہے اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر در پیش ہے۔ (ص ۱۸۸)

(۷) اگر حسن نیت اور اخلاص ہے تو سارے ضابطے غیر ضروری، اور اگر نہیں تو کوئی ضابطہ اس کو درست نہیں کرسکتا۔ (ص ۱۱۳)

(۸) اشخاص کے تصادم سے مجلس (دینی) کو کیوں نقصان پہنچے، میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے اور ہے کہ مختلف اجزاء اور عناصر کو جن میں کبھی کبھی تصادم بھی ہوسکتا ہے، عفوو مساحت اور تحمل ودرگذر ہی کے مسالہ سے باہم جوڑا جاسکتا ہے۔[1]

(۹) جب پہلے گھر میں جھاڑو دی جاتی ہے تو گردو غبار اڑتے ہی ہیں، اس کے لئے کوئی گھر چھوڑ کر باہر تھوڑے ہی نکل جاتا ہے، غلط فہمیاں ہیں، سوء تفاہم ہے، ہم سب ناقص ہیں اور ہم سب عیوب سے لبریز ہیں، عصمت ذات واحد ہی کے لئے ہے، ہم کو اپنے انہیں بشری صفات اور خصوصیات کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے دن گزارنے ہیں۔[2]

(۱۰) عزیز من! واقعات پر جذبات کی عینک لگا کر نظر نہ ڈالئے۔ (ص ۱۴۵)

(۱۱) مجرم کے ساتھ ہمدردی محض افلاس وغربت کی بنا پر کرنا کہاں تک جائز ہے؟[3]

(۱۲) باطل کی تھوڑی سی رواداری بھی ضرر سے خالی نہیں۔ (ص ۱۸۳)

(۱۳) مداہنت ناجائز ہے، مگر مہاونت جائز ہے۔

---

[1] مکتوبات سلیمان ج ۲ ص ۱۶۸ [2] ایضاً ص ۱۶۹ مکاتیب سید سلیمان ص ۱۵۱۔

ہندوؤں کے خوش کرنے کے لئے اسلامی نظریات سے اعراض کفر ہے، لیکن ہندوؤں کے ساتھ انصاف برتنا اور وطن کے مختلف عناصر میں صلح ومعاہدہ خلاف شرع نہیں، اور نہ بحکم شرع ان سے حسن مفاہمت اور حسن مجاورت ومجاملت ممنوع ہے۔ (ص ۱۸۵)

(۱۴) اگلوں کے معائب ٹٹولنے سے کوئی فائدہ نہیں اس زمانے کے مسلمانوں کے عیوب کھولئے اور اصلاح کیجئے،

بلکہ تاریخ کے گذشتہ دفتر کھنگالنے سے آج کوئی فائدہ نہیں۔ **رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْ**۔ (۱۹۳)

(۱۵) آپ حضرات کے مشورے بسر وچشم قبول مگر جہاں عیوب اور خرابیاں بتائیں اصلاحات کی نوعیت سے بھی آگاہ کریں، صرف خرابیوں کے اظہار سے فائدہ نہیں۔ (۱۹۳)

(۱۶) شدت اور غرور جب کسی چیز میں پیدا ہو جاتا ہے تو رائے کا توازن قائم نہیں رہتا،

(۱۷) ارباب ادعا سے میں ڈرتا بہت ہوں اور متحذر رہتا ہوں کہ کوئی نیا فرقہ کسی نئی امامت کے دعویٰ کے ساتھ نہ کھڑا ہو جائے۔ (۱۹۸)

(۱۸) مسائل میں تفریط جس طرح مذموم ہے، افراط بھی اسی طرح قبیح ہے، **ایاکم والغلو فی الدین ، وفی الکتاب لاتغلو افی دینکم**۔ (ص ۱۸۲)

(۱۹) میں نے بالفعل اخبارات اور ریڈیو سب چھوڑ دیا ہے کہ دل کی طمانیت کا فقدان قلت خواب کا باعث بن جاتا ہے۔ (ص ۲۰۷)

اب اخبارات میں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور حالات کے بدلنے پر قدرت نہیں اس لئے دل ودماغ کی سلامتی بالفعل بے خبری ہی میں نظر آتی ہے دعا پر اکتفا کرتا ہوں۔ (۲۰۸)

(۲۰) اب تو جو ہندی نہ پڑھے گا روئے گا۔ (مکتوبات سلیمان ص ۱۹۹)

حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ سے متعلق

سید صاحب کی ہدایات

سلوک سلیمانی کے مرتب جناب پروفیسر محمد اشرف خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

نگاہ سلیمانیؒ میں ان کی (حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ کی) اتنی قدر وقیمت تھی کہ میری پہلی حاضری کے وقت استفسار فرمایا:

"آپ نے مولانا تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ پڑھے ہیں؟۔ راقم نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا:

"ملفوظات ومواعظ پڑھئے، وہاں ہر چیز اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے"

متعلقین ومنتسبین کو بکثرت ان کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے ایک صاحب سے جنہیں فقیر کے سامنے راولپنڈی میں بیعت فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا کم ازکم ساٹھ یا ستر مواعظ مطالعہ فرمالیجئے۔

اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کے مکتوبات کے بعض اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، جن سے ان مواعظ وملفوظات کی اہمیت ظاہر ہوگی، شاید اس سے کسی طالب حق کو فائدہ پہنچے،

(۱) "مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ ضرور کیا کریں، بیحد منافع اور علم صحیح اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے اور تمیز حق وباطل عطا ہوگی۔"

(۲) "ان کتابوں (ملفوظات ومواعظ اور انفاس عیسیٰ) کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ انشاءاللہ تعالیٰ مفید عمل، محرک عمل اور مثمر برکات ہوگا"۔

(۳) "اگر آپ حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھا کریں تو اس سے سب مرحلے طے ہوں گے"

(۴) "اگر کسی زندہ کی صحبت حاصل نہ ہوسکے تو حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور ملفوظات دیکھا کریں، اور بری صحبت سے پرہیز کریں انشاءاللہ تعالیٰ صحبت کے فوائد حصل ہوں گے"

(۵) ''اگر آپ دین کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہیں تو حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات مطالعہ فرمائیں۔اس کام میں مجھ سے جو امداد ہوسکے گی انشاءاللہ وہ ضرور ہوگی۔ بے جان نماز میں جان پڑ جائے گی انشاءاللہ پہلے آپ ان کتابوں کے مطالعہ سے دین کا صحیح فہم پیدا کریں۔''

(۶) ''آپ مواعظ اور ملفوظات تو ضرور ہی پڑھیں اور کوشش کر کے پڑھیں ہمت اور کوشش کے بغیر دین کی راہ بھی طے نہیں ہوسکتی''۔

(۷) ''اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، ملفوظات اور مواعظ سے جو ملے اس کو مطالعہ کریں، کم ازکم چالیس پچاس وعظ پڑھ لیں۔''

(۸) ''آپ حضرت تھانویؒ کی کتابوں میں سے پہلے قصد السبیل، پھر تعلیم الدین پڑھئے۔اور حضرت کے جس قدر مواعظ وملفوظات مل سکیں، مطالعہ کرتے رہیں۔''

(۹) ''حضرت مولانا تھانویؒ کے مواعظ کم ازکم ایک سو پڑھیں، اس کے بعد استفسار مزید فرمائیں، تعلیم الدین کو بار بار مطالعہ کی خاطر نہیں، بلکہ عمل کی نیت سے پڑھیں اور عمل پر دھیان دیں''۔

(۱۰) ''آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو دیکھا کریں اپنے عیوب ونقائص کا پتہ چل جائے گا۔اور ان کا علاج بھی معلوم ہوگا،

انفاس عیسیٰ............مطالعہ میں رکھئے بڑی عجیب کتاب ہے۔''

(۱۱) ''جی ہاں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات وتالیفات کے مطالعہ سے نئی قوت پیدا ہوگی، دس پندرہ منٹ بھی غنیمت ہیں۔''

(۱۲) ''آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ومواعظ پڑھا کریں یہ خود قائم مقام صحبت ہیں''۔

(۱۳) ''خوشی ہوئی کہ قصد السبیل کو آپ نے پڑھ لیا، اور مواعظ کا مطالعہ کر رہے ہیں

مواعظ وملفوظات کا مطالعہ مثمرِ برکات اور باعث ترقیات ہے۔"

(۱۴) "ہمارے حضرتؒ (حکیم الامت حضرت تھانویؒ) کی تصانیف میں سے جس قدر مواعظ وملفوظات ملیں مطالعہ کیجئے، ان میں سے التکشف اور شرح دیوان حافظ پڑھئے"۔

(۱۵) "حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ رکھیں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ کشف حجابات ہوگا، اور سلوک کی سیدھی راہ معلوم ہوگی، اور استقامت میں بڑی مدد ملے گی"۔

(٦١) "حضرت تھانویؒ کے مواعظ ورسائل کا مطالعہ اکسیر ہے۔"

(۱۷) "مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں یہی ہمارے یہاں طریقۂ فیض ہے۔"

(۱۸) "مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی مداومت ہر مرض کے لئے اکسیر ہے۔ اور روحانی ترقی کی کامیاب تدبیر ہے۔

(۱۹) وہاں (یعنی بصرہ) جانا مبارک ہو۔ خدا کرے کہ دنیا کے ساتھ دین کا بھی فائدہ ہو، اس کے لئے بہتر ہے کہ حضرت والاؒ کے کچھ مواعظ ورسائل ساتھ لیتے جائیں اور مطالعہ میں رکھیں"۔

(۲۰) انفاس عیسیٰ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ ہمارے مطب کا قرابادین ہے"۔ اور اس ناکارہ سے تو آخر میں فرمایا تھا:

"کہ اسے دیکھ کر اپنا علاج کیا کریں"۔

"یہ چند اقتباسات اسی محتاط قلم کے ہیں جس کی علمی دیانت مسلمہ ہے۔ ان سے مواعظ وملفوظات اشرفی کی افادیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ مواعظ وملفوظات طرز ادا کی خوبی تاثیر ودلپذیری کے لحاظ سے نئے طبقہ کے لئے بھی اتنے ہی نافع ہیں جتنے پرانے طبقے کے لئے، اللہ تعالیٰ امت کو ان سے استفادہ کی پوری توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از سلوک سلیمانی ج اول ص ۴۴۷)

فصل

تصوف سے متعلق حضرت سید صاحبؒ کے افکار و خیالات

علامہ سید سلیمانؒ کے نزدیک تصوف کی تعریف

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقی تصوف جس کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ:

اس کا نام احسان ہے جیسا کہ صحیح حدیث مس آیا ہے، وہ تو درحقیقت مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔

حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے، روح دین اور جان ایمان ہے، یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیہ قلب اور علم حصول تقویٰ کا نام ہے''

علم سلوک وتصوف روح شریعت کا نام ہے، جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے، احکام الٰہی کی باخلاص تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے۔ اسلامی تصوف کا ماخذ قرآن وحدیث ہے۔[1]

نیز تحریر فرماتے ہیں:

''فن احسان وسلوک جس کا مشہور نام تصوف ہے''

''تصوف کا صحیح عنوان تقویٰ واحسان ہے''[2]

''سلوک اور فقر وتصوف جو درحقیقت اعلیٰ دین اور اعلیٰ اخلاق کا اصطلاحی نام تھا''[3]

اصل شئے اخلاص فی الدین ہے طلب رضا، حصول قرب اور اعمال واخلاق قلب ومقامات ہیں، جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے۔[4]

---

[1] سلوک سلیمانی بحوالہ معارف ص ۶۳ و ۶۴ ج ۱ [2] تذکرہ سلیمان ص ۱۶۹۔
[3] مقدمہ تجدید دین کامل ص ۳۰ [4] حکیم الامت کے آثار علمیہ۔

یہ لفظ بدعت ہے، اور باہر سے آیا ہے مگر اس کی حقیقت بدعت نہیں ہے قرآن پاک کی اصطلاح میں اس کو اخلاص کہئے اور حدیث کی رو سے اس کو احسان کا نام دیجئے، اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہئے، **ولا مشاحة فی الا اصطلاح**۔[1]

ابھی اتفاق سے مجموعہ احادیث نجدیہ نظر سے گذرا جس میں امام ابن حنبل کی "**کتاب الصلوۃ**" اور ابن قیم کی **الوابل الصیب فی الکلم الطیب** دو کتابیں بھی ہیں۔ ان دو بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ تصوف حقیقی سے کچھ اور مراد نہیں۔ اگر کچھ رموز واشارات ان کی تائید میں کسی نے کہہ دیئے ہیں تو وہ حواشی ہیں، باقی شرکیات وبدعیات، تو ان کا ذکر ہی کیا۔ لیکن جس طرح مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام پر آج حکم نہیں لگایا جاسکتا، ایسے ہی بازاری دکان دار رنگے ہوئے صوفیوں کو دیکھ کر تصوف کو بدنام نہ کیجئے۔[2]

سلوک کے متعلق آپ نے بدعت وسنت کی جو بحث نکالی ہے یہ محض خشک مزاج اہل حدیث کا شیوہ ہے۔ آپ ابن قیم مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولوی سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید وغیرہ کو کیا کہیں گے؟ کیا وہ بھی متبعین بدعت میں تھے، صرط مستقیم ہی کو غور سے پڑھ لیجئے۔[3]

چکھے بغیر آم کا ذائقہ بیان نہیں کیا جاسکتا

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

تصوف پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بعض مضامین میں اشارے ضرور ملتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تصوف پر لکھنے کا جب

---

[1] معارف اپریل ۱۹۴۲ء [2] مکاتیب سلیمان ص ۱۶۶ [3] حوالہ مذکور ص ۱۵۰۔

وقت آیا تو تصنیف وتالیف سے ان کی طبیعت بھر چکی تھی، علاوہ ازیں جو کیفیت ان پر طاری ہوگئی تھی اس کا زبان قلم پر بھی لانا آسان نہ تھا، اس لئے خاموشی کو ہمراز بنا کر انہوں نے تصوف پر اظہار خیال سے گریز کیا، میں نے ایک بار تصوف میں اپنی دلچسپی اور اس پر کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا!

"کیا آم کو چکھے بغیر اس کا ذائقہ بیان کیا جا سکتا ہے"[1]

فن تصوف سے متعلق چند سوالات اور حضرت سید صاحبؒ کے جوابات

سوال۔ محترمی جناب سید صاحب مدفیوضہ'

السلام علیکم

جب سے آپ کی ذات گرامی سے غائبانہ تعارف ہوا ہے اسی وقت سے یہ شوق دامنگیر رہا ہے کہ خط وکتابت ہی کے ذریعہ آپ سے کچھ استفادہ کیا جائے،

اپنے دینی شعور کی ابتداء ہی سے میں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ میں کتاب وسنت ہی کو معیار حق اور دلیلِ راہ بنایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ فقہی مسائل میں مسلمانوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہوں، اور ان مسائل میں اہل ظاہر اور اصحاب رائے کے بین بین کی راہ یعنی "فقہاء محدثین" یا اصحاب حدیث کے مسلک کی ترجیح کا قائل ہوں، لیکن جو اختلاف محدثین اور صوفیائے کرام میں پایا جاتا ہے، اس کی حقیقت کے سمجھنے میں ابھی تک پریشان ہوں، اور اس الجھن سے نکلنے کے لئے سیرت نگار رسول ہی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے، اور وہ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ

[1] حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی علمی ودینی خدمات پر ایک نظر ص ۱۳۲۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کے حالات وکیفیات کے بیان کرنے میں محدثین عظام اور صوفیائے کرام میں کس کی ترجمانی زیادہ صحیح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے اس شعبہ کے علم وعمل کے جاننے میں کون سا گروہ حقیقت کے زیادہ قریب پہنچ سکا ہے، اور ان میں سے کس جماعت کا راستہ حق کا راستہ ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ ہی افراط وتفریط سے نہیں بچ سکے، تو اہل حق کون ہیں؟ اصحاب اقتصاد کا طریق کیا ہے اور اس مسلک کے ائمہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسی سوال سے متعلق چند ایک سوالات جنہیں نمبر وار درج کرتا ہوں:

۱۔ الاحسان (الا حسان اَن تعبداللہ کا نک تراہ الحدیث) کی غایت کیا ہے؟

۲۔ کتاب اللہ کی تعلیم اور اسوہ حسنہ رسول اللہ میں الاحسان کے حصول کا طریق کیا ہے؟

۳۔ کیا الا حسان کے حصول کے لئے بیعت کرنا لازم ہے اور اس کے بغیر الاحسان کا حصول ممکن نہیں؟

۴۔ زمانہ نزولِ قرآن کی عربی زبان قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ میں بیعت کا مفہوم کیا ہے،؟ عہد جاہلیت میں اس کی غرض وغایت کیا تھی، اور پھر اسلام میں کیا ہوئی؟

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد صحابہ سے الگ الگ مختلف اوقات میں جو بیعت لی، اس کا اقرار اور غرض وغایت کیا تھی؟ اور جو پوری جماعت صحابہ سے مختلف اوقات میں لی اس کے اقرار کے الفاظ اور غرض وغایت کیا تھی؟ کتب حدیث میں ان کے نام اور اقرار کے جو الفاظ ہیں وہ کیا ہیں؟ عہد خلفائے راشدین میں اس انفرادی اور جماعتی بیعت کا کیا حال رہا؟

۶۔ صوفیائے کرام جو بیعت لیتے ہیں، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ کیا اس کی نظیر سنت میں ملتی ہے اور کیا یہ عہد رسالت میں عہد خلافت راشدہ سے ہی رائج چلی آتی ہے؟ رسالت کے بعد کے دوروں میں اس کی کیا حالت رہی؟

سیدؒ صاحب کے جوابات[1]

مکرم زادکم اللہ علماء عملاً

السلام علیکم

آپ کا خط پاکر مجھے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ایک مدت کے بعد مجھے ایسے کسی خوش خیال نوجوان سے مکاتبت کا اتفاق ہوا، آپ جس راہ پر ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس راہ اور رائے کے مطابق آپ کو عقیدہ اور عمل کی سعادت بھی حاصل ہو، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، بحمد اللہ کہ آپ نے فقہاء اور محدثین کے درمیان تطبیق کی راہ پالی ہے، تو اب محدثین اور صوفیہ کے درمیان راہ پانا بھی مشکل نہ ہوگا۔

بکثرت محدثین صوفیہ گذرے ہیں

محدثین میں بھی صوفیہ گذرے ہیں، امام ابن حنبل، عبداللہ بن مبارک، امام بخاری و مسلم، ترمذی سب ہی صوفی حقیقی تھے، اور اصطلاحاً محدثین میں امام قشیری صاحب رسالہ قشیریہ، ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی طریق قادریہ کے بانی حنبلی المشرب اور ٹھیٹھ محدث تھے، ان کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے، اور آپ پڑھ سکتے ہیں، حافظ ابن قیم کی صوفیت پر ان کی کتاب ''منازل السائرین'' و ''مدارج السالکین'' گواہ ہے، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں، ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کر سکتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ، اور ان کے اخلاف صدق محدثین دہلی بھی صوفی تھے، اور ان کی تصانیف موجود ہیں۔[2]

---

[1] عناوین مرتب کے قائم کردہ ہیں۔

[2] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

جن صوفیاء نے اس فن (حدیث) کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی مثلاً (باقی اگلے صفحہ میں)

مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سلوک کو ''صراط مستقیم'' نام کتاب میں مرتب کیا ہے جو طبع ہو کر بار بار شائع ہوئی ہے، اس کو بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔

فن حدیث کا تقاضا اور محدثین کا اصل وظیفہ

لیکن بات یہ ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ پر بحیثیت محدث ہونے کے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات وکمالات کے جاننے اور دوسروں کو سنانے کا فرض عائد ہے یعنی ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ بتائیں کہ ان حالات وکمالات کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں، کیونکہ یہ بھی ایک فن ہو گیا ہے، جس طرح فقہ اور کلام اور فرائض وتفسیر وحدیث ایک ایک مستقل فن ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحیں ہیں، اس کی عملی ونظری مشکلات ہیں جن کے سمجھانے کے لئے فقہاء

حضرت امام ابو اسماعیل الانصاری الہروی المتوفی ۴۸۱ھ صاحب منازل السائرین صوفیہ میں بھی ہیں اور محدث بھی ہیں، ان کی تالیف ''منازل السائرین'' تصوف کی مشہور تالیف ہے جس کی حافظ ابن القیم نے نہایت مبسوط شرح مدارج السالکین کے نام سے لکھی ہے، اسی طرح امام مسلم کے تلمیذ ابو احمد الجودی وغیرہ سارے ہی صوفیہ زاہدین میں سے ہیں، حضرت شیخ عبداللہ البطائحی سے خرقۂ تصوف حاصل کیا جو حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی کے لوگوں میں ہیں، اور یونینی مشہور حافظ حدیث بھی ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں مستقل طور پر ان کا ذکر کیا ہے (۲۲۳/۴) اسی طرح عبدالرحمٰن بن محمد الداودی المتوفی ۴۶۷ھ مشہور صوفی ہیں حافظ سمعانی الانساب میں فرماتے ہیں کہ لہ قدم راسخۃ فی التصوف اور یہ بخاری شریف کے رواۃ میں ہیں، علامہ ابن دقیق العید اور ابن ہمام وغیرہ ہما کا صوفی ہونا تو اظہر من الشمس ہے اور الحمد للہ ہمارے مشائخ سلسلہ ولی اللہی تو اکثر ہی صوفی ہیں اور پھر ساتھ ہی حدیث کے امام، ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ اعلم۔

(نوادر الحدیث ص ۱۳۹)

مفسرین، محدثین، اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح فن سلوک کے لئے سالکین کاملین کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس فن کی علمی و عملی دقتوں کو رفع کریں۔

شجرہ اور سلسلہ کی حقیقت

یہ فن نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لئے ایسے کاملین کی ضرورت ہے جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوہ نبوی ہوں، جو اپنے اعمال، آداب، اخلاق، عادات اور اتباعِ اوامر ونواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوں، جن کی صحبت میں پرتو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلۂ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت تک منتہی ہو، جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے، جس طرح فن روایت میں اس کا نام سلسلہ ہے۔

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ

''علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے، یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا فیض صحبتِ نبوی کی تاثیر کا نتیجہ تھا، ان کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اٹھے، اور تابعین کے فیض صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہوا، یہ تین دور ایسے ہیں جن میں پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہے، مگر ہر دور میں جماعت کم اور کیف یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فتنوں کا ظہور ہوا تو تعداد اور بھی کم ہوگئی۔

پیری مریدی کی اصطلاح

اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اب اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاص استعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری و مریدی رکھ دیا ہے، ورنہ قدماء اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو

صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے، جیسے امام محمد اور قاضی ابو یوسف کو صاحبِ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں، اسی طرح حضرت شبلی وجنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے جسے یوں کہتے تھے کہ فلاں شخص نے شبلی کی صحبت اٹھائی ہے، یا جنید کی صحبت اٹھائی ہے۔

رسمِ بیعت کی اصل اور اس کا مقصد وفائدہ

یہ رسمی بیعت جو ایک مدت سے رواج پذیر ہے، یہ محض رسم وعرف ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ پیر ومرید کا باہمی معاہدہ ہے کہ پیر اپنے علم کے مطابق تعلیم وتربیت اور خیرخواہی میں کمی نہ کرے گا، اور مرید اس کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے گا۔

اور اس کی اصل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر بیعت لیتے تھے[1] تاکہ جن سے بیعت لی جائے ان میں اس معاہدہ کی اہمیت ہو اور وہ اس کی تعمیل میں پوری ہمت صرف کریں، اور ان کو یہ خیال رہے کہ میں نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے، اس کے خلاف کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو، اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، اس

[1] عن عوف بن مالک الأشجعی قال: کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسعة أو ثمانیة أو سبعة فقال: ألا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنا حدیث عهد ببیعة فقلنا: قد بایعناک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ألا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا: قد بایعناک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ثم قال: ألا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: فبسطنا أیدینا وقلنا: قدبایعناک یارسول اللہ فعلامہ نبایعک قال أن تعبدو اللہ ولا تشرکوا به شیئا والصلوات الخمس وتطیعو اللہ وأسرّ کلمة خفیة ولا تسئا لوا الناس شیئا فلقد رأیت کان بعض أولٰئک النفر یسقط سوط أحدهم فما یسئال أحداً ینا وله ایاہ (مسلم شریف باب النهی عن المسئله ج ۱ ص ۳۳۴)

سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے اور یہی عقیدت اور محبت اس کے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے امور کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے، یہی اس بیعت کا حاصل ہے۔

یہ کام شیخ کا ہے فقیہ و محدث کا نہیں

شیخ اپنے سلسلہ کے ارادت مندوں کو امور خیر کی تعلیم دیتا ہے، ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے، ان کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے اور سالک کی ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے، مثلاً غرور بری چیز ہے، اور یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے، اور غرور کہتے کس کو ہیں اور اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے، اور آیا ہمارا فلاں کام غرور کی حد میں داخل ہے کہ نہیں؟ اس کا جواب نہ خالص محدث دے سکتا ہے اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کرسکتا ہے، نہ مفسر بتا سکتا ہے، اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کرسکتا ہے، اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے، وہ شیخ طریقت ہے جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو فقیہ بھی ہو مفسر بھی ہو یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے، نہ ہو تو حرج نہیں مگر متبع ضرور ہو، جس نے اپنے بزرگوں سے ان کو سیکھا اور جانا ہے، یا اس نے خود کتاب وسنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے اور عمل کر کے اس رتبہ پر پہنچا ہے کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک وصاف ہو گیا ہے، اور دوسروں کو بھی اپنی تعلیم وصحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے۔☆

تزکیہ و تصوف کی اصل کتاب اللہ اور عمل نبوی سے ثابت ہے خانقاہوں کا وجود کیسے ہو گیا؟

اسی تقریر کو ایک اور نہج سے ذہن نشین کرتا ہوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں دو صفتیں تھیں۔ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (یعنی آپ لوگوں کو

☆ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت سید صاحب تحریر فرماتے ہیں:
فضائل اعمال کے اکتساب کا سبق محدثین سے نہ لیں، محبین سے لیں۔ (سلوک سلیمانی ص ۲۸۱ ج ۲)

کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی تعلیم دیتے ہیں) وَیُزَکِّیْھِمْ (یعنی آپ لوگوں کو عملاً پاک وصاف بنادیتے ہیں، ان کے رذائل کو دور کر کے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہیں)

ذات پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ دونوں صفتیں یکجا تھیں صحابہ میں بھی عموماً یہ دونوں صفتیں یکجا رہیں، تابعین میں کچھ کمی رہی، تاہم ان میں بھی خاصی یکجائی رہی، تبع تابعین میں آکر یہ یکجائی ایک محدود حلقہ میں رہ گئی ، اس کے بعد سے یہ یکجائی صرف اشخاص سے ہونے لگی، ورنہ عام طور پر حال یہ ہوگیا کہ **یعلمھم** یعنی زبانی تعلیم کی صفت تو علماء اور فقہاء نے اختیار کر لی اور **یزکیھم** یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنالیا، پہلی چیز مدرسے میں چلی گئی اور دوسری خانقاہوں میں، مگر ہر دور میں بحمد اللہ تعالیٰ ایسے کاملین ضرور ہوتے گئے ، جو ان دونوں صفتوں کے جامع اور حامل تھے ، اور وہی درحقیقت وارث نبوت تھے مثلاً ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان ان دونوں کا جامع تھا، ان کے جانشیوں میں بھی جامعیت تھی۔

آج کل یہ ہوگیا ہے کہ **یعلمھم** یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علماء کا شغل ہے اور **یزکیھم** یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں یکجا ہوں۔

ہمارے اس بیان میں صوفیہ سے مقصود رسمی صوفی نہیں جو درحقیقت دکاندار ہیں ، بلکہ وہ متبعین سنت مراد ہیں جنہوں نے علماً وعملاً اس راہ کا کمال حاصل کیا ہے، اور منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔

تصوف اور صوفی کی اصطلاح کہاں سے آ گئی؟

صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی بعض لوگوں کو بھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے، جو لفظی بدعت ہے، جس طرح تفسیر اور مفسر، حدیث اور محدث، فقہ وفقیہ کی اصطلاحیں ان کے خاص جدید معنوں میں صحابہ کے عہد میں مروج نہ تھیں ، یہ لفظ اس

زمانہ میں اگرچہ بولے گئے ہیں، اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہیں، مگران کے اصطلاحی معنی ان سے مختلف ہیں۔

یہ لفظ بدعت اور نیا ہے لیکن اس کی حقیقت بدعت نہیں

یہی حال تصوف اور صوفی کا ہے، خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو، پشمینہ پوشی سے جوزہد کی علامت تھی، یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیا سونی سے آیا ہو، لفظ کی بحث نہیں تاہم یہ لفظ بدعت ہے، اور باہر سے آیا ہے مگراس کی حقیقت بدعت نہیں ہے قرآن پاک کی اصطلاح میں اس کو اخلاص کہئے اور حدیث کی رو سے اس کو احسان کا نام دیجئے، اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہئے، **ولا مشاحة فی الاصطلاح**۔

تصوف کی جدید اصطلاحات سے دھوکہ نہیں ہونا چاہئے

یہ امر بے شبہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون میں غیر جگہوں سے چیزیں آکر شامل ہوئی ہیں، مثلاً فقہ کے لئے اصول فقہ تیار ہوگیا، اور قیاس نے ایک فنی صورت اختیار کرلی، علم کلام وعقائد میں فلسفہ داخل ہوگیا، اور منطقی وفلسفی دلائل وحجج وبراہین کا شیوع ہوا، اسی طرح اس علم احسان واخلاص میں بھی بعض باتیں باہر سے آگئی ہیں، جن کو خواہ تدابیر کے درجہ میں لاکر مان لیا جائے، یا ان سے بھی احتیاطاً پرہیز برتا جائے دونوں پہلو ہوسکتے ہیں، مگراس سے اصل فن پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا، اس فن کی جو اصطلاحیں نئی ہیں وہ افہام وتفہیم کی سہولت کی خاطر اختیار کی گئی ہیں ان سے بھڑکنا حماقت ہے، جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے تو اصطلاحات سے چارہ نہیں ہوسکتا۔

فن تصوف کے اہم مسائل

اب اس فن کے مسائل پر آیئے، مسائل اولین یہ ہیں:

رذائل کیا کیا ہیں، ان رذائل کی حقیقت از روئے قرآن وحدیث کیا ہے، اور ان رذائل کی بیخ کنی کیوں کر ہو، ان کے بالمقابل فضائل کیا ہیں، ان کے حقیقت کیا ہے، اوران کے حصول کی تدابیر کیا ہیں، ہم غیبت سے کیوں کر بچیں، ریا سے کیوں کر محفوظ رہیں، جھوٹ بولنا کیوں کر ہم سے چھوٹ جائے، اوراس کے بالمقابل صدق مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو، توکل، صبر وشکر، استقامت کیسے حاصل ہو، ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے، اوراللہ تعالیٰ کی محبت اس میں کیسے بیٹھے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا (خدا کی طرف سب سے کٹ جا) اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (ایسے لوگ جن کو بیع وفروخت وغیرہ دنیا کے اشغال خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے) یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہواوران فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے، نماز میں قنوت یعنی خوف وخشوع کیوں کر پیدا ہو، اکل حلال کیا ہے، تقویٰ کیسے ہو، ایمان باللہ تعالیٰ کیوں کر قوی ہو، دوام ذکر کیسے حاصل ہو وغیرہ۔

اس فن کے ماہرین اب بھی ہیں گو کم ہیں

یہاں تک تو میں نے نفس فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے، اوران غلطیوں کو دور کرنا چاہا ہے جواس کے متعلق عام لوگوں میں شائع ہیں، اب آپ کا سوال یہ ہے کہ اب یہ کہاں ہے، سواس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر علم وعمل کے ماہر عہد بعہد کم ہوتے جارہے ہیں، اسی طرح اس کے بھی بہت کم ہیں، علمائے غزنویہ امرتسر کی تعریف میں نے بھی سنی ہے، جو محدث اور صوفی ایک ساتھ تھے، پہلے علمائے اہل حدیث میں بھی ایسے

لوگ تھے، اور اب بھی ہوں گے میرے علم میں سیالکوٹ کے مولانا ابراہیم صاحب کو ضرور ان امور سے مناسبت ہے، گو مدت سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی، علمائے احناف میں بھی بحمد للہ لوگ ہیں۔ سید سلیمان[1]

حضرت سید صاحبؒ کا مکتوب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام

لفظ تصوف و احسان

عزیز مکرم زادکم اللہ سعداً و مجداً فی الدنیا و الآخرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بڑی خوشی ہوئی کہ بات کی تہہ تک آپ پہنچ گئے زادکم اللہ تعالیٰ علما و معرفۃ لفظ تصوف کا احسان کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے حکمت کے ساتھ لفظ فلسفہ بول دیا جائے، یا آج کل سائنس یا فلاسفی کہہ دیا جائے، بزرگوں نے لفظ احسان کو ان معنوں میں رکھا ہے، اور ٹھیک ہے کہ اس کا ورود حدیثوں میں ہے، لیکن اب تو مجھے اس کے لئے تقویٰ اور اتقاء کی اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کا ورود قرآن پاک میں بکثرت ہے اور عبادات بلکہ تمام مامورات الٰہی کا مقصود اسی کیفیت کا حصول معلوم ہوتا ہے۔[2] ولا یخفی ذالک علیٰ من یتتبع کتاب اللہ،

---

[1] معارف ۴ ج ۵۳ اپریل ۱۹۴۴ء

[2] حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے:

حضرتؒ سے سوال کیا گیا کیا تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا: کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اتقوا اللّٰہ حق تقاتہٖ کہ اللہ سے ڈرو۔ (تقویٰ اختیار کرو) اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔......

(باقی اگلے صفحہ پر)

یـاایُّھَا النَّاسُ ا عْبُدُوْاربَّکُمُ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْن ۲ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ حج وقربانی:،وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْویٰ مِنْکُمْ تعظیم شعائر:وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبَ،آغاز کتاب:هُدًی لِّلْمُتَّقِیْن وغیرہ۔

تصوف کی ضرورت کیوں پیش آئی

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ حصول تقویٰ ،حقیقت تقویٰ ،شرائط تقویٰ، طریق حصول تقویٰ،ازالۂ موانع تقویٰ، تقویٰ فی الایمان باللہ و أسمائہٖ و صفاتہٖ و أنبیائہٖ و کتبہٖ وملائکتہٖ والیوم الآخر اور تقویٰ فی العبادات والمعاملات والأ خلاق و کیفیات القلوب التی ھی الإخلاص فی الدین کوبھی عقائدوفقہ کی طرح مدون کردیاجائے ،چنانچہ محدثین وصلحائے امت نے یہی کیا ہے۔امام ترمذی کی کتاب الزھد والرقاق پڑھیں۔امام احمد کی کتاب الزھد اگر نہ مل سکے تو کتاب الصلوٰۃ پڑھی جائے ،تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ)اس کی تفسیر کے لئے دوسری آیت فاتقو اللہ مااستطعتم نازل ہوئی یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھوفی الفور تحصیل درجہ کمال مامور بہ نہیں۔ (بصائر حکیم الامت ص ۶۰۵)

نیز حضرت تھانویؒ ارشادفرماتے ہیں:

یہ جزایسا ضروری ہے کہ قرآن شریف میں اس کی تحصیل کا جا بجا امر ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یاَایُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو ااتَّقُوْ اللّٰهِ حَقَّ تُقَاتِهٖ یعنی اے ایمان والوں حق تعالیٰ سے ڈروجیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔

”اس میں تکمیل تقویٰ کا امر ہے،یہی تصوف کا حاصل ہے،اورمشاہدہ ہے کہ ایسا ڈرنا سوائے صوفیہ کرام اہل اللہ کے کسی کوبھی نصیب نہیں ہے۔ان کی بات بات میں خشیت ہوتی ہے، بیباکی اورآزادی کہیں نام کوبھی نہیں ہوتی۔

(الکمال فی الدین ص ۱۲۰)

سورہ واقعہ پڑھئے، اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کے نام لئے ہیں، وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلاثَةً۔ اس کی تفسیر آگے ہے اول مقربین، اُولٰئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُوْن دوم اَصْحَابُ الْيَمِيْن اور سوم، اَصْحَابُ الشِّمَالُ ۔ تیسرا گروہ اہل نار کا ہے، دوسرا گروہ عامۂ مسلمین کا اور پہلا خواص امت کا۔ فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْن فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةَ نَعِيْم وَاَمَّااِنْ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْن فَسَلامٌ لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْن ، وَاَمَّااِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّالِّيْن فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْم وَتَصْلِيَةُ جَحِيْم.

ولایت عامہ وولایت خاصہ

اہل فن عام مسلمانوں کی کیفیت کو ولایت عامہ اور مقربین کی ولایت کو ولایت خاصہ کہتے ہیں، ولایت عامہ جو وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْن (آل عمران) کا منشا ہے، ہر مسلمان کو حاصل ہے اور اس کا مفاد نجاة من النار اور دخول فی الجنة ولو بعد برهة من العذاب ہے۔

اور ولایت خاصہ جو وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْن (جاثیہ) کا منشا ہے، وہ بعد من النار بفضل الله دائما اور دخول جنت فی الفور مع رضوان الله تعالیٰ رضی الله عنهم ورضوا عنه' .

اب معلوم ہوا کہ احسان کا درجہ ایمان سے اونچا ہے اور اس کے بے انتہا مدارج ہیں ۔مدارج قرب واقربیت کمالا یخفی. جس طرح ایمان کا حصول شہادت پر مبنی ہے، احسان کا قرب کمال ایمان وتقویٰ پر ہے۔ اسی سے ان حدیثوں کے معنی مفہوم ہوں گے جن میں یہ آتا ہے: لایؤمن أحدکم حتیٰ یکون کذا ،اور ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔

الغرض ہمارے علمائے ظاہر نے صرف اس ایمان پر توجہ فرمائی ہے جو کفر کے بالمقابل ہے، اور علمائے باطن نے اس کے بعد کی منزل کی رہبری کی اور درجات ومدارجِ قرب کی نشان دہی فرمائی ہے۔

تین شبہے اور ان کے جوابات

اب آپ کے تین شبہے ہیں: (۱) ذکر و شغل کے غیر ماثور طریقے (۲) بیعت کا رسمی طریقہ (۳) خوابوں پر اعتبار (۴) توسل بالذوات۔

اول کی نسبت عرض ہے کہ غیر ماثور طریقے ہر گز اختیار نہ کریں، مگر ماثور و غیر ماثور کی تحقیق کر لیں، اور بدعت شرعی کی حقیقت سمجھ لیں[1]

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہوسکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للدین معنیً سنت ہے، اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۰۸ ج ۲)

بدعت کی حقیقت ہے "احداث فی الدین"، یعنی دین میں کسی چیز کو بطور جزو کے داخل کیا جائے نہ کہ احداث للدین یعنی کوئی غیر منقول مگر مباح کام کسی مقصود فی الدین کی اعانت یا تقویت یا حفاظت کے لئے کیا جاوے جیسے احادیث اور اصول حدیث کی تدوین کہ صورۃً مستحدث ہے مگر مقصود اس سے مقصود کی حفاظت ہے اس لئے بدعت نہیں، اسی طرح اذکار و اشغال کی خاص ہیئات و قیود و خصوصیات و شروط کے ساتھ تجربہ سے خاص طبائع کے لئے معین فی المقصود معلوم ہوئے اور وہ مقصود وہی اعمال مامور بہا ہیں، ظاہرہ و باطنہ، اس لئے ان کی تعلیم کی جاتی ہے پس وہ خصوصیات خود قربات نہیں ہیں مگر خاص حالات میں قربات کی تکمیل و تقویت میں معین ہیں، اس حیثیت سے مقصود بالغیر کے درجہ میں ہیں، اور اس میں دوام بھی ضروری نہیں بعد رسوخ فی المقصود کے ان کو ختم بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن یہ دخل مطرد نہیں شیخ کی رائے پر ہے اگر وہ خصوصیت استعداد سے خالی ماثورات پر اکتفاء کرنا کسی کے لئے مناسب سمجھے اور آثار خاصہ کو ضروری نہ سمجھے یا ماثورات ہی پر ترتب آثار کی توقع رکھے تو اسی کو اختیار کیا جاوے گا۔ (النور ماہ شوال ۱۳۵۵ھ ص ۲۶)

خیر القرون میں ہونے کی ضرورت اس وقت ہے جب کہ اس فعل کو من حیث العبادت کیا جائے، اور اگر من حیث الانتظام کیا جائے وہ بدعت نہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۲۵ ج ۲)

بیعت کا رسمی طریقہ غیر ضروری ہے یہ میں نہیں کہتا بلکہ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے۔[۱]

[۱] حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

بیعت کی ایک حقیقت ہے ایک صورت، حقیقت اس کی ایک عقد ہے درمیان مرشد و مسترشد کے، مرشد کی طرف سے تعلیم کا اور مسترشد کی طرف سے اتباع کا...... یہی وہ بیعت ہے جس کا لقب اس وقت پیری مریدی ہے۔

چونکہ اس کے فرض یا واجب یا سنت موکدہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرۃ نبویہ سے دین کی حیثیت سے منقول ہے لہٰذا یہ بیعت مستحب ہوگی اور جس نے اس کے فرض یا واجب ہونے پر آیت یَـاَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَنُوْا اتَّقُو اللّٰہَ وَابْتَغُوْ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ سے استدلال کیا ہے محض بے دلیل اور تفسیر بالرائے ہے، صحیح تفسیر وابتغوا الیہ القرب بالطاعات ہے۔

اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت ثابت نہیں، ہزار مومن اس خاص طریقہ پر اس زمانے میں حضور سے بیعت نہیں ہوئے اس لئے اس کو سنت موکدہ بھی نہ کہیں گے یہ سب تفصیل اس کی حقیقت میں ہے۔

اور ایک اس کی صورت ہے یعنی معاہدہ کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا یا کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دے دینا ہے تو یہ عمل مباح ہے لیکن مامور بہ کے کسی درجہ میں نہیں حتیٰ کہ اس کے استحباب کا بھی حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے وہ بطور عبادت اور دین کے نہیں بلکہ بطور عادت کے ہے، کیونکہ عرب میں معاہدہ کے وقت یہ رسم تھی، چنانچہ اسی عادت کی بنا پر اس کو صفقہ بھی کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بیعت معتادۂ صلحاء حقیقت کے اعتبار سے مستحب سے زیادہ نہیں اور اس کی خاص ہیئت مباح سے زیادہ نہیں، لہذا اس کا درجہ علماً یا عملاً بڑھانا مثلاً اس کو شرط نجات قرار دینا یا تارک پر طعن کرنا یہ سب غلو فی الدین اور اعتداء حدود ہے، اگر کوئی شخص عمر بھر بھی بطریق متعارف کسی سے بیعت نہ ہوا اور خود علم دین حاصل کر کے یا علماء سے تحقیق کر کر کے اخلاص کے ساتھ احکام پر عمل کرتا رہے وہ ناجی اور مقبول اور مقرب ہے البتہ تجربہ سے یہ کلیاً یا اکثریاً مشاہدہ ہوگیا ہے کہ جو درجہ عمل اور اصلاح کا مطلوب ہے وہ بدون اتباع و تربیت کسی کامل بزرگ کے بلا خطر اطمینان کے ساتھ عادۃ حاصل نہیں ہوتا، مگر اس اتباع کے لئے بھی صرف التزام کافی ہے، بیعت متعارف شرط نہیں۔

(النور ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ البدائع بدیعہ ۵، ص ۱۵) (باقی اگلے صفحہ پر)

خوابوں پر اعتبار مبشرات کی حد تک ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور لَهُمُ الْبُشْرىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ کی تفسیر میں وارد ہے۔ اس کے علاوہ خوابوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے حضرت (حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم!

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرد فقہ وحدیث وکلام واسرار ورموزِ شریعت ہیں، تصوف کی کتابوں میں ان کا پایہ ان کے دوسرے علوم کے مطابق نہیں ہے، اس لئے ان سے نہ گھبرایئے اور نہ ان کی صوفیانہ کتابوں کی طرف توجہ کیجئے۔

تصوف کا حاصل اور نسبت کی حقیقت

بالکل صحیح آپ سمجھے کہ طلب رضا اور اپنے ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں، اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، ان ہی کے لئے نوید بشارت ہے۔

(گذشتہ کا بقیہ) تحقیق:۔ بیعت واجب نیست اصلاح اعمال واجب است وتقدیم واجب واجب است۔ آرے اگر بیعت موقوف علیہ اصلاح بودے ہم واجب بودے۔ واذ لیس فلیس، کار شروع فرمایند واز حالات مطلع فرمودہ باشند ہرگاہ مناسب خواہم دید انکار نخواہم کرد۔

(تربیت السالک ص ۴۶)

(ترجمہ: بیعت واجب نہیں اصلاح اعمال واجب ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اسکی اصلاح بیعت ہی پر موقوف ہو (اس کے علاوہ اصلاح کی اور کوئی صورت نہ ہو) تو ایسے شخص کے لئے بیعت ہونا بھی واجب ہے۔ ورنہ نہیں، کام شروع کیجئے، حالات سے مطلع کرتے رہیے، جو مناسب ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔)

شرک فی القصد کی حقیقت

جزاک اللہ، خوب سمجھے نام ونمود کی خواہش جس کا شرعی نام ریا وسمعہ ہے یہ حقیقت عمل کی مبطل ہے۔ الریاء ھو الشرک الخفی۔ کیونکہ اعمال خیر کی حقیقت ابتغاء مرضاۃ اللہ ہے اور جب اس میں شرکت ارضائے مخلوق اور طلب شہرت کی ہوگی تو شرک فی القصد ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ کَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً (کا مصداق ہے) اور کَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (کا مصداق ہے) اسی جذبۂ ریاء وسمعہ کے قلع وقمع کے بغیر اخلاص فی الدین پیدا نہیں ہوسکتا اور مخلصین لہ الدین کے سعادت مند گروہ میں داخلہ ممنوع۔

مجاہدہ کی حقیقت

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوَاهُ، اسی ھَوٰی کے روکنے کا نام صوفیوں کی زبان میں مجاہدہ ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى کا اشارہ ادھر ہی ہے۔

مجھے آپ کی زبان سے ان باتوں کو سن کر بڑی خوشی ہوئی اور یہ کہنے کو جی چاہا

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

زادکم اللہ علما، قل رب زدنی علما

آپ کے ذاتی حالات اور ارادے معلوم نہیں۔ میری آرزو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ یہ ہیچمدان اپنے مخصوصین ومحبین کو دین کی طلب اور خدمت میں مصروف دیکھے، آپ نے جو باتیں لکھی ہیں، ان سب سے فائدہ کی امید ہے۔............

بسم اللہ کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت دے میں تو اپنے کو عمر کی اخیر منزل میں سمجھتا ہوں، ساٹھ سے جو اوپر ہوا ہے اس کی عمر کا پیالہ لبریز ہی سمجھئے، اگر کوئی تسکین کا سرمایہ ہے تو آپ جیسے چند محبین کا وجود ہے۔ سید سلیمان یکم اپریل ۱۹۴۵ء[1]

[1] مکاتیب سلیمان ۱۷۴ تا ۱۷۷۔

فائدہ: سید صاحب کے مکتوب میں توسل بالذوات کا تذکرہ ہے لیکن جواب میں اس کی تفصیل نہیں، البتہ دوسرے مکتوب میں توسل بالذوات کی تفصیل موجود ہے فائدہ کی غرض سے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

توسل بالذوات

توسل بالذوات بے شبہ جائز ہے، اَحیاء میں تو کلام کسی کو نہیں، جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے استسقاء کیا۔ رہ گیا اموات کے ساتھ۔ اموات کے ساتھ توسل کے یہ معنی ہیں کہ ان کے اعمال خیر ومقبولہ سے توسل کیا جائے۔ جس طرح اپنے اعمال خیر سے توسل جائز ہے، جیسا کہ حدیث الغار سے ثابت ہے (کما رواہ البخاری) اسی طرح دوسرے اَحیاء و اموات کے اعمالِ خیر سے بھی وابتغوا الیہ الوسیلۃ الآیہ کی تفسیر بھی توسل بالاعمال سے کی گئی، البتہ اموات سے خطاب کر کے اگر مستقلاً ان سے مانگا جائے تو یہ شرک ہے[1]۔ اور اگر ان سے یہ کہا جائے کہ میرے لئے وہ خدا سے دعا کریں، تو (بعض) اہل دیو بند جائز سمجھتے ہیں، لیکن میں اس کو بدعت سمجھتا ہوں کہ یہ طریق دعا منقول وثابت نہیں،

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا، جیسا مشرکین کا طریقہ ہے، اور یہ بالاجماع حرام (اور شرک جلی) ہے۔ توسل کی دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا، اور یہ ایسے شخص کے حق میں جائز ہے جس سے دعاء کی درخواست ممکن ہے، اور یہ امکان میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں، پس (توسل کے) یہ معنی زندہ کے ساتھ ہوں گے، توسل کی تیسری تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا اس مقبول مخلوق کی برکت سے، اور اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے اور ابن تیمیہ اور ان کے متبعین نے منع کیا ہے۔

(التشرف، ص ۱۳۹، نشر الطیب فصل ۳۸)

علامہ آلوسی نے (روح المعانی) آیت کریمہ وابتغو االیه الوسیلة الآیہ کی تفسیر میں اس کو بدعت کہا ہے۔ بعد کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں بھی یہ ملا۔ مولانا تھانوی بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور بعد کو ان رایوں کے توافق سے مجھے تسکین ہوئی۔

شرک یہ ہے کہ خدا کی ذات وصفات وعبادات میں کسی کو شریک بنایا جائے توسل بالذوات الی اللہ تعالیٰ (نہ تو) شرک فی الذات ہے نہ فی الصفات نہ فی العبادات۔ اصحاب نجد یہ کہتے ہیں، تو ان کا یہ غلو ہے۔

ہاں اگر ذوات سے کوئی یہ سمجھ کر توسل کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست کے سامنے مجبور ومضطر ہے، تو بے شبہ یہ شرک ہوگا اور اگر یہ سمجھ کر کرے کہ یہ جامع اعمالِ خیر ہیں، اوران کے اعمال بظاہر مقبول ہیں تو ان کی ذات سے خدا کی طرف بہ سبب ان کے اعمال کے توسل کیا جائے کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمالیں تو یہ جائز ہے، مگر حضرت عمر کے فعل سے کہ انہوں نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے توسل بعم النبی فرمایا، یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ امر قابل احتراز ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انہوں نے عم النبی سے کیوں توسل کیا، کسی اور صحابی سے کیوں نہیں کیا۔ بالآخر بواسطہ توسل بالنبی ہی ہوا۔ فافہم۔

والسلام

سید سلیمان

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ [1]

---

[1] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۳۳۔

تزکیہ نفس سے متعلق سید صاحب کا مکتوب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام

دارالمصنفین اعظم گڈھ

عزیز مکرم..................دعاہائے خیر

السلام علیکم ورحمۃ ، دونوں کارڈ ملے، آپ کے پُر اثر خط نے مجھے متاثر کیا، مجھے پہلی دفعہ یہ محسوس ہوا کہ آپ کے قلب میں تاثر کی استعداد ہے، یہ معمولی چیز نہیں ہے بہت اہم ہے جس قلب سے یہ صلاحیت جاتی رہتی ہے،اسی کی نسبت ہے **بل طبع اللہ علیٰ قلوبھم** اور **ختم اللہ علیٰ قلوبھم** ،کیونکہ آئندہ کی ترقی بلکہ ساری ترقی اسی تخم صالح کے نشو ونما کا نتیجہ ہے۔

عزیز من !عقل یہیں رہ جاتی ہے، وہ ساتھ نہیں جاتی ہے، جو چیز ساتھ جاتی ہے وہ صرف علم صحیح اور عمل صحیح ہے۔آپ نے اپنی علالت اور ضعف پر جس بنا پر تحسر ظاہر کیا ہے یہ دوسری دولت آپ کے پاس ہے۔تحسر کے معنی یہ ہیں آپ کو اس کے نہ ملنے یا اب تک نہ پا سکنے کا دلی افسوس ہے۔اور یہی دلی افسوس توبہ وانابت کا دروازہ ہے۔**واتبع سبیل من أناب** کی دعوت ہر ایک کے لئے عام ہے۔

آپ کے اس دوسرے خط نے مجھے بہت بااُمید بنا دیا میں یہ سمجھ چکا تھا کہ وہابیوں کی خشکی آپ پر ایسی غالب آ گئی ہے کہ عشق ومحبت کی گنجائش آپ کے دل میں نہیں رہی، الحمد للہ کہ میری یہ غلطی آپ کی نسبت آج جاتی رہی۔میرا ایک پرانا شعر ہے۔

اظہار کر کے عشق ومحبت کے راز کو

پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج

مراقبہ کی حقیقت واہمیت

آپ کچھ نہ کیجئے، صرف اس قدر کیجئے۔

یک دمے تو در کمین خود نشیں!

کسی وقت کو مقرر کرکے **الم یعلم بأن اللّٰہ یری** کے مضمون کو سونچا کیجئے۔

اسی تفکر کا اصطلاحی نام مراقبہ ہے۔ اس تصور کا اثر اعمال پر پڑے گا اور ہر عمل پر اس حیثیت سے عمل پر زد پڑنے لگے گی کہ سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ اب حق و باطل، صحیح وغلط اور جائز وناجائز پر غور کرنے کا رخ بدل جائے گا اور ہر عمل کے وقت دل کو ٹٹولنے لگیں گے کہ میرے اس عمل کا قلبی مقصد کیا ہے، اس سے حسن نیت پیدا ہوگا اور حدیث شریف کی یہ حکمت کھل جائے گی، "**ألا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله**" کیا یہ بدعت ہے؟ غور کیجئے اور ہوسکے تو عمل کیجئے۔[1]

تین ارتقائی منازل اسلام، ایمان اور احسان

حضرت سید صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

کسی فضل پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کو منجانب اللہ فضل محض بلا استحقاق کرنا ہی احسان کا زینہ ہے جس کا رسمی نام تصوف ہے **ولا مشاحة فی الاصطلاحات** ہم نے اب اس کا نام طریق تقویٰ رکھنا چاہا ہے، اسلام، ایمان اور احسان یا اتقاء تین ارتقائی منازل ہیں، اسلام اطاعت ہے، ایمان اس اطاعت پر سکینت ہے اور طمانینت ہے اور اتقاء یا تقویٰ دل کی وہ کیفیت ہے جس سے امور زیر ایمان پر عمل بسہولت پر مداومت قائم ہوجائے۔ وللہ الحمد[2]

---

[1] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۴۹ [2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۷۰۔

وحدۃ الوجود کی حقیقت

حضرت سید صاحب مولانا مسعود عالم ندوی کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

وحدۃ الوجود کے باب میں آپ نے کئی دفعہ پوچھا۔ وحدۃ الوجود کی کئی تشریحات ہیں، اوران کے اختلاف معنی کی بناء پر حکم بدل جاتا ہے۔ انہی میں سے ایک وہ ہے جس کو جاہل صوفیہ مانتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ خالق ومخلوق میں فرق اعتباری رہ جائے، بلکہ ہر مخلوق کو دعوائے خالقی ہوجائے۔ سو یہ تمام تر کفر ہے اوراس کا ماخذ نیوافلاطینت معلوم ہوتی ہے، اور ہندوؤں کا فلسفہ بھی اسی قبیل کا ہے۔ ہندوستان میں یہ مسئلہ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی روایت کے مطابق آٹھویں صدی میں آیا ہے ورنہ حضرات چشت کے کلام میں حضرت سلطان ہند خواجہ معین الدین سنجری سے لے کر حضرت سلطان الاولیاء نظام الدینؒ کے ملفوظات میں اس کا ذکر یاد نہیں آیا، مجدد الف ثانی، مولانا شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا اسمٰعیل شہید وغیرہ وحدۃ الوجود یا وحدۃ شہود کی جو تشریح کرتے ہیں اس کا مقصد مسئلہ قیومیت کی تفصیل ہے۔ أنت قیوم السمٰوٰت والأرض ومن فیھن حدیث صحیح میں وارد ہے اوراس کی تشریح بر مذاق وحدۃ الوجود یہ ہے کہ ساری مخلوقات اپنے وجود وبقا میں ہر آن اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں، جس طرح وہ اپنے خلق میں محتاج تھیں أنتم الفقراء سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری حقیقت فقر محض ہے اور اللہ ھو الغنی سے ظاہر ہے کہ وہی غنی ہے، فقر کے دوسرے معنی عدم کے ہیں ہماری حقیقت عدم ہے جس میں جود یا کسی صفت کی نیرنگی اسی ذات غنی کی صفات کے ظلال ہیں۔

ظل کی حقیقت عدم ہی ہے عدمِ نور کا نام ظل ہے، تاہم کسی ظل کا وجود اصل کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ظل کا وجود اپنی ذات میں ہم معنی عدم ہے، لیکن اصل کے پرتو سے وجود کا ایک وہمی نقش پالیتا ہے، یہ ان حضرات کا وحدۃ الوجود ہے، گو کہ ہمارے نزدیک

حضرت مجدد صاحب کا یہ مسلک اخیر مسلک نہیں اخیر مسلک وہی وحدۃ تنزیہ ہے جس پر شرح وارد ہے، کمافی المکتوبات۔

ہمارے حضرات کے یہاں وحدۃ الوجود کا تصور ایک حالی کیفیت ہے جس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت وجلالت اتنی چھا جائے کہ ساری مخلوقات اس کی نگاہوں سے چھپ جائیں، جیسے آفتاب کے طلوع سے سارے ستارے چھپ جاتے ہیں مگر معدوم نہیں ہوتے، جیسے مجنوں کا یہ قول **تمثل لی لیلیٰ بکل سبیل**☆۔

جس وحدۃ الوجود کو ہم نے فلاسفہ افلاطونی کا خیال کبھی کہا ہے یا ہندوؤں سے ماخوذ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ ذات الٰہی ہی پھیل کر عالم بن گئی ہے۔ جیسے انڈا ہی پھٹ کر چوزہ بن جاتا ہے۔ یہی خیال ہے جو ایک رباعی میں خیام کی طرف منسوب ہے۔

حق جان جہاں است وجہاں جملہ بدن	ارواح و ملائکہ حواس ایں تن
افلاک وعناصر وموالید اعضاء	توحید ہمیں است وگرہا ہمہ فن[1]

[1] مکاتیب سید سلیمان ۱۸۶

☆ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطاوحفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں۔ سوسائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی سایہ ہے بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہتے ہیں ہم آپ کے زیر سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت وپناہ میں، اور ہمارا امن وعافیت آپ کی توجہ کی بدولت ہے اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں۔ پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے۔ اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا یہ ''وحدۃ الوجود'' ہے اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں، گوغلبہ ونور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ ''وحدۃ الشہود'' ہے۔ معدوم تو ہے نہیں، گوغلبہ ونور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ ''وحدۃ الشہود'' ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فلسفیانہ تصوف کے قائل نہ تھے

حضرت مولانا اویس صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں:

فلسفیانہ تصوف کسے کہتے ہیں؟ اس کو حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہٗ کی زبان سے سنئے:

"فلسفیانہ تصوف سے مقصود الٰہیات کے متعلق حکیمانہ خیالات رکھنا، اور فلاسفہ کی طرح خشک زندگی اختیار کر کے ان کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، اس فلسفیانہ تصوف کا ماخذ یونان کا اشراقی اور اسکندریہ کا افلاطونی اسکول ہونا بعض قدیم مسلمان حکماء کے نزدیک بھی مسلم تھا"۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے۔ اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے، اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں، گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے مآل دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید۔

(بصائر حکیم الامت ص ۲۴۵)

غضب ہے کہ بہت سے جہلاء وحدۃ الوجود کے معنی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے حتیٰ کہ میں نے ایک مولوی صاحب کو درس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ نعوذ باللہ واجب الوجود کلی طبعی ہے جزئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کلی طبعی کا وجود جداگانہ نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے تو نعوذ باللہ خدا کا وجود مستقل کوئی نہیں بلکہ موجودات کے ضمن ہی میں ہے، یہ وحدۃ الوجود نہیں بلکہ کفر صریح ہے، وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرے نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے۔

(وعظ المرابطہ ملحقہ حقیقت تصوف وتقویٰ ص ۸۹)

مشہور حکیم ابوریحان بیرونی کہتا ہے کہ:

''سوف یونانی میں حکمت کو کہتے ہیں، اور اسی سے فیلسوف کو یونانی میں ''پیلاسوپا'' کہتے ہیں، یعنی حکمت کا عاشق، چونکہ اسلام میں بعض لوگ ان کے قریب گئے، اس لئے وہ بھی اس نام (صوفیہ) سے پکارے گئے''۔

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے رسالہ (فی السماع والرقص) میں لکھتے ہیں:

''اور ابن سینا نے ایک فلسفہ پیدا کیا، جس کو اس نے پہلے کے یونانی فلاسفہ اور (مسلمانوں میں سے) بدعتی متکلمین جھمیہ وغیرہ کے خیالات سے ملا کر بنایا تھا، اور بہت سی علمی اور عملی باتوں میں وہ اسماعیلی ملحدوں کے راستے پر چلا، اور کچھ باتیں اس میں صوفیہ کی ملا دیں جو حقیقت میں اس کے ہم خیال اسماعیلی قرامطہ باطنیہ کے خیالات سے ماخوذ تھیں، کیونکہ اب سینا کے اہل خاندان مصر کے حاکم بامر اللہ (فاطمی اسماعیلی) کے پیروں میں تھے یہ لوگ اسی زمانہ میں تھے، اور انکا مذہب رسائل اخوان الصفا والوں کا مذہب تھا''۔

حاجی خلیفہ چلپی ''کشف الظنون'' میں تصوف کے ضمن میں لکھتا ہے:

''اور جاننا چاہیئے کہ حکمائے الٰہیات میں سے اشراقی مشرب اور اصطلاح میں صوفیوں کے مانند ہیں، خصوصاً ان میں سے پچھلے (اشراقی) لیکن فرق صرف ان مسائل میں ہے جن میں اشراقیہ کا مذہب اسلام کے مخالف ہے، اور یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ اصطلاح (تصوف) انہیں کی اصطلاح (سوف) سے ماخوذ ہو، جیسا کہ اس شخص سے چھپا نہیں ہے جس نے اشراقی فلسفہ کی کتابیں دیکھی ہیں''۔

ان حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ فلسفیانہ تصوف، فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات اور اخوان الصفا کی تاویلات ایک ہی سرچشمہ کی دھاریں ہیں''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کو اسی فلسفیانہ تصوف سے اختلاف تھا اور

اسی تصوف سے پیدا شدہ مسائل پر کڑی تنقید کرتے تھے۔[1]

فلسفیانہ تصوف کا آغاز علاء الدولہ سمنانی سے ہوا ہے اور محی الدین ابن عربی کے خیالات پھیلنے لگے ہیں۔

بدعات کے دوسرے چشمے ہندویت اور ایرانی شیعیت دونوں مغلوں کے عہد میں پھوٹے ہیں، ان سے پہلے اجمیر کے عالم گیری بھی نہ تھی یہ تو راجپوتانہ میں مغل سیاست کا مرکز مذہبی روپ میں اکبر نے پاپیادہ سفر کر کے پیدا کیا اس سے پہلے کی کوئی چیز وہاں نہیں۔[2]

---

[1] خیام مختصراً، بحوالہ "تصوف کیا ہے" مضمون مولانا محمد اویس صاحب ندوی ص ۹۶۔

[2] مکاتیب سید سلیمان ص ۱۸۹۔

باب ۳

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے درمیان ابتداء مکاتبت کے تکوینی اسباب

کسی زمانہ میں صدارت عالیہ اور محکمہ شرعیہ دولت آصفیہ سے ''الاستفتاء'' کے نام سے ایک رسالہ شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ربا (سود) صرف بیع وشراء ہی میں متحقق ہوتا ہے (مثلاً چاندی سونے کے عوض زیادہ چاندی یا سونا خریدا جائے) قرض کی صورت میں اس کا تحقق نہیں ہوتا (مثلاً یہ کہ کوئی سو روپے دے کر سوا سو یا کم وبیش وصول کرے) لہٰذا قرض میں نفع لینا جائز ہے اور وہ ربا نہیں۔

چونکہ اس رسالہ سے عوام ہی نہیں بلکہ بعض خواص اہل علم کی بھی گمراہی کا خدشہ تھا، اس لئے حکیم الامت قدس سرہ نے اس کے رد اور نفس مسئلہ کی تحقیق میں ایک جوابی رسالہ اپنے خواہر زادہ مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ سے لکھوایا اور اس کا نام **''کشف الدُّجٰی عن وجہ الربوا''** تجویز فرمایا...... یہ رسالہ عربی میں لکھا گیا تھا (گو بعد میں اس کا ترجمہ بھی ہوا) اور النور بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ (م ۱۹۲۹ء) میں پہلی بار شائع ہوا پھر علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی اس کی اشاعت ہوئی۔ [1]

حکیم الامتؒ نے مولانا ظفر احمد عثمانی کو ہدایت فرمائی کہ اس رسالہ پر علمائے عصر کی تصدیقات بھی حاصل کرلی جائیں تاکہ علماء کی موافقت سے اس کا وزن بڑھے اور نفع عام ہو جائے۔

[1] اب یہ رسالہ امداد الفتاویٰ ج ۳، ص ۱۷۹، (مرتبہ مفتی مولانا محمد شفیع صاحب) میں شائع ہوا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے اس رسالہ کا ایک نسخہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں بھی بھیجا،[1] حضرت علامہ نے اس خیال سے کہ یہ رسالہ حضرت مولانا تھانویؒ کی طرف سے موصول ہوا ہے جوابی خط بجائے مولانا ظفر احمد صاحب کے براہ راست حکیم الامتؒ ہی کی خدمت بابرکت میں ارسال فرمایا۔[2]

اس طرح خط و کتابت کا آغاز ہوا اور اسی مراسلت میں اصلاح نفس کا تذکرہ بھی ضمنی طور پر چھڑ گیا، اس ضروری تمہید کے بعد اب حضرت والا کا مکتوب ملاحظہ ہو:[3]

---

[1] علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں جو رسالہ برائے تصدیق و تقریظ ارسال کیا گیا وہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کے سرورق پر قلم سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

''رسالہ کشف الدجی بغرض تصدیق و تقریظ ارسال خدمت ہے۔ زور دار تقریظ لکھ کر بذریعہ لفافہ مرسلہ ارسال فرمادیں، اصل رسالہ کی واپسی کی ضرورت نہیں وہ خدمت سامی میں ہدیہ ہے''۔

فقط بحکم حضرت حکیم الامت دام مجدہم

از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون

(ماخوذ از النور ج ۹ شمارہ ۹ تا ۱۲)

---

[2] حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مفتی عبداللطیف کے عربی استفتائے ربوا کا جو جواب مولوی ظفر احمد صاحب نے لکھا ہے مجھ سے اس کی تقریظ کی خدا جانے کیوں کر فرمائش کی تھی، کیا اس کے اندر آپ کا تو ہاتھ نہیں، بہر حال آٹھ صفحوں میں عربی میں اصل مسئلہ پر تکملۃ و تقریظ لکھ کر بھیج دیا، مولانا اشرف علی صاحب نے استحسان کیا، اسی سلسلہ میں مولانا سے مکاتبت کی جرأت ہوگئی۔

(مکتوبات سلیمان۔ص ۲۵۶، ج ۱)

[3] تذکرہ سلیمان ص ۸۴۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا پہلا مکتوب
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں

حضرة العلامه المفضال متع الله المسلمين بطول بقائكم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رسالہ النور متضمن رسالہ ''کشف الدجی'' مع ہدایت نامہ سرفرازی کا باعث ہوا، میں اس کو اپنے لئے سعادت کا طغریٰ سمجھتا ہوں کہ آپ اس ظلوم وجہول سے تقریظ لکھنے کو فرمائیں، خدا گواہ ہے کہ میں اپنے کو اس سے کمتر سمجھتا ہوں کہ آپ کی کسی تحریر پر تقریظ لکھوں، مجھے یہ بھی شک ہے کہ میرا طریقۂ تحریر اور طرز استدلال پسند خاطر اشرف ہو مگر بحکم الامر فوق الادب تعمیل کروں گا، اگر میرا یہ عذر قابل پذیرائی نہ ٹھہرا.........ساتھ ہی زبان کے متعلق فیصلہ ہو کہ عربی ہو یا اردو، جواب کے لئے لفافہ وٹکٹ کی حاجت نہیں۔

حضرت مستفتی میرے استاذ شیخ ہیں، یہ رسالہ انہوں نے مجھے حیدر آباد (دکن) میں خود دیکھنے کے لئے دیا تھا، اور میں اس کو بغور پڑھنے کے لئے ساتھ لایا تھا، پڑھ کر ان کو میں نے ان الفاظ کے ساتھ اس کو واپس کیا کہ آپ جس کو مکروہ سمجھتے ہیں میں اس کو عین ربوا کہتا ہوں اور میرے نزدیک تو قیل وقال وروایت سے زیادہ مستحکم دلیل عمل سلف کرام ہے کہ یہ ایسا کھلا ہوا اور شدید الاحتیاج مسئلہ ہونے کے باوجود کسی نے اس کو جائز نہیں بتایا اور نہ اس پر کبھی عمل کیا، لفظ بیع ودین وقرض کے اصطلاح سے بڑھ کر لغت کا فیصلہ ہے، رسالہ کشف الدجی کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا، طرز عبارت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت نورٌ علی نور ہے۔

بار بار میرا دل جب زمانہ کے فتن وحوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کسی سکینت وطمانیت کی تلاش ہوتی ہے تو خانقاہ امدادیہ کی یاد آتی ہے لیکن ڈر تھا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت وبیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہنچا ہو اور آپ مجھے تخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں۔ میں تو اس رسالۂ استفتاء کا ممنون ہوں کہ اس اجنبیت وبے گانگی کی جگہ اس کی بدولت انسیت ویکجہتی کی صورت پیدا ہوئی، اب میں اس کشمکش کی منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری تسکین کا باعث نہیں بنتے۔

دعا کا طالب وہمت کا خواستگار ہوں۔ والسلام۔

سلیمان ندوی[1]

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحؒ کا جواب

مولانا المحترم دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عجب بات ہے کہ انبساط کا قصد نہ میرا تھا نہ جناب کا، دونوں طرف اتفاقاً ہی اس کے اسباب پیش آ گئے، اس کا واقعہ تو جناب نے تحریر ہی فرمادیا، اس طرف یہ واقعہ ہوا کہ میں نے بالتعین کسی بزرگ کے پاس رسالہ نہ بھیجنے کو کہا تھا، دو وجہ سے، ایک یہ کہ مجھے بزرگوں کی فہرست ہی بہت غیر مکمل معلوم ہے، دوسرے کسی کو ایسی تکلیف دیتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی، خصوص اگر میرا کلام ہو تو بے حد حجاب ہوتا ہے، یہ رسالہ میرے ہمشیرہ زادے نے لکھا، اگرچہ میرے ہی کہنے سے لکھا، چونکہ عام طبائع کی حالت پر نظر کر کے اس استفتاء کی مضرت عامہ کا قوی اندیشہ ہے، اس کے انسداد کی سب سے انفع تدبیر علماء

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۸۵

کی موافقت حاصل کرنا ذہن میں آیا کہ عوام پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے،[1] اس لئے میں نے عزیز موصوف کو مصارف دیگر مشورہ دیا کہ جہاں مناسب ہو بھیج دیا جائے، میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے جناب کو بھی تکلیف دے کر یہ موقع دیا کہ میں جناب کا مخاطب بن سکا، غرض یہ واقعہ ادھر سے ہوا۔

بہر حال حجاب مرتفع ہونے کے بعد اب مضامین محبت کا جواب عرض کرتا ہوں، جناب کی تواضع نے ضرور مجھ کو ایک معتد بہ درجہ میں معتقد بنا دیا، اور غالب یہ ہے کہ آئندہ اس میں اضافہ اور قوت ہو، باقی طرز عبارت یا استدلال کی پسندیدگی وعدم پسندیدگی، سو اس کے متعلق اعتقاد دِلی سے ایک نظیر عرض کرتا ہوں کہ سادے کپڑے پہننے والے کو کسی طرح یہ حق نہیں کہ رنگین کپڑے پہننے والے کو ناپسند کرے بشرطیکہ مقصود ستر بوجہ مشروع محفوظ رہے اور (رہا) زبان کا فیصلہ سو دونوں شقوں کو اختیار کرنے سے مجھ کو ایک ایک عذر مانع ہے، اردو زبان تو جناب کی شان سے گری ہوئی ہے اور عربی زبان سے میری شان گری ہوئی ہے کیوں کہ میں عربی زبان پر قادر نہیں، اس لئے اس کو جناب ہی کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

مسئلہ کے متعلق جس عنوان سے رائے سامی ظاہر فرمائی ہے، اس سے سہل اور دل میں اتر جانے والا عنوان کم نظر آتا ہے۔ **بارک اللہ فی معارفکم.**

عبارت کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے میں کاتب عبارت کا زیادہ معتقد

---

[1] حکیم الامت قدس سرہٗ نے جب بھی کوئی کتاب چھوٹی یا بڑی خود تحریر فرمائی یا اپنی نگرانی میں لکھوائی تو اس وقت ملت کی کوئی نہ کوئی ضرورت وقتی اور منفعت ان کے پیش نظر رہی ہے یہی وجہ ہے کہ مصنفات اشرفیہ میں ''بیان القرآن'' اور ''اعلاء السنن'' جیسی خالص علمی اور ضخیم کتابیں بھی ہیں، اور اصلاح الرسوم اور اغلاط العوام جیسے چھوٹے رسالے بھی شامل ہیں، یہ حکیم الامت کے جذبۂ شفقت کی کھلی دلیل ہے۔ اعلی اللہ مقامہ۔

ہوگیا کہ ماہر کی شہادت ہے باقی اپنی حالت قصور باع فی العربیہ کو اوپر عرض کر چکا ہوں، اس لئے کاتب کے متعلق اپنے اعتقاد کو بھی غیر ماہر کی شہادت ہونے سے شہادت ناقصہ سمجھتا تھا۔

آخر میں جو خانقاہ کے متعلق اپنا انجذاب اور اس کے ساتھ کچھ موانع محتملہ کا ذکر فرمایا ہے اگر خانقاہ میں حضرت شیخ قدس سرہٗ رونق افروز ہوتے تو یہ سب مضامین حقیقت پر منطبق ہو سکتے تھے لیکن اب محض حسن ظن پر منطبق ہو سکتے ہیں، اس سے آگے ہیچ، البتہ زیادہ تکلف کرنے کو بھی اعادۂ حجاب سابق اور موہن انبساط لاحق سمجھ کر پسند نہیں کرتا، اس لئے بلا تکلف معاملہ کی سچی بات عرض کرتا ہوں کہ جناب کا یہ حسن ظن اگر کسی روایت پر مبنی ہے تو لا یوثق بہ، اور اگر ذوقی ووجدانی ہے تو میں دوستی کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ مجھ کو علوم میں مخاطب نہ بنایا جائے کہ ان سے معرا ہونے کو اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ **والصدق ینجی** ۔والسلام۔

التماس! جناب کا الطاف نامہ رکھ لیا ہے، اگر اجازت ہوگی اس کے بعض جملے جن کا تعلق مسئلہ سے ہے، تقریظ کے ساتھ منضم کر دیئے جائیں گے، یہ کاتب کی درخواست ہے جس کے قبول فرمانے میں جناب بالکل آزاد ہیں، اگر مصلحت یا طبیعت کے ذرا بھی خلاف ہو، ممانعت پر بھی وہی مسرت ہوگی جو اجازت پر ہوگی۔ فقط۔

ناکارہ، آوارہ ننگ انام اشرف برائے نام از تھانہ بھون ۲۸ر دسمبر ۱۹۲۹ء[1]

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۹۸۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا دوسرا مکتوب
اپنے مسلک کا اظہار اور اصلاح باطن کے سلسلہ میں

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عریضہ

حضرت ہادیٔ طریقت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ جو لطف وعنایت سے بھرا ہوا تھا، ورود فرما ہوا، اس سے ایک پریشان حال ومتشتت البال کی سکینت ہوئی۔

مولانا! میں آپ کی دعاء ودعوت کا بہترین مستحق ہوں، مسائل علمی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لئے دعاء وہمت کا طالب ہوں۔

میں نے اعتزال سے لے کر سلفیت تک بمدارج ترقی کی ہے، عقائد میں امام مالکؒ کے اس اصول کا پیرو ہوں: ''**الاستوی معلوم والکیفیة مجهول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة**''۔[1] سیرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوۃ کی تالیف وتدوین میں خواہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں مگر اس مصروفیت نے ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جذبۂ محبت پیدا کر دیا ہے، وللہ الحمد، فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ تعالی کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃ ان سے عدول حق نہیں سمجھتا۔

میرا خاندان صوبۂ بہار میں علم ظاہر وباطن کا جامع رہا ہے، والد مرحوم ابوالعلائی

[1] یعنی استویٰ معلوم ہے (کیوں کہ قرآن میں مذکور ہے) مگر اس کی کیفیت (کہ کیونکر ہے) نامعلوم ہے، اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال بدعت ہے۔

المشرب تھے، بھائی صاحب مرحوم مجددی تھے اور دونوں صاحب حال ونسبت تھے، بچپن بھی ان بزرگوں کی آغوش میں بسر ہوا، ذکر ومراقبہ اسی سن سے شروع کر دیا گیا، مگر برا ہو علم باطل کا کہ جس نے مدتوں کے لئے اس راہ سے ہٹا دیا اور خدا جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائیں، اور اب جب مرحلۂ اربعین سے گذر کر ہوش آیا ہے تو ان بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے، میں نے یہ کیفیت اس لئے لکھ دی تا کہ جناب میرے مستقبل کی اصلاح میں میرے ماضی سے باخبر رہیں۔

میرے لئے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ مجھ میں استقامت وتثبّت اور رغبت الی الطاعت پیدا ہو، فرائض کا پابند ہوں، بدعات سے نفور ہوں، کبھی کبھی ذوقِ سجود کی لذت بھی پاتا ہوں، امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما اور ان کے سلسلہ سے عقیدت تامہ رکھتا ہوں، خرافات وطامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں، صالح نہیں لیکن صلاح حال کا دل سے خواستگار ہوں، یورپ کے مذہبی وعلمی حملوں کے مقابلہ میں اسلام کی خدمت کا ولولہ ہے اور اب تک پچیس برس کا زمانہ انہی مشاغل میں گذرا، اب آپ سے دعا کا طالب، ہمت کا خواستگار اور حصول اخلاص اور اصلاح قلب کے لئے کسی نسخۂ کا سائل ہوں۔

رسالہ کشف الدجی پر قلم نے جو یاوری کی ہے، مولوی ظفر احمد صاحب کی خدمت میں ارسال ہے۔[1]

''عرض اطلاعی:- میں نے سہولت کے لئے یہ معمول جاری کر رکھا ہے کہ جواب کے ساتھ اصل خط بھی رکھ دیتا ہوں اور اسی طرح منگانا بھی پسند بھی کرتا ہوں، تا کہ انطباق میں آسانی ہو، گو صورۃً یہ خلاف تہذیب ہے اور اسی لئے اور صحیفہ کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا، مگر اب کسی قدر بے تکلفی ہونے سے معنی کو صورت پر ترجیح دی۔ فقط۔''[2]

---

[1] سلیمانؔ ندوی ۲۱/شعبان ۱۳۴۸ھ [2] اشرف علی، تذکرہ سلیمان ص ۱۰۰

حضرت اقدس تھانویؒ کا جواب

از خاکسار اشرف علی عفی عنہ

بخدمت مکرمی محترمی دام فیضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الطاف نامہ نے مع تقریظ مسرور فرمایا اور تقریظ نے علوم مفیدہ میں اضافہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو مسرور رکھے بمسرت ظاہرہ و باطنہ۔

سب سے اول اس عنوان کے تبدیل کے متعلق درخواست کرتا ہوں جس سے مجھ کو خطاب فرمایا ہے یعنی ''ہادی طریقت'' اس کو دیکھتے ہی ذہن پر یہ وارد ہوا ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

صلاح کار کجا ومن خراب کجا

اور یہ بھی ؎

بیا جامی رہا کن شرمساری

زصاف ودر وپیش آرانچہ داری

فوراً ذہن میں نہ آجاتا تو عجب نہیں یہی عنوان خطاب غایت درجہ کے خجلت زا ہونے سے عرض جواب سے عذر مانع ہو جاتا، مگر اب صرف اس درخواست پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو عنوان خود میں نے آپ کے لئے اختیار کیا ہے اس سے تجاوز نہ فرمایا جائے، گو میں اس کا بھی اہل نہیں مگر عرض کی روایت میں زیادہ اہلیت شرط نہیں، اس کے بعد الطاف نامہ کا جواب عرض کرتا ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط یا درخواست ہے کہ میرے معروضات کو قول فیصل خیال نہ فرمایا جائے بلکہ **خذ ما صفا ودع ما کدر** پر عمل رہے، اور اس انتخاب سے مجھ کو مطلع فرمانا بھی ضروری نہیں........اب بے تکلفی سے

جواب عرض کرتا ہوں۔

مجھ کو اس سے خاص مسرت ہوئی کہ میرا معروضہ کسی درجہ میں موجب سکینت ہوا اور بالیقین یہ اثر میرے عریضہ کا نہیں جناب کے حسن ظن کا ہے اور عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ حسن ظن کے محل سے عطایا تقسیم فرماتے ہیں اس حسن ظن سے مجھ کو انشاء اللہ اپنے نفع کی امید ہے، **فصدق الله رجاء نا جميعا**، اور یہی توقع نفع کی حسن ظن کی بنا پر سبب ہے میری جرأت مکاتبت کا ورنہ : ع

صلاح کار کجا و من خراب کجا

میں دل سے دعا کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں اور اس کا طالب بھی ہوں۔

جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرما دیا، اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا دو وجہ سے، ایک صدق و خلوص پر دال ہونے سے دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے، کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے، چنانچہ اس احقر پر دو جگہ دوسرا رنگ ہے، ایک یہ کہ میں بوجہ اپنی قلت روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں، دوسرے یہ کہ صوفیہ کے احوال و اقوال کو محتمل تاویل سمجھتا ہوں۔ **الا من تحقق بطلانهم بالقطع**.

شرف و برکات خاندانی سے حقیقۃ الحقیقت تک وصول کی بہت جلدی اور قوی امید ہو کر خاص طمانیت و مسرت حاصل ہوئی۔ **اللهم افعل وقد فعل انشاء الله تعالى**. اس ضمن میں میں نے بھی اپنا کچا چھٹا اس لئے عرض کر دیا کہ آپ کو **خذ ما صفا دع ما كدر** پر عمل فرمانے میں سہولت ہو، دوسرے طبعاً یہ چاہتا ہوں کہ اپنے احباب سے اپنا کوئی راز مکتوم نہ رہے، میری رائے میں اس سے تعلق بڑھتا ہے اور یہ خاص نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی کہ دو مسلمانوں میں خاص اور خالص تعلق رہے، اور اسی مصلحت سے آج ہی ایک رسالہ جو میرے

رسالہ کی تسہیل ہے روانہ خدمت کررہا ہوں[1] اصل بھیجنے سے معذور رہا، اس وقت یہی موجود تھا، اس سے میرا مسلک جو طریق کے متعلق ہے ضروری درجہ میں واضح ہوگا۔

اس کے بعد جناب نے ایسے نسخہ کی فرمائش فرمائی ہے جو خاص آثار کے لئے مثمر ہو، اس کے صحیح عذر کو تو صفحہ اول میں عرض کر چکا ہوں کہ صلاح کار الخ او خویشتن الخ لیکن اس کے ساتھ ہی جناب کا حکم اور جامی کا امر ''رہا کن شرمساری'' اور اپنی درخواست **خذ ما صفا الخ** اس مجموعہ نے حیا کو امتثال امر سے مغلوب کرکے چند سطریں عرض کرنے کی جسارت دلائی اور یہ سطریں بطور اصول موضوعہ کے ہیں اگر پسند فرمائی جائیں گی تو آئندہ عرض معروض کرنے میں مجھ کو یکسوئی رہے گی کیوں کہ ان کا اکثر حصہ انہی اصول کی فروع ہوں گی، ان اصول کا خلاصہ ایک ہی اصل ہے وہ یہ کہ:

خلاصہ تصوف خالص علمی اصطلاح میں

مامور بہ وجوباً استحباباً اس طریق میں صرف افعال ہیں، انفعالات نہیں مثلاً استقامت وتثبت ورغبت الی الطاعات والتزام فرائض وتنفر عن البدعات ولذت وذوق واخلاص واصلاح قلب وامثالہا، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے جو جوارحی افعال ہیں وہ مامور بہ ہیں کیوں کہ وہی اختیاری ہیں اور جو انفعالات ہیں وہ مامور بہ نہیں کیوں کہ وہ غیر اختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعضے مطلقاً بعضے خاص احوال میں محمودہ ضرور ہیں اور اسی درجہ میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب آثار وثمرات انہی افعال کے ہیں اور وہ افعال ہی ان کے اسباب ہیں کہ ان کی طرف فی الجملہ یا فی الاکثر مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلف ہی نہ ہوں، اگر تخلف بھی ہو تو مضر نہیں کیوں کہ اصل مقصود یعنی قرب ورضا کی وہ شرطیں نہیں۔ فقط۔ والسلام[2]

---

[1] یعنی تسہیل قصد السبیل۔ [2] تذکرہ سلیمان ص ۱۰۴۔

اس مکتوب اشرف کے تقریباً دو مہینے بعد حضرت سید صاحب نے پھر ایک عریضہ لکھا اور اس کا جواب حکیم الامتؒ نے عطا فرمایا، یہ مکاتبت سہولت فہم کے لئے مضمون و جواب کی شکل میں درج ذیل ہے۔

اصلاحی مکاتبت کی ابتداء

اعظم گڑھ

حضرت اقدس دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مضمون ! نادم ہوں کہ دیر کے بعد حاضر ہو رہا ہوں، رمضان المبارک سے کچھ دن پہلے والا نامہ مع رسالہ ''تسہیل قصد السبیل'' شرف افزا ہوا تھا، رسالہ تو اسی زمانہ میں ایک روز میں پڑھ لیا اور اس کے مطالب کو سمجھ لیا، رمضان المبارک کے ایام مبارکہ میں تکلیف دینے سے احتراز کیا اور مولوی ظفر احمد صاحب کو اس کی اطلاع اور رسالہ کی رسید بھیج دی، شوال میں خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر اوائل شوال سے چند روز پیشتر تک سفر میں گذرا اور موقع نہ ملا۔

جواب :- از اشرف علی

بخدمت مولانا دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دیر پر ندامت کا مبنیٰ غالباً احتمال ہے میری کلفت انتظار کا، اسی طرح رمضان المبارک میں خطاب سے سبکدوش رکھنے کا مبنیٰ بھی وہی احتمال ہے میری تکلیف کا اور ان

[1] معارف ماہ جنوری ۱۹۴۳ء و تذکرہ سلیمان، ص: ۱۶۰ تا ۱۶۲

احتمالوں کا سبب محض محبت، اور اس محبت کا حق اپنے ذمہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ اطلاع دے کر بے فکر کردوں کہ مجھ کو بے حسی کے سبب ایسا انتظار ہی نہیں ہوتا اور قلّت اوراد کے سبب رمضان میں بھی مکاتبت سے تکلیف نہیں ہوتی۔

مضمون :- رسالۂ تسہیل کو پڑھ کر سب سے پہلا اثر جو دل پر ہوا یہ تھا کہ راہ سخت مشکل ہے، دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ ان جزئیات فقہیہ کا جن کا اس میں ذکر ہے میرے لئے تحقیق طلب تھا، میں نے بات صفائی سے لکھ دی۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ.

جواب :- تسہیل کا سبب تعسیر ہونا، اور جزئیات فقہیہ کا قابل تحقیق ہونا جو تحریر فرمایا گیا ہے اگر یہ اطلاع مکاتبت فی الباب کا خاتمہ ہے تو : ع

صلاح ما ہمہ آنست کاں تراست صلاح

اور اگر یہ اطلاع مکاتبت کی اطلاع اور اس کی مانعیت کا رفع مقصود ہے تو کسی قدر واضح تقریر کی حاجت ہے یعنی یہ کہ طریق میں کون امر دشوار معلوم ہوا اور کون مسئلہ سبب تباعد ہوا، تا کہ اذن جواب کا امتثال کرسکوں۔

مضمون :- رمضان المبارک کے عشرۂ آخر میں بعد سحر و نماز صبح میں کچھ دیر کے لئے سوتا تھا میں نے اس میں دو خواب دیکھے، اپنے کو دیکھا کہ میں مدراس میں ہوں، حضرت والا بھی مع اپنے ہمراہیوں کے ایک مکان میں فروکش ہیں، آپ کے ہاتھ میں بہت بڑی تسبیح ہے آپ کے ایک ہمراہی مولوی ظفر احمد صاحب جو الگ بیٹھے ہیں جن کی وضع قطع، ڈاڑھی کی تراش خراش اہل پنجاب کی سی ہے، انہوں نے مجھ سے کچھ اردو ادبیات پر گفتگو کی، مگر آپ کے دوسرے ہمراہی جو ضعیف العمر معلوم ہوئے وہ مصلیٰ بچھائے نہایت خضوع کے ساتھ مصروف نماز ہیں، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ آپ کے خادم خاص ہیں۔

اس کے دو دن بعد ۲۳ کو پھر اسی وقت خواب دیکھا کہ میں ریل میں سوار کہیں جا رہا ہوں کہ ایک جگہ گاڑی کھڑی ہوگئی، معلوم ہوا کہ یہ تھانہ بھون ہے، جی میں آئی کہ اتر

جاؤں چنانچہ اتر گیا اور سامان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہاں تو جگہ بہت کم ہے یہاں نہیں ٹھہر سکتے، میں نے عرض کیا کہ اس کی فکر نہ فرمایئے میں نے راستہ میں ایک مسجد دیکھی ہے میں اس میں ٹھہر جاؤں گا۔

جواب :- دونوں منقول خواب ذوقاً مبشرات ہیں مگر علمی کم مائگی کے سبب باقاعدہ تعبیر سے قاصر ہوں۔ [1]

مضمون :- میری حالت میں استقامت نہیں ہے اور اسی کی فکر مجھے رہتی ہے، میری حالت یہ ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اس کے لئے دعا فرمایئے۔

جواب :- استقامت کی نسبت جو تحریر فرمایا ہے اس کے امثال کے متعلق رقیمۂ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں کہ مقصود اور مامور بہ اعمال ہیں، انفعالات نہیں...... اگر یہ معروضہ رائے سامی میں مجمل ہو تو مفصل بھی عرض کر سکتا ہوں، دعا للاخوان کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

مضمون :- کسی مناسب دعا یا ورد کی تلقین فرمایئے۔

جواب :- ورد کی تجویز، میرے نزدیک اس کا درجہ تربیت میں مسائل زیر کلام کے بعد ہے آگے جیسا ارشاد ہو حاضر ہوں۔

مضمون :- مولوی عبدالحئی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے دم آخر آپ کا ایک رسالہ بھیجا، "آئینہ تربیت" اور ساتھ دوسرے تیسرے دن وفات کی اطلاع ملی۔ غفرلہ الاحد۔

والسلام

---

[1] تعبیر سے قاصر تو کیا تھے، البتہ راقم آثم کا گمان غالب یہ ہے کہ اول مرحلہ میں اس طرح کا روکھا یا حقیقتاً اصولی جواب دینے میں حکمت یہ تھی کہ سالک کی نظر ابتداءً تصوف کے غیر مقصود امور سے ہٹی رہے۔ واللہ اعلم

جواب : - رسالہ ''آئینہ تربیت'' مولانا کی یادگار ہے! مگر یہ صرف ایک مختصر فہرست ہے جو کہ مفصل مضامین دیکھنے کے بعد یادداشت کے لئے اشارات ہیں وہ مفصل مضامین ''تربیت السالک'' میں ہیں۔ اطلاعاً عرض کیا۔[1]

والسلام

از تھانہ بھون۔ ۲۹ ر شوال ۱۳۴۸ھ

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۱۰۷۔

باب ۴

اصلاحی مکاتبت کے متفرق خطوط اور مختلف احوال

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ کی غایت درجہ تواضع وادب

مضمون :- مجھے کبھی اکابر وخواص امت سے مکاتبت کا اتفاق نہیں ہوا، اس لئے ڈرتا ہوں کہ معلوم نہیں کہ میرے قلم سے جو نکلتا ہے اور جس طرح نکلتا ہے وہ حضرت کے انقباض کا سبب نہ ہو۔

جواب :- میں تو اکابر میں سے نہیں، دوسرے اخلاص خود مانع انقباض ہوتا ہے۔

مضمون :- امید ہے کہ ایسے موقع پر مسامحت نہ فرمائی جائے۔ بلکہ سرزنش کی جائے کہ نفس کو تنبّہ ہو۔

جواب :- استلزام محال للمحال کے درجہ امتثال کا وعدہ۔

مضمون :- میں اپنے یہ احوال لکھتا ہوں، مگر دل میں کھٹک رہتی ہے کہ آیا مجھے یہ حضرت کے سامنے عرض کرنا چاہئے یا نہیں۔

جواب :- بہت ضروری، اور اس میں پوری آزادی سے کام لیا جائے، میرا بھی نفع ہے شاید آپ کے سوال کی برکت سے جواب القا ہو جائے۔

مضمون :- عجیب بات ہے کہ والا نامہ پا کر بہت خوشی ہوتی ہے لیکن اس خوشی میں آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔

جواب :- یہ کبھی خوشی کا اثر ہوتا ہے اور کبھی خوشی سے بالاتر محض جوش محبت کا جس کو ہمارے حضرت شیخؒ نے گرم بازاری عشق کا لقب عطا فرمایا ہے۔ والسلام

اشرف علی

خطوط میں حضرت تھانویؒ کے تعظیمی القاب لکھنے پر

حضرت سید صاحب کا تائثر اور حضرت تھانویؒ کا جواب

مضمون :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ کو پڑھ کر آنکھیں آبدیدہ ہوئیں کہ حضرت نے اس قدر نوازش فرمائی۔

جواب :- میں اپنے ذمہ کا حق بھی ادا نہ کرسکا، نوازش تو کیا ہوتی۔

مضمون :- حضرت کا ہر فعل مصلحت پر مبنی ہوتا ہے جس میں دخل دینا مجھ جیسے مبتدی کا کام نہیں، تاہم ایک خطرہ محسوس کرتا ہوں اس لئے عرض سے چارہ نہیں۔ حضرت میرے لفافہ پر جو کچھ الفاظ دعائیہ لکھتے ہیں وہ تو میرے لئے آب حیات ہیں مگر نام سے پہلے میری تطیب خاطر یا حضرت اپنے فرط خلق سے الفاظ تعظیمی لکھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں، ڈرتا ہوں کہ میرے لئے عجب وخود بینی کا سبب نہ بنے حضرت میری مصلحت کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

جواب :- ماشاءاللہ آپ کو یہی زیبا ہے لیکن اس کا ایک سہل علاج ہے کہ اگر ایسے الفاظ میری تحریر میں سے گذرا کریں ان کو حال پر محمول نہ کیا کیجئے بلکہ استقبال اور حسن فال پر محمول کرلیا کیجئے، اس میں کوئی خطرہ نہیں، انشاءاللہ۔ اشرف علی

ادب ومحبت کا خط

مضمون :- از ہیچمداں۔

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالی بفیوضہٖ۔

جواب :- مکرمی دام مجدھم للدّین ولھذا المسکین .

مضمون :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب :- السلام علیکم۔

مضمون :- والا نامہ موجب عزت ہوا۔

جواب :- میرا یہ اعتقاد ہے کہ اس کا وصول کر لینا میری مسرت کا موجب ہوا، باقی رہی عزت سو اس سے زیادہ مطلوب مسرت ہے کہ اس کا اثر اپنے اندر ہوتا ہے اور عزت کا اثر دوسروں پر اور خود اپنی غذا دوسری کی غذا سے اہم ہے۔ اشرف علی

مضمون :- از ہیچمدان۔

بخدمت حضرت اقدس دام فیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جواب :- السلام علیکم۔ یہی اعتقاد (ہیچمدانی کا) ہمہ دانی کی مفتاح ہے۔

مضمون :- دوستوں کی زبانی مراجعت تھانہ بھون اور صحت مزاج گرامی کی خبر ملی جس سے مسرت ہوئی، ادام اللہ بقاءکم فینا بالصحۃ والعافیۃ والسلامۃ۔

جواب :- جزاکم اللہ تعالیٰ علی ھذا المحبۃ۔ اشرف علی

حضرت تھانویؒ کی تصانیف ومواعظ سے استفادہ اور ان کی اہمیت

از ہیچمداں

حضرت اقدس دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مضمون :- حضرت والاؒ کی متعدد تصانیف ''بہشتی زیور'' حیوۃ المسلمین صفائی معاملات اور مواعظ مختلفہ اشرف العلوم زیر نظر رہتے ہیں، ان کا اثر ہے کہ میں اپنی نظر میں

آپ بے وقعت ہوگیا، **اعوذ باللہ من علم لا ینفع** کی حقیقت جلوہ گر ہوگئی، ان مواعظ میں عوام تو عوام اہل علم کے لئے بھی کیسی بصیرتیں ہیں، ان میں بہت سے ایسے نکات علمی ملے، جن تک اپنی راہ پہلے گو پہنچ چکا تھا، مگر ان کو ان تصانیف میں پڑھ کر ذوق تازہ بہم پہنچا اور کتنے ایسے شبہات علمی تھے جو ان اوراق شریفہ کے مطالعہ سے دور ہوگئے۔ **فبحمد اللہ تعالی.**

جواب :- **ھنیئا لکم ھذہ العلوم ورزقنیھا ببرکۃ حسن ظنکم.**

مضمون :- بحمد اللہ معمولات جاری ہیں اللہ تعالی استحکام واستقامت ارزانی فرمائیں۔

جواب :- آمین۔

مضمون :- ان دنوں تذکرۂ رشیدیہ کا مطالعہ رہا، اور معلوم ہوا کہ علماء صالحین وکاملین کی تصویر کیسی ہوتی ہے، اس سے جذبہ عمل کو بھی تقویت ہوئی۔ فبحمد اللہ۔

جواب :- **زادکم اللہ نفعا.**

مضمون :- کمالات اشرفیہ اور بعض حصص مواعظ مطالعہ میں ہیں۔

جواب :- اللہ تعالی آپ کے حسن ظن کے واسطہ سے ان کو نافع فرمادے۔

مضمون :- اب میں نے دو ہفتوں سے صلوۃ اشراق کی بھی پابندی شروع کی ہے، حق تعالی استقامت بخشیں۔

جواب :- آمین۔

مضمون :- انفاس عیسیٰ اور امداد الفتاویٰ کی جلدیں ان دنوں مطالعہ میں ہیں۔

جواب :- **نفعکم اللہ بھما.** اشرف علی[1]

---

[1] النور ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

حضرت تھانویؒ کی تصانیف سے متعلق سید صاحب کا ایک طرز عمل

مضمون :- ہمارے اطراف میں حضرت کا اسم گرامی تو سب جانتے ہیں مگر ہدایات وتعلیمات ورسائل وتصنیفات سے لوگوں کو محرومی ہے، میرے حضرت سے تعلق کا جن لوگوں کو علم ہوا وہ حضرت کی تصانیف کے شائق ہوئے اور میرے پاس جو چیزیں تھیں وہ ان کو دے رہا ہوں، معلوم نہیں ایک مبتدی کی یہ جرأت کہاں تک درست ہے۔

جواب :- ابتداء فی القدم مستلزم نہیں ابتداء فی العلوم کو ایسی ہستی کو جامع شرائط خیر الناس من ینفع الناس کا (مصداق) قرار دے کر اس پر عمل جائز ہوگا۔

بزرگوں کے علمی تحریری تبرکات نافع ہیں یا نہیں

مضمون :- ہمارے وطن میں جناب شاہ تجمل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متروکات میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت مولانا قاسم صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت حاجی صاحب رحمھم اللہ تعالی کی تحریریں اور خطوط کی زیارت اور مطالعہ کی سعادت ملی۔ مولانا عبدالغنی صاحب بہاری صاحب شمائم امدادیہ کی دوسری شادی بھی اس قریہ میں اور اسی گھر میں ہوئی تھی، ان کی بدولت بھی کچھ برکات کاغذی یہاں موجود ہیں۔ نفعنا اللہ تعالی بھا۔

جواب :- تبرکات جب کہ موجب تحرّکات ہوں ایک درجہ میں نافع ہیں ایک شرط ان میں خلو عن المنکرات ہے جلیۃ کانت او خفیۃ ومن الخفی تصرف الناظرین والحافظین فیھا مع کونھا مشترکۃ وقل من تنبہ لھا۔[1]

---

[1] النور ۱۳۶۲ھ ربیع الاول ص ۲۸

ناکامی بھی نعمت ہے

مضمون :- خاکسار آج دو ہفتوں سے اپنے وطن میں ہے جو......میں ایک دیہات ہے اور جو پہلے بزرگوں کے زمانے میں علماء اور مشائخ سے معمور تھا، یوں تو خاکسار گرمیوں کے موسم میں مع اہل وعیال وطن آیا کرتا تھا، مگر اس سال مزید تقریب یہ ہے کہ خاکسار کی بڑی لڑکی کا نکاح یہاں عزیزوں میں چچازاد بھائی سے درپیش ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت کون جان سکتا ہے کہ اس سے پہلے جب چھ ماہ قبل تاریخ مقرر ہوئی، تو لڑکے کے باپ نے وفات پائی، یہ دونوں میرے چچازاد بھائی تھے، اور اب یہ ذمہ داری اس ناتواں کے سر ہے۔ یہ ذاتی حالات اس لئے عرض خدمت ہوئے کہ حضرت کے کلمات میرے لئے تسکین کا باعث ہوں گے۔(انشاءاللہ تعالیٰ)

جواب :- بزرگوں سے کان میں پڑا ہے کہ جیسے مداوات میں کامیابی نعمت ہے اسی طرح ناکامی بھی نعمت ہے، جیسے غذا کا عطا ہونا نعمت ہے اسی طرح مریض کے لئے (وکلنا مریض) دوا کا عطا ہونا نعمت ہے، اگر اس نعمت میں صحت ہے جو خود شرط لذت بھی ہے۔[1]

واقعات وحوادث میں بھی رحمت وحکمت ہے

مضمون :- (بعض واقعات کے ذکر کے بعد) ان حالات وافکار نے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے، معمولات میں بحمد للہ فرق نہیں آیا مگر خطرات وخیالات کی یورش نے ذکر ونماز کی یکسوئی اور طمانیت میں فرق ڈال دیا ہے، الا تہجد کہ وہ ہجوم افکار سے بحمد اللہ پاک ہے۔

جواب :- ایسے واقعات وتشویشات میں بھی رحمت وحکمت ہے کہ ان سے انکسار وافتقار پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] النور محرم ۱۳۶۲ھ

بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کرنے کی اہمیت

مضمون :- انہیں ایام میں ایک اور ابتلاء پیش آیا، ہمارے وطن میں مسجد ہمارے گھر سے کچھ فاصلہ پر ہے پھر بھی حضور جماعت فی المسجد کی توفیق شامل حال ہے، ہماری طرف ان دنوں سخت گرمی اور حدت شمس اور لو کی شکایت تھی ظہر کی نماز باجماعت میں اس حالت گرما کو دیکھ کر شمول کی نیت مذبذب ہو رہی تھی، مگر بار بار آیت **قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا** زبان پر بے ساختہ آ رہی تھی، اور توکل بخدا منھ لپیٹ کر مسجد کو گیا اور آیا، تقدیر یہ کہ چہرہ میں لو لگ گئی اور کئی وقت شہود جماعت اور حضورِ مسجد سے محرومی رہی اور ایام مشغولی میں پہلی دفعہ معمولات سے معذور رہا، اس سے دل نے یہ سبق لیا کہ ہم جیسے خفیف الہمت کا ایسے موقع پر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرنا شاید موجب حرمان ہوا۔

جواب :- حرمان تو خدا نہ کرے کیوں ہوتا جب کہ مضاعفاً اجر ملتا ہے عمل کا بھی اور مشقت کا بھی یہ تو زمانۂ عمل ہے اور اس سے جو معذوری پیدا ہوگئی ہے اس میں بھی ایک اجر عمل حکمی کا عطا ہوتا ہے جیسا حدیث میں زمانہ عذر میں اجر مثل کا لکھا جانا وارد ہے، البتہ کیفاً جو رخصت پر ثمرات مرتب ہوتے اس میں من وجہ نقصان کا موجب ضرور ہو گیا اور وہ ثمرات یہ ہیں۔

اعتراف اپنے عجز کا، شکر انعام رخصت کا، مشاہد رافت محسن کا۔ افناء دعوت قوت کا و لـلآخذین الرخصة امثالها اسی لئے وارد ہے۔ ان الله یحب ان یوتیٰ رخصه کما یحب ان یوتی عزائمه اور بعض تعلیمات میں جو اتباع رخصت کا غیر مرضی ہونا وارد ہے تر ددات طویلہ کے بعد ایک محقق کے کلام میں اس کا محمل نظر سے گزرا یعنی جو رخصت خود اس نے تاویل سے بنائی ہو شارع سے اس میں اذن نہ ہو۔[1]

---

[1] النور ربیع الاول ۶۲ ۱۳ھ

ایک خواب

مضمون :۔ پرسوں شب کو خاکسار نے رویا میں حضرت کو سامنے پایا، میں دوزانو ہوں اور حضرت بھی اسی ہیئت سے ہیں اور یہ ناکارہ ہاتھ حضرت کے دست مبارک میں ہے، حضرت نے حلقہ ارادت میں داخل کیا اسی اثناء میں ایک لڑکے نے کچھ خس وخاشاک سامنے ڈال دیئے، میں نے ادباً اس کے ہٹانے کی جرأت نہ کی، اس کے بعد حضرت کسی سفر پر روانہ ہوئے اور مجھے ہمرکابی کا شرف بخشا حقق اللہ تعالی ذلک۔

لا یلتفت الی الرویاء اذا رزق الرویة

جواب:

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شہ گناہ[1]

---

[1] النور، ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ص:۵

باب ۵

سید صاحب کے نزدیک اصلاح باطن کا ضابطہ اور راہ سلوک کا خلاصہ اور حضرت تھانویؒ کا تشریحی جواب

مضمون :- حضرت کے فیضان صحبت میں جو حقائق مجھ پر ظاہر ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلی چیز ذکر اللہ قلباً ولساناً علی کل حال۔

(۲) دیانت اور تقویٰ کا لحاظ ہر کام میں۔

(۳) اہتمام ادائے فرائض باحسن وجوہ۔

(۴) احتراز عن المعاصی کبارہا وصغارہا۔

یہی چار باتیں خلاصہ معلوم ہوئیں اور انہیں کے اہتمام میں عمر گزارنا ہے۔

جواب :- عین عرفان ہے لیکن متن کے درجہ میں جو محتاج شرح ہے جیسا مشہور ہے، کافیہ کافی ست باقی دردسر، یعنی بانضمام شرح جامی، اس شرح کی مثالیں معروض ہیں۔

(۱) یہ حدیث النفس وکلام نفسی کے درجہ تک ہے اس کے ساتھ ضرورت فکر کی ہے، خواہ اپنی اصطلاح میں اس کو ذکر کی فرد بنالی جائے، قرآن مجید میں **يَذْكُرُونَ اللّٰهَ** کے بعد **يَتَفَكَّرُونَ** بھی ہے۔

(۲) ظاہراً بھی باطناً بھی **کما ورد التقویٰ ھھنا واشار ﷺ الی صدرہ۔**

(۳) مع التوابع من السنن والتطوعات لان الطاعات کلها سواء فی لزوم اداء حقوقها.

(۴) سواء کانت ظاهرة او باطنة لقوله تعالی وذروا ظاهر الاثم وباطنه ودخل فیها الکبر والریا وحب المال والجاه وغیرها من الرذائل ویتبع الاحتراز الاستغفار اذا صدر شئ منه لا سیما حقوق العباد من الاموال والاعراض.

اس تفصیل کے ساتھ ان کا خلاصہ طریق ہونا صحیح ہے، ورنہ سب آٹھ نو ہیں۔

ولا مشاحة فی الاصطلاح ولکل اصطلاح وجهة.[1]

کیفیات سے متعلق تحقیق

مضمون :- باقی جوش طبیعت و کیفیات مطلوب نہیں وارد ہوں تو بہتر ورنہ بالقصد اس کے درپے نہ ہو۔

جواب :- بالکل صحیح ہے اس کے ساتھ ہی اگر کیفیات محمودہ پیش آویں، حق تعالی کی نعمتیں ہیں جن پر شکر واجب ہے باقی ان کا محمود و نافع ہونا شیخ کی تحقیق پر موقوف ہے لیکن ان سے حرمان یا بعد عطاء کے فقدان یہ بھی مصالح کے اعتبار سے نعمت ہے اور یہ بھی شیخ کی رائے پر ہے۔

مضمون :- حضرت میرے اس بیان کی تصویب یا تصحیح فرمادیں۔

جواب :- گو مجھ میں اتنی لیاقت نہیں لیکن مشورہ کے درجہ میں امتثال امر کردیا، دعائے توفیق وہدایت کا طالب ہوں۔[2]

---

[1] النور ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ص:۶ [2] النور، بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

رسالہ قیدالعلو عن کیدالعدو

سید صاحبؒ کا مکتوب مع جواب

حضرت حکیم الامت تھانویؒ

مضمون :— از ہیچمداں بحضرت اقدس متعنا اللہ بفیوضہٖ وبرکاتہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب :— محترمی زاداللہ تعالیٰ عرفانہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مضمون :— مکرمت نامہ نے سعادت تازہ بخشی، حضرت نے میرے متن کی جو شرح ارشاد فرمائی ہے، اس سے اپنی نظر کا قصور معلوم ہوا۔

جواب :— قصور پر نظر بھی مفتاح ہے کمال کا۔

مضمون :— بے شبہ اگر یہ تنبیہ مبین ارشاد نہ فرمائی گئی ہوتی تو میرا خلاصہ ناکافی ہوتا۔

جواب :— آپ کی سلامت فطرت سے ایک وقت میں اس کے کافی ہوجانے کی امید تھی۔

مضمون :— اب خاکسار نے اپنے متن اور حضرت کی شرح کو یک جا کرلیا ہے۔

جواب :— متعکم اللہ بہ وایانا.

مضمون :— اور جو انشاء اللہ میری زندگی کا کامل ہدایت نامہ ہوگا۔

جواب :— اعانکم اللہ تعالی.[1]

---

[1] النور ماہ ذالحجہ ۱۳۶۱ھ ص ۹

بلا طلب کسی منصب واعزاز قبول کرنے سے متعلق سید صاحبؒ کا استفسار اور حضرت تھانویؒ کا جواب

مضمون :- اس شرح میں امراض روحانی مثلاً ریاء و کبر و فخر وحب جاہ و مال وغیرہ سے پاک ہونے کی بھی ہدایت فرمائی گئی، اس سلسلہ میں عرض ہے اللہ تعالی کا یہ عجیب معاملہ اس بے استحقاق کے ساتھ ہے کہ خاکسار نے کبھی کسی منصب یا عہدہ کے لئے یا کسی اعزاز کے لئے کبھی جدو جہد نہیں کیا بلکہ اکثر اشراف نفس بھی نہیں ہوا۔ مگر اللہ تعالی نے مجھے خلق میں ظاہری قومی و علمی مناصب کے اعزاز بلا طلب مرحمت فرمائے، اب تک مجھے اس بارہ میں صرف اس قدر اہتمام رہا کہ میری طلب اور اشراف نہ ہو، اور مل جائے تو قبول کرلیا اب اس باب میں حضرت کی ہدایت کا منتظر ہوں کیوں کہ ایسے موقع پیش آتے رہتے ہیں، شرم وحیاء کو کچھ دیر نظر انداز کرکے یہ بھی عرض کروں کہ بحول اللہ تعالی وفضلہ، یہ چیزیں نفس میں فخر و کبر کا موجب اب تک نہیں بنیں، یہ صرف اللہ تعالی کا فضل ہے ورنہ بندہ کی کیا مجال جو کچھ کہہ سکے یا کر سکے حضرت سے اپنے کسی عیب کا چھپانا طبیب سے اپنی بیماریوں کا اخفا ہے، اس لئے عرض کی ضرورت ہوئی۔

جواب :- مشورہ میں تو برکت ہی برکت ہے، جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اپنی ذات میں تو یہی کافی ہے اور اخیر حالت منتہی اور کامل کی یہی ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ طریق غامض بہت ہے اور اس کا پورا مصداق ہے ؎

در راہ عشق وسوسہ اہر من بسے ست

اس لئے احتیاط بلیغ سے اس میں کام لیا گیا ہے اور مصرعہ اولیٰ کے ساتھ دوسرا مصرعہ اس پر ترتب کے طور پر لگایا گیا ہے۔ ع

ہشدار و گوش را بہ پیام سروش (وحی) دار

اور وحی بتلاتی ہے کہ **فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** جس سے دو امر پر صاف دلالت ہے ایک یہ کہ اس کے مکائد دقیق ہیں، دوسرا یہ کہ ان مکائد پر فقیہ کو اللہ تعالیٰ مطلع فرما دیتا ہے۔

اس لئے اس کی ہستی شیطان پر اشق ہے پس ان کے مکائد میں سے ایک مکیدہ یہ ہے کہ سالک پر تلبیس کر دیتا ہے، یعنی کسی مقدمۂ معصیت سے جلدی کام نہیں لیتا، سالک جب اس میں رنگ معصیت نہیں پاتا تو اس کے مقدمہ ہونے سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے، پھر اس سے ایسے وقت کام لیتا ہے کہ وہ **لا یدری ولا یحتسب** کے درجہ میں آ جاتا ہے اس لئے مصلحین شبۂ ضعیفہ میں بھی معالجہ کی ضرورت سمجھتے ہیں، چنانچہ اس شبہ میں آئمہ طریق نے یہ تدبیر کی ہے کہ افعال مباحہ جو صورۃ ذلت ہوں اختیار کرتے ہیں مگر اس نادان نے اس میں بھی ایک فتنہ سمجھا ہے یعنی شہرت اس لئے ایک دوسرا علاج تجویز کیا ہے، یعنی ایسے اعزاز و امتیاز کے اوقات میں استحضار اپنے عیوب و ذنوب و نقائص و رذائل کا اور ساتھ ساتھ تکرار استغفار کا، اس کا مدت طویلہ تک التزام رکھا جائے جب تک مبصر شہادت صحت کے راسخ ہونے اور علاج کے ضروری نہ ہونے کی نہ دیدے۔ فقط۔

مضمون :- حضرت نے میری عرض پر حبّ جاہ و مال کے جن حقائق اور ان کے غیر محسوس رگ وریشہ کی طرف متنبہ فرمایا بے شبہ وہ میری ظاہر بین نگاہ سے اوجھل تھے، حضرت کی تنبیہ سے متنبہ ہوا اور اب ہر واقعہ کے وقت بحمد للہ تعالیٰ ان پر نظر پڑنے لگی اور جب کوئی رگ وریشہ نظر آیا، حسب الامر استغفار کیا اور اپنے عیوب و نقائص کا استحضار اور اس علاج سے فائدہ پاتا ہوں۔

جواب :- هنیأ لکم علم الحقیقة والعمل (دوسرا مصرعۂ بیساختہ ذہن میں نہیں آیا)[1]

---

[1] النور، صفر ص ۹، ۱۳۶۱ء ۱۳۶۲ھ و ۱۳۶۲ھ تربیت السالک ج ۳

اصلاح باطن کا طریقہ وترتیب

مضمون :- اب دل میں خلش یہ ہے کہ اس تحلیہ بالفضائل اور تخلیہ عن الرذائل کا کام کس نہج اور کس ترتیب سے شروع کیا جائے کہ الاھم فالاھم کے اصول کے مطابق ہو اب اس کے لئے حضرت ہی کی خدمت بابرکت میں درخواست ہے کہ میرے لئے میری صلاحیت واستعداد ناقص کے پیش نظر کوئی طریق متعین فرمایا جائے۔

جواب :- گو بعض اکابر نے (کالغزالیؒ فی منہاج العابدین) اس میں کسی قدر ترتیب کی بھی رعایت فرمائی ہے، مگر ممکن ہے کہ وہ ان کے اجتہاد میں اکثری ہو اور اس وقت تجربہ سے اکثری بھی نہیں رہا اور میرے ذوق میں تو کبھی بھی اکثری نہیں ہوا بلکہ شریعت کے دوسرے توسعات وسہولات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علاج میں طبیب یا مریض کو ایسے قیود کا مقید نہیں کیا گیا بلکہ میرے تجربہ میں یہی طریقہ سلوک رہا کہ جس وقت جس مرض کا احساس ہوا۔(**وھذا یختلف باختلاف الاحوال والرجال کما فی الطب الجسمانی**) اس وقت طبیب سے مشورہ کرلیا گیا اور اس مشورہ پر عمل کر کے علاج کیا گیا اور اس علاج کے نافع ومؤثر ہونے کے لئے کسی دوسرے مرض کا رہنا مانع نہیں ہوتا،(**بھذا یتمیز ھذا الطب من الطب الجسمانی**) اور یہ نعمت ہے حق تعالیٰ کی (**اللھم الا قلیلا واذا وقع یراعیه الطبیب**) امید ہے کہ جواب ہوگیا ہوگا۔

والسلام۔[1]

---

[1] النور، ص:۱۹، ماہ صفر ۱۳۶۲ھ

حضرت سید صاحب کے بعض احوال رفیعہ

مضمون :- عرض کیا تھا کہ مجھے اپنی ہر بات میں بڑائی اور اپنی تعریف سننے کو جی چاہتا ہے اور میرے ہر کام میں سستی پائی جاتی ہے، ارشاد ہوا کہ ان دونوں کے درجے ہیں، اختیاری اور غیر اختیاری کون سے درجہ کی شکایت ہے، اس سے یہ سمجھا کہ جس حد تک غیر اختیاری ہے وہ معذور ہے لیکن جو اختیاری ہے اس کو دور کیا جائے اگر یہ میری تقصیر فہم ہے تو تنبیہ فرمائی جائے۔

جواب :- ماشاءاللہ تفسیر میں ذرا بھی تقصیر کا احتمال نہیں۔

مضمون :- بحمداللہ کہ تکبر نہیں، مگر تکبر سے ڈرتا ہوں یہی سبب سوال تھا۔

جواب :- یہ ڈر ہی تو جالب رحمت ونصرت ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اس میں نص ہے۔

مضمون :- اس دفعہ عمر میں پہلا رمضان گیا جس میں نہ جسم نے نہ روح نے کمزوری دکھائی یعنی روزہ میں مشقت کے بجائے فرحت نصیب ہوئی اور آخری تراویح کے دن تھکن اور تکان کے بجائے یہ حسرت محسوس ہوئی کہ یہ برکت آج رخصت ہو رہی ہے۔

جواب :- حبّ عبادت حب معبود سے ناشی اور دولت عظمیٰ ہے۔[1]

---

[1] النور، ماہ صفر ۱۳۶۱ھ، ج:۲۲

طبعی سستی وکاہلی کے باوجود حکم پر عمل کرنا بڑے اجروثواب کا باعث ہے

مضمون :- میں نے اپنی سستی کی شکایت کی تھی، حضرت نے پوچھا تھا کہ یہ طبعی ہے، یا اور کسی سبب سے، سو وہ طبعی تھی اور میں اس سے ملول تھا آج حضرت کے وعظ ملقّب بہ ''شعبان'' میں اس بیان کو پڑھا کہ طبعی سستی پر پھر احکام کو بجالانا بھی حامل ثواب ہے[1] اس سے میرا وہ ملال آج خدا کا شکر ہے کہ دور ہوگیا، اور انبساط عجیب کا باعث ہوا، اور خیال ہوا کہ شاید **وضو علی المکارہ** جو حدیث میں آیا ہے اس سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہو۔

جواب :- بالکل صحیح ہے، اور نصوص میں اس کی صریح تائیدات بہت ہیں[2]

---

[1] وہ مضمون یہ ہے ''کسل طبعی منافی ایمان نہیں مثلاً اٹھتے وقت صبح کی نماز کے وقت طبیعت کسل مند ہوتی ہے اور گھسٹ کر اٹھتا ہے تو خود ان کو بھی شبہ ہوتا ہے اور دوسرے بھی کہتے ہیں۔ **اِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالیٰ .**

یہ منافقین کا ذکر ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مند ہونے کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، پس اس سے نفاق کا حکم لگا دیتے ہیں، سو سمجھ لو ایک کسل ہے طبع کی کمزوری کی وجہ سے اور ایک ہے ضعف اعتقاد کی وجہ سے، سو جب باوجود ضعف طبیعت کے بھی طالب حق اٹھتا ہے تو یہ اور زیادہ دلیل ہے ایمان کی، اکثر ذاکرین ایسی حالت کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم منافق ہوگئے میں لکھ دیتا ہوں کہ تم شوق سے اٹھنے والوں سے بڑھ کر ہو، تم کو ایمان اٹھاتا ہے اور شوق سے اٹھنے والے کو شوق اٹھاتا ہے، جس میں وہ مجبور ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جیسے انجن میں آگ بھر دی جائے تو وہ مجبوراً گاڑیوں کو لے اڑے گا، تم نفس سے کشاکشی کرتے ہو پس یہ کسل طبیعت کا ہے اعتقاد کا نہیں۔

(وعظ شعبان ملحقہ حقیقت عبادت، ص:۴۸۸)

[2] النور، ماہ صفر ۱۳۶۱ھ، ص:۴

باب ۶

ذکر، توجہ، تصور سے متعلق مضامین

توجہ کی خواہش اور حضرت تھانویؒ کا جواب

مضمون :— توجہ کی نسبت حضرت کے کلام میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عارضی فائدہ کی چیز ہے، مگر شاید معین عمل تو ہوگی۔

جواب :— احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے اور دوسرے احیان میں مانع بھی ہوجاتا ہے جیسے رکوب کی عادت والا مشی علی الرجل سے (یعنی سواری پر چلنے کا عادی پیدل چلنے سے) عاجز ہوجاتا ہے، اور مرکب (سواری) نہ ملنے کے وقت سفرالمقصود سے محروم۔

مضمون :— زیادہ کیا عرض کروں۔ ع

در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است

جواب :— مجھ جیسا طالب علم خوگر کلام ایسا کریم کب ہوسکتا ہے۔

مضمون :— میں نے توجہ کی خواہش کی تھی جواب سے تشفی ہوئی اور مصلحت سمجھ میں آئی، پھر وعظ، وحدۃ الحب میں پڑھ کر مزید تشفی ہوئی، مگر میں تصور میں بلا مقصد آپ سے باتیں کرتا ہوں، پھر تنبّہ ہوجاتا ہے۔

جواب :— دونوں میں منافع ہیں اول میں مقدمہ کی شان ہے، ثانی میں مقصود کی۔

ذکر جہری اور توجہ معروف کے متعلق تحقیق

مضمون :- میرے والد مرحوم ابوالعلائی طریقہ کے شیخ تھے اور بھائی مرحوم مجددی حضرت شاہ ابواحمد صاحب بھوپالی کے مرید و خلیفہ تھے، بچپن میں ان دونوں بزرگوں نے اپنے حلقہ میں مجھے شامل کیا، والد صاحب مرحوم ذکر جہری معروف کراتے تھے، مگر مجھے رغبت نہ ہوئی، بعد کو مجھے یہ کچھ بدعت سا معلوم ہونے لگا، "قصدالسبیل" میں حضرت نے ادھر جو اشارہ کیا ہے اس سے تسکین ہوئی کہ نفس ضرب اور طریقہ ضرب کوئی ثواب کا کام نہیں آپ نے ضرب کی اجازت دی ہے، مگر ابھی تک اس پر عمل نہ کرسکا، اور میلان نہیں پاتا۔[1]

جواب :- اجازت مستلزم ترجیح نہیں، راجح فی نفسہ خفی ہے، اور بعض مصالح کی بنا پر غیر مفرط بھی مطلوب ہے، اور مغلوبیت میں مفرط بھی عفو ہے۔

مضمون :- بھائی صاحب مرحوم توجہ دیتے تھے، اور مراقبہ کراتے تھے مگر بچپن تھا، قدر اس نعمت کی نہ ہوئی پھر ایام تعلیم میں اور احوال پیش آئے جو ادھر سے مانع اور حاجب بن گئے

جواب :- اس میں تو ذکر جہر سے زیادہ بدعت کا شبہ ہے گو دونوں شبہے غلط ہیں، مگر ذکر جہر کی اصل منقول تو ہے یہ تو کہیں منقول ہی نہیں۔[2]

دلجمعی اور خیال کی مرکزیت کے لئے کسی تصور کو قائم رکھنا

مضمون :- اب حضرت کے فیض سے اس عمر میں جب خمسین و ستین کے بیچ کی منزل ہے پھر ادھر پلٹنا ہوا، عرض یہ ہے کہ ذکر کے وقت خیال کی مرکزیت کے لئے کسی تصور کو قائم رکھنے کا خیال دل میں پہلے کی طرح پیدا ہوتا ہے کیا کوئی ہدایت اس باب میں مل سکتی ہے۔

جواب :- اس کا انجام تشبیہ کا غلبہ ہے تنزیہ پر جو نہایت خطرناک ہے، اگر کوئی مرکز

---

[1] النور، ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ [2] النور، ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ ص:۶۔

قائم بھی ہو گیا تو وہ غیر مقصود کام ہوگا، اور ذاکر اس کو مقصود سمجھے گا تجویز کردہ ہر تصور خلاف واقع ہوگا۔

مضمون :- میں نے عرض کیا تھا کہ مرکزیت خیال کے لئے ذکر کے وقت کیا تصور قائم کیا جائے ارشاد ہوا یہ مرتبہ تنزیہ کے خلاف ہے یہ بات میرے دل میں بھی آ رہی تھی مگر ایک دفعہ خود بخود کعبہ کا خیال آ گیا اور میں اس میں اپنے تصور میں مقام ابراہیم میں بیٹھ کر ذکر کرنے لگا مگر وہ چیز آنی تھی، جاتی رہی اتفاق سے حضرت کے ایک وعظ میں اوپر اشارہ پایا۔ (حوالہ ڈھونڈا مگر اس وقت نہیں ملا) کیا ارشاد ہے۔

جواب :- میں کلمہ "ادھر" کا اور کلمہ "حوالہ" کا مدلول نہیں سمجھا۔

مضمون :- از ہیچمدان

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالی بفیوضہ

جواب :- **جعل الله تعالى هذا التواضع مفتاحا للرفعة.**

مضمون :- صحیفہ شریفہ نے بشاشت تازہ بخشی، جس فقرہ کا مدلول میرے قصور بیان کی وجہ سے واضح نہیں ہوا تھا، اس کی توضیح یہ ہے۔

جواب :- یہ بھی ہے کہ میرے ادراک دماغی کا قصور ہو۔

مضمون :- ایک دفعہ اتفاقاً ہنگام ذکر کعبہ مقدس کی صورت سامنے آ گئی اور میں اپنے تصور میں مقام ابراہیم پر بیٹھ کر مصروف ذکر ہوا۔ اتفاق سے اس کے دوسرے دن میں نے حضرت کے ملفوظات مندرجہ اشرف العلوم بابت ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ صفحہ ۱۱ میں **لا صلوۃ الا بحضور القلب** کی تشریح میں یہ پڑھا کہ:

"پھر اس احضار مامور بہ کی کامل صورت یہ ہے کہ مذکور کی طرف متوجہ رہے، یا مثلاً یہ سوچے کہ کعبہ کی طرف منھ کئے کھڑا ہوں اور کعبہ سامنے ہے"، انتہی

اس کی نسبت استفسار تھا کہ ذکر میں کعبہ کا تصور کہ میں اس کے سامنے بیٹھا

ہوں کیا جائے تو کیسا ہے۔

جواب:- اب جواب عرض کرتا ہوں کہ ابتدائے سلوک میں دفع خطرات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، منتہی کو اس کی چنداں حاجت نہیں۔

اور یہ ابتداء وانتہا باعتبار مراتب قرب عند اللہ کے نہیں، بلکہ اصطلاحی ضابطہ کی باعتبار حالت ظاہری نصاب طریق کی ہیں)

اگر اس مراقبہ سے دفعہ خطرات میں اعانت ہوتی ہو تو اس کو اختیار کیا جائے۔

مضمون:- نماز میں توجہ کے لئے حضرت نے جو تجویز اپنے ملفوظات وتحریرات میں فرمائی، کہ الفاظ کو ارادہ کے ساتھ سوچ سوچ کر پڑھا جائے میرے لئے بہت مفید ہوئی ہے۔ **فبحمد الله.**

جواب:- **رزقکم الله ثمراته.**

ذکر کی کوئی خاص ہیئت مقصود نہیں

مضمون:- ذکر کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا، ذکر کی کوئی خاص صورت میرے لئے فرمائی نہیں گئی ہے۔

جواب:- کوئی خاص ہیئت مقصود بالذات نہیں جتنے امور اس قبیل سے منقول ہیں سب استعداد کے اختلاف سے درجۂ معالجہ میں ہیں، جیسے طبیب نے ایک ہی مرض کے دو مریض کے لئے ایک ہی اجزاء تجویز کئے لیکن ایک کے لئے ان کا سفوف بنوایا اور ایک کے لئے اس کے حبوب بنوائے کیوں کہ وہ سفوف کو نگل نہ سکتا تھا۔

مضمون:- میرا عمل یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے تصور ذات مذکور کا بصورت نور کر کے اور کبھی قلب کی طرف دھیان کر کے کہ آواز قلب سے نکل رہی ہے اسم ذات اللہ تعالیٰ اکثر بجہر ادا کرتا ہوں اور جوش میں اکثر اضطراراً جہر ہو ہی جاتا ہے۔

جواب :- ع ہمچنین پیرو کہ زیبا میروی

البتہ صورت نور کے ساتھ تقیید اختیاراً اگرچہ بدرجہ اعتقاد نہ ہومضر ہے۔

تہجد اور ذکر کی پابندی

مضمون :- تہجد جاری ہے، اتنا اضافہ ہوا ہے کہ اس موقعہ کے ادعیۂ ماثورہ یاد کر کے پڑھنے لگا ہوں، جیسے **لک الحمد انت نور السموات والارض** اور **اللھم لک سجدت وبک آمنت** وغیرہ۔

جواب :- سنت کا مورث برکات ہونا یقینی ہے۔

مضمون : - ہمت کرتا ہوں کہ بارہ تسبیح کا شغل تہجد کے بعد شروع کروں مگر شغل کے لئے تسہیل شرح قصد السبیل میں شیخ کی موجودگی میں یعنی اس کے پاس رہ کر اس کے شروع کرنے کی ہدایت ہے، تو آیا اسی ہدایت کی پابندی کی جائے، یا مجھے ابھی سے اجازت ہوتی ہے۔

جواب : - پاس رہنا درجۂ اشتراط میں نہیں بعض مصالح کے لئے ہے جس میں زیادہ دخل ضرب اور جہر کو ہے، اگر ان کو اختیار نہ کیا جائے تو پھر پاس ہونا درجۂ مصلحت میں بھی مطلوب نہیں[1]

---

[1] النور، ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ، ص:۱۰۱ج:۳۔

باب ۷

احوال و کیفیات

ذکر کی کثرت اور خاص کیفیت

مضمون :- پچھلے عریضہ کے دن سے یعنی ۶ رمضان المبارک سے بحمداللہ کہ ذکر اللہ چھ ہزار سے بڑھا کر بارہ ہزار روزانہ جاری ہے، اللہ تعالی استقامت عطا فرمائیں۔

جواب :- آمین ، وقد فعل انشاء اللہ

مضمون :- ذکر کے اوقات کے علاوہ کبھی کم اور کبھی زیادہ بلا ارادہ بلاتحریک لسان اندر سے اللہ اللہ جاری رہتا ہے، اور ذہول بھی ہوجایا کرتا ہے، مگر ذکر کے علاوہ خشیت یا محبت کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔

جواب :- انفعالات غیر اختیاری ہوتے ہیں، اور کوئی غیر اختیاری مقصود نہیں گو محمود ہوں، ان کے ساتھ یہ معاملہ رکھنا چاہئے، کَیْلَا تَاسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاکُمْ.

مضمون :- الحمدللہ کہ بفضل وتوفیق الٰہی ذکر جاری ہے، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ زبان اس خیال سے بند ہوگئی کہ یہ گنہگار منھ اور اس سے یہ اسم اعظم واقدس ادا ہو، پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔

جواب :- دونوں محمود ہیں، پہلی کیفیت اس حال کا غلبہ ہے۔ ؎

اجب لنا مناجاة الحبیب باوجه
ولکن لسان المذنبین کلیل

اور دوسری کیفیت غلبہ مقام کا ہے اور مظہر ہے اس حقیقت کا۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم [1]

والثانی افضل۔

ذکر کی وجہ سے وجد کی کیفیت

مضمون :- بارہ ہزار کی تعداد ہر روز پوری کر لیتا ہوں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اعضاء میں وجد کی کیفیت ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی چیخ مارنے کو جی چاہتا ہے نماز میں بھی احیاناً یہ صورت نمودار ہو جاتی ہے اور کبھی کوئی کیفیت نہیں ہوتی، ذکر اللہ حدیث نفس کی طرح اکثر جاری ہو جاتا ہے، سوتے سوتے تک یہ حالت رہتی ہے مگر دوسروں اور گفتگو اور صحبت میں یہ بات جاتی رہتی ہے، ذکر میں تصور کامل یا دیر تک یکساں قائم نہیں رہتا، اس کی آرزو رہتی ہے۔

جواب :- یہ سب تغیرات نفسانیہ لازمہ فی السعادۃ ہیں، ان کے اختلاف کی طرف التفات نہ کیا جائے، البتہ اپنے مشیر کو اطلاع برابر دینا ضروری ہے۔

مضمون :- حضرت کی دعاؤں کو اپنی کشائش کار کے لئے وسیلہ سمجھتا ہوں اور اس کا طلب گار رہتا ہوں۔

جواب :- دل سے دعا گو ہوں اور اپنے لئے دعا جو بھی۔ [2]

---

[1] النور ذی الحجۃ ۱۳۶۱ھ [2] النور ذی الحجۃ ۱۳۶۲ھ

سید صاحبؒ کے بعض احوال وکیفیات

مضمون :۔ از ہیچمداں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

جواب :۔ محترمی دام لطفکم۔ السلام علیکم

مضمون :۔ والا نامہ نے سعادت بخشی اور اشکالات رفع ہوئے۔

جواب :۔ **هنيئا لكم العلم.**

مضمون :۔ بحمد اللہ معمولات جاری ہیں۔

جواب :۔ **بارك الله فيها.**

مضمون :۔ اور ان کے آثار خیر و برکت جو محض بفضل خدا میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں جن کا تصور بھی حضرت کے فیض کے بغیر میں تصور نہیں کر سکتا تھا۔

جواب :۔ **زاد الله فى ثمراته.**

مضمون :۔ ہر چند احوال وکیفیات مطلوب نہیں جو حضرت کی تحریرات سے اچھی طرح سمجھ میں آ گئی، تاہم جو وارد ہوتا ہے اس کا عرض کرنا ضروری ہے ایک دفعہ اثنائے ذکر میں یہ معلوم ہوا کہ میری روح آسمان پر پرواز کر رہی ہے، میں دیکھ رہا ہوں ساتھ ہی نظر بھی اٹھتی گئی۔

جواب :۔ یہ آثار مبتدی کو ہوتے ہیں جس سے دل بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔

مضمون :۔ پرسوں شب بعد تہجد دعا میں اپنی گنہگاری وسیہ کاری کے اعتراف اور مغفرت الٰہی کی طلب میں ایسی خشیت طاری ہوئی کہ آنکھیں آبدیدہ ہوئیں اور جسم پر لرزہ کی سی حالت محسوس ہوئی اور اس کے بعد ذکر میں ایسی کیفیت ہوئی کہ اللہ کا لفظ زبان سے محبت میں ڈوبا ہوا نکلنے لگا اور نکلتا رہا اور جسم میں ایسا رقص پیدا ہوا کہ بیٹھے بیٹھے عند

الذکر بلا قصد جھومنے لگا اور معلوم ہوتا تھا کہ بوٹی بوٹی رقص میں ہے اور اگر خلاف شرع ہونے کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اٹھ کر ناچنے تھرکنے لگتا۔ استغفر اللہ۔

جواب :- یہ سب ان ہی آثار کے آحاد ہیں، اور خلوت میں ایسا رقص منکر بھی نہیں۔[1]

ذکر کی حالت میں غیر اختیاری پر تصور شیخ

مضمون : - ایک بات عرض کرتا ہوں۔ کیفیت ہے اس لئے عرض کرتا ہوں، میں تصور شیخ کا کبھی قائل نہ تھا اور نہ مستحسن سمجھتا تھا، مگر میرا خیال ہے کہ اکثر اوقات میں ذکر میں اور کبھی یوں بھی حضرت کی شبیہ مبارک (صورت) نظر کے سامنے آ جاتی ہے اور میں اس کو دور بھی نہیں کرتا۔

جواب :- جو چیز بعض مفاسد کی وجہ سے بعض کے لئے غیر مستحسن ہے وہ تصور ہے جو باختیار ہو، اور غیر محل مفسدہ میں دور کرنا واجب نہیں۔ حدیث میں ہے۔ **کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلٰی وَبِیْضَ سَاقِ رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.**

غیر اختیاری طورر پر نماز میں تصور شیخ

مضمون : - حضرت کا تصور اکثر اوقات قائم رہتا ہے حتی کہ کبھی نماز میں بھی، رفع کرتا ہوں مگر قادر نہیں ہوتا ہوں کبھی یہ کیفیت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم۔

جواب :- جو بدون اختیار ہو اس کی کمی اور بیشی دونوں محمود اور منظر ہیں دو تجلیوں کے اور اسی کے متعلق یہ تعلیم ہے۔

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش[2]

---

[1] النور جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ [2] النور، ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

ذکر بغیر کیفیت کے

مضمون :- کل "شمائم امدادیہ" کا مطالعہ کیا تھا، رات بھر نیند میں وہی مضامین اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا تصور بلا زیارت ورویت قائم رہا۔

جواب :- یہ بھی ایک گونہ صحبت ہے رزق اللہ تعالی برکاتھا.[1]

مضمون :- ذکر میں بقول حضرت کے ایک ملفوظ کے کہ جب کیفیت ہو تو اس کو غذا سمجھو اور جب نہ ہو تو اس کو دوا سمجھ کر کرو، سو دوا ہی پینے کی نوبت ان دنوں زیادہ آتی ہے۔

جواب :- ھدی اللہ تعالی لا کمل وانفع من ھذا.

مضمون :- بحالت ذکر دو ہفتوں سے اپنے اندر عجیب بے کیفی اور بے رنگی محسوس کرتا ہوں بار بار استغفار کرتا ہوں مگر دل کی تنگی دور نہیں ہوتی۔

جواب :- قفل خزانہ کا اول مغلق ہوتا ہے پھر مفتوح ہوتا ہے یہی تنگی تھی جس کو اَنْقَضَ ظَھْرَکَ فرمایا ہے اور جس کے بعد اَلَمْ نَشْرَحْ کا وقوع ہوتا ہے۔

مضمون :- اب حضرت سے دستگیری اور دعا کی التجا ہے کیفیات سے خلو اس کا سبب ہے، گمان کرتا ہوں کہ پچھلی ایک کیفیت کے وقت جس پر مجھے بہت خوشی تھی، دل میں یہ ہوس پیدا ہوئی تھی کہ دوسروں سے بھی پوچھوں کہ ان پر بھی ایسی کیفیت ظاہر ہوتی ہے یا نہیں اسی کے لئے استغفار کیا اور بارگاہ الٰہی میں بعجز وزاری کی، مگر ہنوز کشود کار نہیں، ہر چند کہ حضرت کی تعلیم سے یہ جانتا ہوں کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہونا چاہیے تاہم آثار محمودہ کے فقدان کی حسرت ہے۔

جواب :- یہی حسرت حضرت تک لے جاتی ہے، ولو بعد الموت کما قیل.

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت
کاسماں برفرق ایشاں خاک بیخت[2]

---

[1] النور ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ [2] النور ۲۳؍شعبان ۱۳۶۱ھ

ذکر میں کیفیات مقصود نہیں محمود ہیں

مضمون :- ذکر میں کبھی کبھی آواز ایسی دردمند ہوکر نکلتی ہے جیسے کسی دکھے ہوئے دل کے اندر سے نکلتی ہو، دو دفعہ تو ایسا نظر آیا کہ میں حالت نزع میں ہوں اور آواز آ رہی ہے، اور ایک دفعہ دیکھا کہ میں شہید ہوگیا ہوں اور آواز گلے سے نکل رہی ہے اور دونوں میں عجیب لذت روحانی پائی۔

جواب :- ذاکرین کو ایسے حالات پیش آتے ہیں جو علامت ہے تاثیر ذکر کی اور یہ سب محمود ہیں مگر مقصود نہیں، مقصود وراء الوراء ہیں جس میں لطافت محض ہے جس کا ادراک بھی بعض اوقات نہیں ہوتا۔ **الا بعد العلم الراسخ المستفاد من علوم الانبیاء.**

مضمون :- خاکسار اب تک احوال و کیفیات کو ایک گونہ مقصود سمجھے ہوئے تھا، اور ان کے حصول کے درپے تھا مگر حضرت کی تصانیف میں اور قصد السبیل میں بھی ان کو محمود ذکر فرمایا گیا ہے مگر مقصود نہیں بلکہ ایک پیچھے صحیفے میں میرے اپنے بعض کیفیات کے عرض کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ آثار محمود ہیں مگر مقصود نہیں۔ مقصود وراء الوراء ہے۔ اس وراء الوراء مقصود کو سمجھنا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے منزل مقصود کا نشان بتا دیں اور اس راستہ پر چلا دیں۔

جواب :- اگر وہاں پہنچنا ممکن ہوتا تو وراء الوراء ہی کیوں ہوتا اگر برائے نام وہاں تک رسائی کا کچھ مفہوم ہے تو یہی ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے مے رسی بر دی مایست

اور یہ ہے ؎

نگرد و قطع ہر گز جادۂ عشق از دوید نہا
کہ می بالا بخود ایں راہ چوں تاک از برید نہا

اور یہ ہے ؎

کل ما خطر ببالک فھو ھالک
واللہ اجل واعلی من ذلک

اور یہ ہے ؎

اے بر تر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وزہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

جب یہ ناممکن ہے تو صرف خدمت حسب حکم وحسب ہمت کرنا اس کا فرض ہے اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اس کی استعداد کے موافق وہ خود مسافت کو قصر کر کے اس کے مناسب مقصود تک پہنچادیں، خلاصہ یہ کہ اس مسافت کو یہ قطع نہیں کرسکتا وہ خود قطع کر کے اس کو پہنچادیتے ہیں، حدیث اس میں نص ہے۔ **من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعا** . (الحدیث)

(تمتہ ضروریہ) اس خط میں جو وراء الوراء کے متعلق لکھا گیا ہے اس وقت وہ خط جس میں اس سے اجمالی تعرض ہے جس کا پتہ بعد تلاش کے اس خط میں لفظ صحیفہ کے بعد میں بین القوسین لکھ دیا گیا ہے نظر میں نہ تھا، پھر بعد تلاش جب اس میں نظر کی گئی معلوم ہوا کہ یہاں اس صحیفہ میں وراء الوراء کے وہ معنی نہیں جو ادراک کنہ ذات کے متعلق ہے اس لئے یہ جواب بے محل ہے بلکہ مراد وہ ہے جو وراء الاحوال ہے اور وہاں رسائی ممکن ہے گو بعض اوقات اس کا ادراک نہیں ہوتا اور وہ تعلق ساذج ذات ہے جو ثمرہ ہے اعمال واتباع کا اور

اس میں نہ کیفیات متعارفہ ہیں نہ جذبات نفسانیہ جن میں رنگ طبیعت کا غالب ہوتا ہے اور جن میں تغیر بھی بعید نہیں صرف محبت وخشیت روحانیہ ہیں جن میں عقلیت غالب ہوتی ہے اور جن میں تغیر کالنادر ہے اور یہی امور جنت میں ہوں گے اور ان ہی کا ثمرہ قرب ہے اور یہی ثمرہ بھی ہیں قرب کا۔[1]

[1] النور، شعبان ۱۳۶۱ھ ص:۶۔

باب ۸

چند علمی تحقیقات

مضمون :– حضرت کے قول ''یہی امور جنت میں ہوں گے'' کی تشریح میں نے چاہی تھی، اس پر ارشاد ہوا کہ یہ سب ایمان کامل کے لازم سے ہیں اور لوازم کا انفکاک ملزوم سے ممتنع ہے جب جنت میں ایمان کامل ہوگا، تو ان لوازم کی تحقیق بھی واجب ہے۔

میرا وسوسہ یہ ہے کہ آخرت میں جب اہل ایمان دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے اور یوں بھی آخرت میں سب پر انکشاف ہوجائے گا تو ان منکشفات اور محسوسات ومرئیات میں سب کا حال یکساں ہوگا، تو درجۂ ایمان میں یکسانی ہوجائے گی پھر فرق مراتب کیسے ہوگا، الا یہ کہ تسلیم کیا جائے کہ دیدار وانکشاف علی قدر مراتب ایمانی فی الدنیا ہوگا۔

جواب :– حدیث میں اسی کی تشریح ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی حدیث طویل اکرمهم علی اللہ من ینظر الی وجهه غدوة وعشیة . (الحدیث).[۱]

یہ بمفہومہ دال ہے کہ بعض کو دو وقت تجلی نہ ہوگی، **واصرح منه فی الباب ما** (رواہ الترمذی وابن ماجہ) **عن ابی هریرة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی حدیث طویل ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فیها بفضل اعمالهم ثم یوذن لهم مقدار یوم الجمعة من ایام الدنیا فیزورون ربهم .(الحدیث)**[۲]

---

[۱] رواہ احمد والترمذی، مشکوۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ [۲] مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ الفصل الثانی۔

حدیث بالا کا جو مفہوم تھا وہ اس کا منطوق ہے یہ تفاوت تو رویت میں ہے بقیہ منازل ومدارج کا تفاوت بھی احادیث میں وارد ہے۔

مضمون :- یا یہ کہا جائے اس دیدار اور انکشاف سے ایمان میں کوئی زیادتی وہاں نہ ہوگی۔

جواب :- میں اس شق کو نہیں سمجھا اور جب ایک شق نص سے متعین ہوگئی پھر دوسری کے سمجھنے کی حاجت بھی نہیں۔

مضمون :- دوسرا وسوسہ مجھے یہ ہوا کہ حضرت کے ارشاد کے مطابق جنت میں محبت کے ساتھ اہل ایمان میں خشیت بھی ہوگی تو اس کی تطبیق آیۂ کریمہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. وغیرھا من الآیات الدالة علی عدم الخوف** سے کیوں کر ہوگی۔ اس ہیچمداں کی فکر کا سد میں آتا ہے کہ عدم خوف زوال نعمت بہشت کا ہوگا اور خشیت جلال الٰہی سے ہوگی۔

جواب :- ماشاءاللہ صحیح سمجھے۔

مضمون :- اس پر یہ شبہ میرے دل میں ہوتا ہے کہ بہشت میں تو جمال الٰہی کا فقط مظہر ہوگا پھر جلال الٰہی کا منظر وہاں کیسے نظر آئے گا جو خشیت ہو۔

جواب :- وہاں جمال اور یہ جلال متضاد نہیں جمال ہی جلال ہوگا **وھو معنی قوله علیه السلام وما بین القوم وبین ان ینظر والی ربھم الا رداء الکبیریاء علی وجھہٖ .(رواہ مسلم فی باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة ربھم اثبت الجلال المعبر عنه بالکبریاء فی عین شاھدة الجمال المعبر عنه بالرؤیة وھذا الجلال ھو المانع عن ادراک کنه الذات مع وقوع الرؤیة فالجمال محل الرؤیة والجلال حجاب الادراک).**

اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات کو وہ عظمت دی ہے کہ عین جمال میں ان کے جلال کا ظہور ہوتا ہے، چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وما كان احد احب الى منه صلى الله عليه وسلم ولا اجل في عيني منه وما كنت اطيق ان املأ عيني منه. الحديث ، رواه مسلم في باب كون الاسلام يهدم ماقبله. اور پھر مخلوقات میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص شان ہے معمولی اور خسیس محبوب کے جمال میں ظہور ہیبت کا ہوتا ہے۔کما قال ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے
تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

وفي امثالها كثرة في كلام العشاق.

(تمہید) خط بالا سے پہلے خط کے (جس میں بعض احادیث اجتماع جمال وجلال کی منقول ہیں)

جواب میں خط ذیل آیا جو مع جواب ذیل میں درج ہے۔

مضمون :۔ عطوفت نامہ نے بہرہ مند کیا محبت وخشیت اور جمال وجلال کی یکجائی اور جامعیت کے سمجھنے میں خاکسار کو جو اشکال پیش تھا بحمد للہ کہ تحریر پر تنویر سے مندفع ہو گیا، یہ بھی تائید الٰہی ہے کہ اس سے پہلے کہ حضرت کا جواب آئے شوال ۱۳۶۰ھ کا مبلغ نظر سے گزرا جس کے دوسرے صفحہ میں حضرت نے اسی اشکال کو دور فرمایا تھا، اور اس کا عنوان محبت اور خشیت کی یکجائی کے بجائے محبت اور ہیبت کی یکجائی ہے اسی سے تمثیلی جواب سمجھ میں آ گیا تھا مگر اس والا نامہ میں احادیث سے استشہاد نے ہر خطر کو دور کر دیا۔ فحمد اللہ۔

جواب :۔ اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ بحمد اللہ تعالیٰ احادیث کا اثر آپ کے قلب پر نکات تصوف سے زیادہ ہوا۔ اصلی مذاق ہر مسلمان کا یہی ہونا چاہئے کہ اس کو اصل یعنی مشکوٰۃ نبوۃ سے زیادہ نور حاصل ہو بہ نسبت اس کے عکوس وظلال کے۔[1]

[1] النور، ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ص:۳۰۔

توجہ الی الذکر یا توجہ الی المذکور کی حقیقت

مضمون :- میں ذکر نماز مغرب کے بعد کرتا ہوں میرے لئے سکون کا وقت یہی ہوتا ہے، توجہ الی الذکر تو بحمد اللہ حاصل ہورہی ہے، انوار والوان جن کی قدر مجھے پہلے بھی نہ تھی مگر حضرت کی تحریرات کے بعد تو ان کی طرف توجہ بھی ہو جاتی ہے تو محض یکسوئی کے لئے۔

جواب :- مضائقہ نہیں خود یکسوئی مقصود بالذات نہیں، فضلاً عن مقدمتہ۔

مضمون :- توجہ الی المذکور بلا کیف سمجھ میں نہیں آتی تھی اتفاقاً مولانا عیسیٰ صاحب سے ان کے وطن میں ملاقات ہوئی، میں نے اس کو پوچھا تو انہوں نے حدیث مشہور "**اعبد ربک کانک تراہ**" پڑھی جس سے ساری مشکل حل ہوگئی اور یہ دولت بھی نصیب ہوئی۔

جواب :- میں احتیاطاً آپ کے اشکال اور ان کے حل اور آپ کی تسلی کی تقریر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

مضمون :- مگر ایک عارض ایسا پیدا ہو گیا کہ اس حضور سے (جو حدیث "**ان تعبد اللہ**" کا بعض کے نزدیک مدلول ہے۔۱۲ اشرف) شرم آتی ہے خیال آجاتا ہے کہ میں تو ایسا گنہگار اور سیہ کار ہوں میں سامنا کیسے کروں یہ خیال آتے ہی ہٹ جانا پڑتا ہے۔

جواب :- (بعد تسلیم دلالت) یہ بعد اس قرب سے بھی زیادہ معین فی المقصود ہے بلکہ اس قرب کی روح یہی ہے اسی عظمت کے پیدا ہونے کے لئے اس مراقبہ کی تعلیم کی گئی تو یہ بُعد صوری ہے اور قرب حقیقی۔[1]

مضمون :- حضرت نے اپنی تعلیمی شفقت سے میرے اشکال توجہ الی المذکور بلا کیف اور مولانا عیسیٰ صاحب کے جواب "**اعبد ربک کانک تراہ**" سے اپنی تسلی

---

[1] النور ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

پا جانے کی تفصیل دریافت فرمائی جواباً عرض ہے۔

مجھے اشکال یہ تھا کہ مذکور یعنی ذات بحت الٰہی تصور میں بلا کیف کیوں کر آ سکتا ہے نور محض کا تصور کیا جائے تو وہ بھی ایک شکل ہ اور "لیس کمثلہ" کے خلاف ہے۔ مولانا عیسیٰ صاحب کے محض اس حدیث پڑھ دینے سے اس حدیث کا جو مطلب معلوم تھا سامنے آ گیا یعنی یہ کہ مطلق رابطۂ علمی پس پردہ ہیبت وجلال وعظمت وکبریائی کے تصور سے اپنے اندر اس کا علمی تعلق اور معیت اور پھر اس کے پس پردہ ہیبت وجلال وعظمت وکبریائی کے تصور سے اپنے اندر خضوع وتذلل محسوس کیا جائے، اس کی ایک مثال یوں ذہن میں آتی ہے کہ بادشاہ حاکم اپنے پورے جاہ وجلال اور عظمت کے ساتھ گو پس پردہ ہو مگر رعایا پر اس کے دیکھے بغیر ہیبت اور رعب جلال اور خضوع طاری ہو جاتا ہے، اب حضرت اس کی تصویب یا تصحیح فرمادیں۔

جواب :- معالجہ کے درجہ میں صواب اور صحیح ہے اور تحقیق کے درجہ میں ہنوز اس میں کلام ہے کہ وہ اشکال اس سے کیسے رفع ہوا کیوں کہ یہ خاص مراقبہ محمول ہے ایک موضوع کا اور ثبوت شیٔ للشیٔ فی الذہن فرع ہے ثبوت مثبت لہ فی الذہن کی اور یہی محمل تھا اشکال کا۔ فالاشکال باق، اور تحقیق کے درجہ میں اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تصور ذات کا بلا کیف عادۃً ممتنع ہے، مگر کیف کا تلبس اختیار سے خارج ہے لہذا عفو ہے۔ نصوص اس پر قائم ہیں۔ مولانا نے اسی کو بیان فرمایا ہے کہ اول بعض تمثیلات کا ذکر کیا مثلاً

انت کالریح ونحن کالغبار

تختفی الریح وغبراہ جہار

اور بھی متعدد تمثیلات ہیں جو اس وقت یاد نہیں آ گے ان سے تنزیہ کا ذکر ہے

اے بروں از وہم وقال قیل من

خاک بر فرق من وتمثیل من

آگے ان سے خلو ذہن کا غیر مقدور ہونا فرماتے ہیں۔

بندہ نشکیبد تصویر خوشت
ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

اور حدیث کا جو مفہوم صحیح ہے خلاف مشہور وہ ہنوز محتاج تحقیق ہے، اس وقت اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

مضمون :- ازہیچمداں

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحیفۂ شریفہ نے سعادت اندوز کیا، ذات بحت کے تصور بلا کیف کی نسبت کلام تھا، اس ہیچمداں نے حدیث "اعبد ربک کانک تراہ" کا جو مطلب سمجھا تھا حسب ارشاد عرض کیا تھا، اس پر حضرت نے اس کو معالجہ کے درجہ میں صواب اور صحیح فرمایا، اور تحقیق کے درجہ میں اس کو ناکافی فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگرچہ تصور ذات کا بلا کیف عادۃً ممتنع ہے مگر کیف کا تلبس اختیار سے خارج ہے لہذا عفو ہے، نصوص اس پر قائم ہیں پھر مثنوی کے چند شعر سپرد قلم فرمائے۔

انت کالریح ونحن کالغبار
تختفی الریح وغبراہ جھار

اور آخر۔

اے بروں ازہم وقال قیل من
خاک بر فرق من وتمثیل من

خاکسار نے مثنوی کی جلد خامس سے یہ اشعار نکال کر پڑھے اور مولانا کے مطالب کو ذہن نشین کیا، ان تمام تمثیلات میں یہ بات دکھائی گئی ہے کہ ذات باری تعالیٰ مخفی اور اس کے آثار پیدا ہیں۔

یا خفی الذات محسوس العطا | انت کالماء ونحن کالرحا
انت کالریح ونحن کالغبار | یختفی الریح و غبراہ جھار
تو بہاری ماچو باغ سبز وخوش | او نہان وآشکار انجشش
تو چو جانی ما مثال ایں زبان | این زبان از عقل دارد ایں بیاں
تو مثال شادی وماخندہ ایم | کہ نتیجہ شادی فرخندہ ایم
جنبش ماہر دے خود اشہد است | کو گواہ ذو الجلال سرمد است
گردش سنگ آسیا در اضطراب | اشہد آمد بر وجود جوئے آب

اے بروں از وہم وقال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

ان شعروں کے پڑھنے سے طبیعت میں بشاشت آئی خصوصاً اے بروں از وہم وقال قیل من۔اس سے ذہن ایک خاص نکتہ کی طرف متوجہ ہوا۔یعنی یہ کہ اللہ تعالی کا مثل (بسکون وسط) محال۔اوراس کا اعتقاد جواز کفر لیکن اس کا مثل (بفتحین) جائزاور توضیح معنی کے لئے ضروری۔اور یہ تطبیق ہوگی درمیان **لیس کمثلہ شیئ** کے (جس کو میں نے اپنے اشکال میں عرض کیا تھا)اوردرمیان **ولہ المثل الاعلی** کے جومولانا کے شعروں میں ہے کیا اس ہیمچدان کا یہ خیال درست ہے مقصوداس ہیچ مداں کا اپنا اظہار علم نہیں بلکہ تصحیح علم ہے،اوراستفادۂ مزیداوراستشفاء جدید۔میں کیااور میرا علم کیا ہے۔

جواب :— ماشاءاللہ بالکل صحیح جس کارتبہ اصح سے فوق ہے۔**لیھنکم العلم.** اپنے علم کو ہیچ سمجھنااور تحصیل اخلاص کے لئے اظہار کی نیت نہ ہونا۔یہی تو مفتاح ہے علوم کی۔ **رزقنی اللہ معکم**[1]

[1] النور شعبان ۱۳۶۱ھ

حدیث احسان "ان تعبد اللہ کانک تراہ" کی تشریح

مضمون :- حضرت نے والا نامہ میں ارقام فرمایا ہے۔ "حدیث اعبد ربک کا جو مفہوم صحیح ہے خلاف مشہور وہ ہنوز محتاج تحقیق ہے اس وقت اُس سے تعرض نہیں کیا گیا۔" دل اس کے سننے کا مشتاق ہے اگر میرے لئے خلاف مصلحت ہو یا حضرت کی زحمت کا باعث ہو تو اصرار نہیں اسی لئے اس وقت دوسرے حالات عرض نہیں کئے گئے کہ زحمت جواب مزید نہ ہو۔

جواب :- اس شق کے خلاف مصلحت ہونے کا ذہن میں آنا ناشی ہے غایت تواضع سے ورنہ اہل کے لئے کسی علم کا خلاف مصلحت ہونا محتمل ہی نہیں۔ اس لئے امتثال امر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ مشہور حدیث کے معنی میں یہ ہے کہ اس میں دو مراقبوں کی تعلیم ہے، ایک رؤیۃ العبد للہ تعالیٰ دوسرا رؤیۃ اللہ تعالیٰ للعبد۔ اور دو کی تعلیم اس لئے کی گئی کہ اصل مقصود اول ہے جو اس پر قادر نہ ہو اس کے لئے اول کی جگہ دوسرا ہے، لیکن اگر الفاظ حدیث میں غور کیا جائے اس معنی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ لفظ **کانک** اس کے خلاف پر دال ہے کیوں کہ یہ تشبیہ کے لئے ہے تو تشبیہ پر قادر نہ ہونا کیا معنی۔ پھر دوسرے جملہ میں حرف فا بے ربط ہوا جاتا ہے۔ اگر یہ دوسری شق ہے تو مقابلہ کا اقتضا واؤ ہے نہ کہ فاء وہ تفریع یا تعلیل کے لئے ہوتا ہے اور دونوں مقابلہ کے معارض ہیں۔

اس لئے صحیح معنی یہ ہیں کہ عبادت ایسی اچھی طرح اخلاص وادائے حقوق کے ساتھ کرو کہ تمہاری حالت اُس حالت کے مشابہ ہو جیسے تم فرضاً اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوتے تو کس طرح عبادت کرتے یہ تو تشبیہ کا حاصل ہوا، آگے فاء تعلیل کے لئے ہے کہ ایسی طرح عبادت کرنا کیوں مامور بہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہم نہیں دیکھتے تو ایسی عبادت کیسے کر سکتے ہیں، اس کی علت بیان فرماتے ہیں کہ اس طرح تحسین عبادت کا حکم اس لئے

ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تم کو دیکھ ہی رہے ہیں، اور اس کا بھی مقتضاء یہی ہے کہ ایسی طرح عبادت کرو جیسا کہ اگر علم ہو جائے کہ حاکم کسی کو کام کرتے دیکھ رہا ہو تو اس وقت ایسے ہی اہتمام سے کام کیا جاتا ہے، اتنا فرق ہے کہ حاکم صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اُس کے دیکھنے کی چیز کو سنوار کر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کو دیکھتے ہیں اس لئے دونوں کو درست کرنا ضروری ہوگا، بس یہ حاصل ہے حدیث کا جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ عبادت کا کام اچھی طرح کرو، اسی لئے اس کا نام احسان ہے یعنی ''حسن کردن عبادت''، ممکن ہے کہ اضمحلال و اعتلال طبیعت کے سبب مجھ سے ادا میں کمی رہ گئی ہو اس لئے ایک بزرگ کی تحقیق کا پتہ بھی دیتا ہوں شاید ان کی عبارت کے انضمام سے خوب توضیح ہو جائے، وہ بزرگ نوویؒ شارح مسلم ہیں انہوں نے کتاب الایمان کی پہلی حدیث کی شرح میں اس عبارت سے لکھا ہے۔[1]

هذا من جوامع الكلم الى قوله فى اهتمام الخشوع والخضوع وغير ذلك

(ضمیمہ خط) مثنوی معنی یا معنوی کے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں، ان سے مقصود استدلال نہیں بلکہ جو دعویٰ مستقل دلیل سے ثابت ہے اس کی تائید ہے اور یہ تنبیہ قابل التزام ہے اس سے ذہول بہت سے اغلاط کا منشاء ہو سکتا ہے۔ مولانا خود مطلقاً کلام منظوم کے کسی

---

[1] قال النووی فی شرح مسلم تحت حديث الاحسان "ان تعبد الله كانك تراه" لانا لو قدرنا ان احدنا قام فى عبادة وهو يعاين ربه سبحانه وتعالى لم يترك شيئاً مما يقدر عليه من الخضوع والخشوع وحسن السمت واجتماعه بظاهره وباطنه على الاعتناء بتتميمها على احسن وجوهها الا اتى به، فقال صلى الله عليه وسلم اعبد الله فى جميع احوالك كعبادتك فى حال العيان فان التتميم المذكور فى حال العيان انما كان لعلم العبد باطلاع الله سبحانه وتعالى عليه فلا يقدم العبد على تقصير فى هذا الحال للاطلاع وهذا المعنى موجود مع عدم رؤية العبد فينبغى ان يعمل بمقتضاه، فمقصود الكلام البحث على الاخلاص فى العبادة ومراقبة العبد ربه تبارك وتعالى فى اتمام الخشوع والخضوع وغير ذلك. (شرح مسلم ج: ۱ ص: ۱۵۸ مصری)

حقیقت کے لئے حاوی نہ ہونے کی تصریح فرماتے ہیں ؎

معنی اندر شعر جز با خبط نیست
چوں فلا سنگ است آنرا ضبط نیست[1]

سید صاحبؒ کی بیٹی کے نکاح کا واقعہ

مضمون :- خاکسار نے ۱۵؍شوال کو ایک بڑے فرض سے سبکدوشی پائی یعنی منجھلی بیٹی کے نکاح سے فراغت پائی، لڑکا دیندار اور جناب مولانا عیسیٰ صاحب دام فضلہ کا شاگرد و مسترشد ہے، سید حسین نام ہے۔

جواب :- میں پہچان گیا۔ **وھو کذلک انشاء اللہ تعالی.**

مضمون :- اس تقریب کی بدولت جناب مولانا عیسیٰ صاحب کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ ماشاءاللہ ان کو اپنے شیخ کی تصویر پایا۔

جواب :- مگر غیر متغیر۔ اور اس تصویر کی اصل میں بہت تغیر ہوتا رہتا ہے اور یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ ان دونوں میں کیا تفصیل ہے۔

مضمون :- میری یہ ان سے سب سے پہلی ملاقات تھی، میں حضرت کا رسالہ ''اصلاح الرسوم'' پہلے پڑھ چکا تھا، خدا کا شکر ہے کہ قیامت صغریٰ[2] کے مراسم سے تو بالکل پاک وصاف رہا، قیامت صغریٰ کے بہت سے رسوم سے بھی نجات رہی، اسی سلسلہ میں دو سنتیں خوبی سے ادا ہوئیں، یعنی ماہ شوال اور یہ کہ باپ نے خود اپنی بیٹی کا نکاح پڑھایا اور دین مہر، مہر فاطمی قرار دیا مجھے پہلے اس میں تامل تھا احوالِ نوجوانان زمانہ کو دیکھ کر، مگر جناب مولانا عیسیٰ صاحب کی حوصلہ افزائی سے میں نے بھی شرح صدر پائی۔ **جزاہ اللہ عنی.**

---

[1] النور شعبان ۱۳۶۱ھ ص ۳ [2] حضرت اقدس تھانویؒ اصلاح الرسوم میں تحریر فرماتے ہیں ''منجملہ ان رسوم کے منگنی کی رسم ہے جس کو قیامت کبریٰ یعنی شادی کی تمہید ہونے کی وجہ سے قیامت صغریٰ کہنا زیبا ہے۔'' آگے رسومات کی تفصیل بیان کی ہے۔ (اصلاح الرسوم، ص: ۴۸)

مہر سے متعلق حضرت اقدس تھانویؒ کا ضروری انتباہ

جواب :- جزاکم اللہ تعالیٰ .

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

البتہ اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا، اس رہ جانے کا سبب زہد عیسی ہے جس کو ملک سلیمان نے ایثار کر کے اپنے اوپر ترجیح دے دی، جس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمانی کا ایک حق کم ہو گیا، جس میں رعیت کی رضا سے اعتراض بھی نہیں رہا لیکن فی نفسہ کمی ہو گئی۔

مضمون :- خطبۂ نکاح میں میں نے مختصر رسوم نکاح کی تردید میں اور میرے بعد مولانا عبدالغنی صاحب نے اعتصام بالسنۃ پر وعظ فرمایا اور دونوں بزرگوں نے (یعنی مولانا صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب نے) برکت کی دعائیں فرمائیں، حضرت سے بھی خواستگاری ہے کہ برکت اور موافقت زوجین کی دعاء فرمائیں۔ سید سلیمان

جواب :- صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں۔[1]

مضمون :- میں نے اپنی لڑکی کے نکاح میں مہر فاطمی بہ مشورہ مولانا عیسی صاحب مقرر ہونے کی جو اطلاع دی تھی اس کے متعلق حضرت نے ارقام فرمایا۔

"البتہ اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا، اس رہ جانے کا سبب زہد عیسی ہے جس کو ملک سلیمان نے ایثار کر کے اپنے اوپر ترجیح دے دی جس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمانی کا ایک حق کم ہو گیا، جس میں رعیت کی رضا سے اعتراض بھی نہیں رہا، لیکن فی نفسہ کمی ہو گئی یہ کمی میری سمجھ میں نہیں آئی یعنی مقدار مہر کی تعیین کی طرف اگر اشارہ مقصود ہے تو میں نے نکاح کے وقت چار سو مثقال چاندی جس

[1] النور، ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ، ص: ۴۔

کے روپیہ بنانے میں علماء کا کچھ اختلاف ہے رکھ دیا تھا۔

جواب :- میں نے قصداً مبہم لکھا تھا تا کہ آپ مجھ کو اس کی تفسیر لکھنے کا حکم دیں اور آپ کے حکم سے میں تفسیر لکھوں، بدوں حکم کے از خود لکھتے ہوئے شرم آئی، اب اجازت کے بعد عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ جہاں تقلیل مہر سنت ہے وہاں مہر مثل کی رعایت ولی کے ذمہ فرض ہے حتی کہ اگر ولی صغیرہ کا نکاح مہر مثل سے اقل پر کرے بعض صورتوں میں نکاح ہی نہیں ہوتا، تو مہر مثل منکوحہ کا حق ضروری ہوا، اس میں خود منکوحہ بالغہ ہو تو ایثار کر سکتی ہے دوسرے کو اس کا حق نہیں اور اس سنت اور اس فرض میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ سب قوم متفق ہو کر مہر مثل کم مقدار کا مقرر کر دیں اور بدون اس کے فرض مقدم ہو گا۔[1] اشرف علی

متوفی بیوی کے دین مہر کی ادائیگی کی فکر

مضمون :- صفائی معاملات[2] سے حقوق عباد کی اہمیت دل میں اتر گئی، میری پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، دین مہر واجب تھا، میں نے عزم کیا کہ سب ورثہ سے اس کو معاف کراؤں گا، خواہ وہ مجھ سے چھوٹے ہوں یا بڑے اعزہ ورثہ بکھرے ہوئے تھے، اتفاق عجیب کہ ابھی میرے بڑے سالے کا انتقال ہوا، تعزیت میں سب ورثہ جمع تھے، میں نے سب سے معاف کرایا، یہاں تک کے اپنے چھوٹے بالغ لڑکے سے، اور دل نے راحت محسوس کی۔ وما ھذا باول بر کاتکم .

جواب :- ماشاءاللہ توفیق حق یہی ہے۔ جعله الله لنا رفیقا لنا ولکم.

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

[1] مہر کم کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام برادری جمع ہو کر اس کو کم کر دے ورنہ متعارف (مروجہ) مقدار لڑکی کا حق ہے، ولی کم کر کے اس کا نقصان کرتا ہے جس کا اس کو حق نہیں۔ جن صورتوں میں ولی کو مہر مثل سے کم مقرر کرنا جائز نہ ہو جیسا کہ فقہی مسائل میں مذکور ہے وہاں اس پر عمل کی صورت یہ ہے کہ سب لوگ متفق ہو کر اپنے عرف کو بدلیں جس سے خود قلیل مقدار ہی مہر مثل بن جائے۔ (الافاضات الیومیہ، اصلاح انقلاب)

[2] "صفائی معاملات" حضرت اقدس تھانویؒ کی ایک اہم کتاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۹

حضرت تھانویؒ سے متعلق سید صاحبؒ کے لکھے ہوئے مضامین

پہلا مضمون

حقیقتِ تصوف کا مکتشف اعظم اور فن حصولِ احسان وتقویٰ کا مجدد کامل

از علامہ سید سلیمان ندویؒ

پیش نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جارہا ہے جو اپنے وقت میں مجموعۂ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی، عالم، حافظ، قاری، مدرس، مفسر، محدث، فقیہ، واعظ، صوفی، متکلم، مناظر، ناظم، ناشر، ادیب اور خانقاہ نشین، شیخ سب کچھ تھی، لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے تمام فضائل وکمالات کو فن تصوف کی اصلاح وتکمیل میں صرف فرمادیا، اور دوسرے علوم وفنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجود ان میں سے کسی کو اپنا تنہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا، بلکہ اپنے تمام علوم وفنون اور کمالات کو صرف اسی ایک فن شریف کی خدمت میں لگادیا، اس لئے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس کو تمام دوسرے علمی اور عملی کمالات صرف اسی لئے دیئے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس مپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا، جس کی حقیقت پر تہہ بہ تہہ پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، اور جو خود

دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیا داری اور کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آ گیا تھا، اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے نصاب کا، سلفِ صالحین نے اس فن کے جو ابواب ومسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام ونشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی نا قابل افہام وتفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر وفکر ومراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی، بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک وتصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی، طریقت وشریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں ایک کو دوسرے سے گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی، عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند مبتدعانہ اصول واعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا گیا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالی کی بخشش وعطایا اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا، خانقاہوں کا کام صرف اعراس وفاتحہ کا اہتمام اور سماع ورقص وقوالی کا انصرام رہ گیا تھا، مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں، مٹھائی کھا لیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندے کے ترانے پر ہُو حق کر لیں اور زیادہ بڑھیں تو وحدۃ الوجود کی آڑ لے کر شوخی اور بے باکی اور رندی کے اشعار ومضامین پڑھ لیں اور سر دھن لیں، چند سینہ بہ سینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا، تصحیح عقائد وتحسین عبادت، اثباتِ سنت اصلاح اعمال اور ادائے حقوق العباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا، علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے نا آشنا تھے، اس لئے ان کے پند ونصائح کی حیثیت صوفیوں میں تقبیح ناشناش سے زیادہ نہ تھی، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی، اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا نا آشنا تھے وہ ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن

سلوک کو ضلالت و گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو خلاف شریعت اور مخالف کتاب وسنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا، بے شبہ جا بجا صحیح وصالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری اور ان کی تعلیم وتربیت کی برکت بھی عیاں تھی، لیکن یہ جو کچھ تھا خواص کے لئے تھا اور محدود حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین وہدایت تو ہورہی تھی مگر تدوین فن، تربیت اصول، تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب وسنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح وتوضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام کہیں نہیں ہورہے تھے اور نہ خطب ومواعظ اور تحریر وتقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کی جارہی تھی، اور نہ رد شبہات دفع شکوک اور رفع اوہام کے لئے کوئی سلسلہ تھا اور نہ سالکین کی ظاہری وباطنی تربیت کی کوئی ایسی درس گاہ تھی جس میں راہ کی مشکلات کو علمی وفنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی جہاں شریعت وطریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں، جہاں تفسیر وفقہ وحدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں جو کتاب وسنت میں موجود ہیں جہاں ایک طرف قال اللہ وقال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت وبندگی کے اسرار اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں، جہاں جس قلم سے احکام فقہی کے فتاوے نکل رہے ہوں، اسی قلم سے سلوک وطریق کے مسائل بھی شائع ہورہے ہوں، جس منبر سے نماز وروزہ اور حج وزکوۃ کے فقہی مسائل واشگاف بیان کئے جارہے ہوں اسی منبر سے روحانی حقیقت اور ان کی قلبی ادا کاری کے طریق بتائے جارہے ہوں، اللہ تعالی نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت (مرشدی ومولائی مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کا تقاضا تھا کہ اس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا کر

رکھی ہیں، دین کی حفاظت کے لئے ان کا بندوبست کر دیا جائے، چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں، دوسری طرف احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نئے مجموعے ترتیب پائے، تیسری طرف فقہ وفتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا، چوتھی طرف علم اسرار وحقائق کی تدوین ہوئی، پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے، جواب تک جمع نہیں ہوئے تھے، ان میں ان کے ان احوال وکیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسیوں قسم کی گمراہیاں راہ پاتی ہیں ایک اور سمت میں مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے، جن کے سپرد صدیوں سے حقائق ودقائق کے خزانے ہیں۔

عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا تو ان کی شادی وبیاہ کے مراسم کی اصلاح کی گئی، نیک وصالح بیبیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا، بچوں کے لئے ان کی تعلیم وتربیت کے آداب واصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد وضوابط کے نقشے بنائے گئے، دادوستد اور خرید وفروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے گئے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی جس سے مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سما گئی، عوام مسلمانوں کی رہروی کے لئے مواعظ کی سیکڑوں مشعلیں جابجا روشن کی گئیں اور بیسوں شہروں میں پھر پھر کر ان کو غفلت کی نیند سے چونکایا گیا، علماء اور فقہاء اور محققین کے لئے بوادر ونوادر اور بدائع کے سلسلے قائم کئے، مدت کی بند شدہ راہ جو ائمہ مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطاء کا اعلان تھی، وہ ترجیح الراجح کے نام سے کھولی گئی، اور اپنی ہر غلطی وخطاء کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے نو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا، باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے، اخلاق واعمال اور حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جس کو مسلمان عوام کیا خواص بھی بھلا بیٹھے تھے، اصول وضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی جو دین سے تقریباً

صدیوں سے خارج کی جا چکی تھی، اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم وتربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو ان کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں، اس حلقۂ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے، تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غرباء بھی، امراء بھی بہت بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمین دار بھی، تاجر اور سوداگر بھی اور مفلس بھی، اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جا سکتا ہے، مدارس پر غور کیجئے، دار العلوم دیوبند بھی مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دار العلوم ندوۃ العلماء بھی، یہاں تک کہ پہلا علی گڑھ کالج اور موجودہ مسلم یونیورسٹی بھی اور وہ سیکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں، جغرافیائی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لے کر بنگال مدراس اور گجرات بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ان کے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں، راقم کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہنچی ہوئی ہے، اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بحمد للہ ضرور منور ہے۔

اس تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، مواعظ وملفوظات کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم وبدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کا یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالی سے تعلق پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گرمائے، اور اللہ تعالی کی یاد سے روشناس ہوئے، اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلیؒ، جنیدؒ، اور بسطامیؒ وجیلانیؒ اور سہروردیؒ وسرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا، رحمہم اللہ تعالی، یہ وہ شان تجدید تھی جو اس صدی میں مجدد وقت کے لئے اللہ تعالی نے مخصوص فرمائی۔ ؎

ایں سعادت بزد رباز نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ[1]

---

[1] مأخوذ از بصائر حکیم الامت ص:۲۵

دوسرا مضمون

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی شان مجددیت

حق تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا تکوینی نظام

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جب ضرورت پیدا ہوتی ہے تو اس کے دفعیہ کا بھی سامان پیدا کر دیتے ہیں، رات کے اندھیرے میں چاند اور تاروں کے چراغ جلا دیتے ہیں، گرمی اور اُمس جب شدت کو پہونچ جاتی ہے تو ابر رحمت نازل فرماتے ہیں، جہاں بیماریاں وہیں اس کی دوائیں اُگاتے ہیں اور تدبیریں بتاتے ہیں، بالکل یہی حال امراض باطنی اور احوال نفسانی کا ہے، جب فساد ظاہر ہوتا ہے، صلاح کی تدبیر ابھرتی ہے۔ جب ظلمت انتہا کو پہونچتی ہے، سپیدۂ نور طلوع ہوتا ہے، ضلالت کے ساتھ ہدایت، کفر کے ساتھ ایمان، آزر کے ساتھ ابراہیم (علیہ السلام) اور فرعون کے ساتھ موسیٰ (علیہ السلام) کا ظہور ہوتا ہے۔

اسی اصول پر دنیا میں تاریکی کے ہر دور میں نبوت کا نیا نور چمکا اور دنیا کو روشن کر گیا، آخر حضور رسالت مآب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک پر جب شریعت اتمام پر پہونچی اور دین کامل ہو گیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی تو نسلِ انسانی کو اس شریعت کی راہ دکھانے اور اس دین کے مسائل کو بتانے اور نئے نئے زمانہ کے نئے نئے فتنوں سے محفوظ رکھنے اور دین وشریعت کو تحریف و تبدیل سے بچانے اور شکوک وشبہات کو مٹانے کے لئے ہر دور میں ایسی ہستیاں ظاہر فرمائی جاتی رہی ہیں، جو دین کو اپنے اصلی جادہ پر قائم رکھ سکیں اور اس کے چشمۂ صافی کو گرد وغبار سے صاف کر کے مصفا رکھیں۔

مقصود یہ ہے کہ زمانہ ہمیشہ حرکت میں ہے اور اس کے ساتھ ہر چیز حرکت میں ہے اس حرکت سے لوگوں کے خیالات واعمال میں گھٹاؤ بڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔نئی نئی تحریکیں نمایاں ہوتی ہیں، نئی نئی بدعتیں ظاہر ہوتی ہیں، نئے نئے خیالات لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں، زبان، طرزِ تعبیر، طریق استدلال میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور یہ سب کے سب مل کر ایمانیات اور یقینیات میں شک وشبہ کی راہیں کھولتے ہیں اس لئے اس قادر مطلق نے جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے مخصوص انسانوں کے ذریعہ دین کی حفاظت کے وعدہ کو پورا فرماتے رہتے ہیں۔

یہ تحریف وتبدیل اور خیالات کا اتار چڑھاؤ اور اعمال کا بگاڑ ہر زمانہ میں الگ الگ راہوں سے اور انوکھے اور نت نئے دروازوں سے داخل ہوتا رہتا ہے اس لئے ہر زمانہ کا فساد عمل اور سوءِ اعتقاد ایک طرح کا نہیں ہوتا، کبھی یہ فساد قیصری وکسروانی حکومتوں کے قاعدوں اور قانون کی راہ آیا کبھی یونانی وعجمی علوم وفنون کی صورت میں آیا، کبھی ہند وشام ومصر کے سابقہ مذہبوں کے اختلاط نے دین میں گنجلک پیدا کی، اور کبھی کسی ملک کے رسم ورواج نے شریعت کی جگہ لے لی، کبھی غیر شرعی عصری تحریکات نے دلوں اور دماغوں کو متعفن کیا، غرض کبھی سیاست کی راہ سے کبھی علم وفن کی راہ سے، کبھی تہذیب وتمدن کی راہ سے، کبھی حکومت کی راہ سے، کبھی عقل پرستی اور خردنوازی کے ذریعہ سے، کبھی غیر دینی اقتصادی وتمدنی نظامات کے واسطہ سے، بلکہ کبھی خود غلوئے دین اور تشدد فی الدین کی راہ سے دین میں تحریفات وبدعات پیدا ہوتے رہے ہیں، اس لئے ہر زمانہ کے مفاسد کے لحاظ سے دین کے مجددین کا ہر عصر میں ظہور ہوتا رہا ہے اور انہوں نے خدا داد قوت عمل اور ربانی محبوبیت اور انسانی مقبولیت پا کر زمانہ کی مشکلوں کا پورا مقابلہ کر کے اصل دین کے چہرہ سے زمانہ کے گرد وغبار کو صاف کیا ہے اور پھر دین کی حقیقت کو بے غبار کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حدیث تجدید کی تحقیق وتشریح

ہر صدی میں ایسے مجدد کے ظہور کی حدیث حسب ذیل ہے۔

عن ابی هريرة فی ما اعلم عن رسول الله صلی الله عليه وسلم ان الله يبعث فی امتی علی راس کل مائة من يجددلها دينها (ابوداؤد، کتاب الملاحم)

بے شبہ اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے کو پیدا کرے گا جو اس کیلئے اس کے دین کو نیا کر دے گا۔

یہ روایت ابوداؤد کی ہے، حاکم نے مستدرک کتاب الفتن میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی دوسری روایتیں (ذکر) کی ہیں۔

بعض محدثین نے گو اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے خود اسی ابوداؤد کی روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع میں راوی کو تردد ہے، مگر ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی سند میں کلام کیا گیا ہے مگر واقعہ نے ان کی صداقت کی توثیق کر دی ہے، یہی حال اس حدیث کا بھی ہے اور تاریخِ اسلام اس کی صداقت کی شاہد ہے۔

اس موقع پر ایک شبہ کا دفع کرنا ضروری ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ ہر صدی کے سرے پر ایک ہی مجدد پیدا ہوتا ہے لیکن لفظ ''مَنْ'' جیسا کہ محققین نے اصولِ فقہ میں ثابت کیا ہے کسی خاص کے لئے ہونا اس کا ضروری نہیں [1] بلکہ عموم بھی اس سے

---

[1] ضروری نہیں لیکن زبان کا عام استعمال یہی ہے اور اس حدیث تجدید میں تو ''ہر صدی کے سرے'' کی قید بے تکلف بول رہی ہے کہ اس سے مقصود کسی بہت خاص نمایاں فرد کی بعثت ہے ورنہ کچھ نہ کچھ لوگ تو ہر صدی کے ہر حصہ ہی میں ایسے پائے جاتے ہیں جو تھوڑی بہت دین کی تجدیدی خدمت انجام دیتے ہیں۔

(مؤلف)

سمجھا جاتا ہے یعنی اس سے ایک، دو اور چند بھی سمجھے جا سکتے ہیں، جیسے "مِنَ النَّاسِ مَن یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِیْن" کی آیت میں اٰمنا اور ھم کی جمعیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ من کے لیے ایک کا ہونا ضروری نہیں، اس لئے بالکل ممکن ہے کہ مختلف ملکوں میں یا مختلف اصلاحوں اور مختلف مفاسد کے مقابلہ میں تجدیدِ دین کے لحاظ سے ایک ہی وقت میں کئی مجدد ظہور کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے بعض دفعہ ایک ہی وقت میں کئی بزرگوں کو مجدد مانا ہے۔

حدیث میں علی رأس کل مائة آتا ہے یعنی ہر صدی کے سرے پر، سرا ابتدا اور انتہا دونوں پر بولا جاتا ہے، چنانچہ بعض شارحین ابوداؤد نے لغت سے دونوں استعمالوں کو ثابت کیا ہے، اس لئے راس کل مائة کا صحیح ترجمہ صدی کے سرے پر کے بجائے تخصیص کے ساتھ ابتداء اور انتہاء پر نہیں آنا چاہیئے۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ صدی کے سرے پر مجدد کی پیدائش ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس وقت اس کے تجدیدی مشن کا آغاز ہوتا ہے جس کو حدیث میں بعثت کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے، خود آنحضرت ﷺ اپنی پیدائش کے چالیس برس کے بعد مبعوث ہوئے۔

ایک اور نکتہ کو بھی کھول دینا ضروری ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ مجددِ دین کو نیا کر دے گا یعنی رسوم و بدعات و فسادات کی کہنگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرے گا اس لئے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور عوام جان سکتے ہیں کہ اس کی تعلیم و تلقین اور جد و جہد اور دعوت و تبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مفاسد دور ہو کر وہ اصل دین نمودار ہو جائے۔ جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نگار خانۂ کتاب و سنت میں محفوظ ہے۔

نبی اور مجدد کے منصب کا فرق

چونکہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض دفعہ مدعیان باطل نے نئے نئے دعوے کیئے ہیں یہاں تک کہ نبوت کے حدودِ حرم تک پہونچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے، اس لیے یہ لغزش گاہ بھی ہے اور اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت پھونک کر چلنا چاہیے، اسی لیے ضرورت ہے کہ بتا دیا جائے کہ نبی کی ضرورت اصل احکام کے من جانب اللہ انسانوں تک پہونچانے کے لیے ہے یعنی نبی اللہ تعالیٰ سے پا کر بندوں تک پہونچانے میں واسطہ ہے، وہ عقل وقیاس اور علم وفہم سے نہیں کہتا، بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی سے کہتا ہے اور خدا سے پا کر کہتا ہے، اس کی وحی وتعلیم ہر خطا سے پاک اور وہ خود ہر غلطی سے معصوم ہے، مگر مجدد کا یہ حال نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت اور وحی ورسالت کے احکام و پیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراست ایمانی صفائے ذہن، عقل مستقیم اور قیاس صحیح اور رائے صواب سے صحیح غلط میں تمیز کرتا ہے، دین کو غیر دین سے، ارشادات الٰہی کو ایجاداتِ انسانی سے، سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے اور اپنی علمی وعملی زندگی کی طہارت ونزاہت اور ثبات واستقامت اور نبی کی اتباع کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت ومقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی کو ماننے اور اس پر یمان لائے بغیر انسان اصل شریعت سے محروم رہتا ہے اور کفر سے لپٹا رہتا ہے اس لیے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لیے بند اور عذابِ آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے۔ لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے،[1] اور بدعات

[1] یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولتِ ایمان رکھ کر بھی اس کے دینی ودنیوی ثمرات وبرکات سے گویا عملاً محروم ہی رہتا ہے۔(مؤلف)

وفسادات کی آمیزشوں سے بچ نکلنے میں اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ جنت تک پہونچنے میں اس کو عذاب کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے۔ وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاء .

نبی اور مجدد کی دعوتوں کا فرق

اسی وجہ سے نبی اور مجدد کی دعوتوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے، نبی ہر شخص کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا ایمان کا جزء ہے جس کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبی کو نبی مانے بغیر اس کے واسطہ سے آئے ہوئے احکام الٰہی اور کلام ربانی تک رسائی نہیں ہوسکتی لیکن مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا، یہاں تک کہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جز بھی نہیں ہے خصوصاً کسی ایک زمانہ کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں۔

نبی اور مجدد کا ایک اور فرق

اسی فرق سے دوسرا فرق بھی پیدا ہوتا ہے، نبی کو اپنا نبی ہونا یقینی اور قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو اللہ کی تعلیم اور خبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی بدیہی معلوم ہوتا ہے جس کے لیے اس کو دلیل کی بھی ضرورت نہیں، لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن وتخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگلے زمانہ کے مجددین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی سے خواص امت پر یہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد لوگوں نے مان لیا۔

مجددین کے ظہور کا تسلسل صدی بہ صدی

چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ کا مجدد

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) کو اور دوسری صدی کا مجدد امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) کو مانا"۔

تیسری صدی میں امام ابوالحسن اشعری اور پھر امام الحرمین اور پھر امام غزالیؒ کو بہتوں نے اس منصب کے قابل قرار دیا، اس کے بعد اہل حدیث نے حافظ ابن تیمیہ کو بھی ساتویں صدی کا مجدد بتایا، ہندوستان میں دسویں صدی کے خاتمہ پر حضرت شیخ احمد سرہندی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے بعد ایک جماعت نے مولانا اسماعیل شہیدؒ کو اس منصب کا اہل تسلیم کیا۔

حافظ سیوطیؒ نے نویں صدی میں ایک نظم میں ان بزرگوں کے نام گنائے ہیں، جن کو بعض خواص امت نے مجددوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ حافظ سیوطی[1] کے بتائے ہوئے اسماء مبارکہ یہ ہیں، نویں صدی میں انہوں نے صرف اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاوی بھی اس عہدہ کے دعویدار ہیں اس لیے دونوں کے نام لکھے جاتے ہیں:

۱۔	پہلی صدی	عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ
۲۔	دوسری صدی	امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ
۳۔	تیسری صدی	حافظ بن شریح امام ابوالحسن اشعری
۴۔	چوتھی صدی	امام باقلانی، امام سہل بن با ابو حامد
۵۔	پانچویں صدی	امام غزالی
۶۔	چھٹی صدی	امام رازی، رافعی

[1] اصل بات وہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے سارے اکابر نے اپنی جگہ کوئی نہ کوئی تجدیدی خدمت انجام دی ہے، لیکن اگر حدیث تجدید کو قبول کیا جائے تو "صدی کے سرے" کی قید و تخصیص کسی تخصیصی مجدد کو بھی ضروری مقتضی ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

۷۔ ساتویں صدی ابن دقیق العید

۸۔ آٹھویں صدی امام بلقینی یا حافظ زین الدین عراقی

۹۔ نویں صدی حافظ سیوطی یا امام سخاوی

حافظ سیوطی شافعی تھے اس لیے انہوں نے زیادہ تر نام شافعیوں کے لکھے ہیں، محدثین نے جو فہرست پیش کی ہے اس میں چوتھی صدی تک کے محدثین کے نام گنائے ہیں۔

۱۔ پہلی صدی ابن شہاب زہری و قاسم بن محمد و سالم وحسن بصری و محمد بن سیرین (امام باقر)

۲۔ دوسری صدی یحییٰ بن معین امام الجرح والتعدیل

۳۔ تیسری صدی نسائی صاحب سنن نسائی

۴۔ چوتھی صدی حاکم صاحب مستدرک و حافظ عبدالغنی مصری

اس کے بعد دسویں صدی میں صاحب خلاصۃ الاثر نے شمس الدین بن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہل زمانہ وقت کا مجدد سمجھتے تھے، گیارہ سے لے کر چودہ تک کا زمانہ ہندستان کا ہے۔

اس موقع پر ایک بات اہل نظر کو صاف نظر آئے گی کہ دینی قطبیت کا مرکز دوسرے اسلامی ملکوں سے ہندستان کو منتقل ہو گیا، چنانچہ دینی و مذہبی خدمت، علوم و فنون کی خدمت، حدیث و تفسیر کی خدمت اور ہدایت خلق و احیاءِ سنن و ردِّ بدعات کے لحاظ سے ہندستان تمام دوسرے اسلامی ملکوں پر سبقت لے گیا ہے، کیونکہ ان صدیوں میں ہندستان میں جو ہستیاں نمایاں ہوئیں ان کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی، مثلاً گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ المتوفی ۱۰۳۴ھ، اور بارہویں صدی کے وسط میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ،

اور تیرہویں صدی کے وسط میں مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا سید احمد بریلوی شہید۔

بیرونِ ہند حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گزرے ہیں، جن کے فیض سے علومِ حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندستان اور حجاز یکساں مستفید ہوئے، چنانچہ گیارہویں صدی میں ابراہیم بن حسن کردی نزیل مدینہ، اور بارہویں صدی میں شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیلِ مدینہ کے نام بعض محدثین نے لئے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن حسن کروی کے صاحبزادہ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے استاد ہیں۔

گیارہویں صدی کے مجدد وقت حضرت شیخ احمد سرہندی کو مجدد کے لقب سے سب سے پہلے ملا عبدالحکیم سیال کوٹوی نے ملقب کیا، جو شاہجہاں کے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے، اور جن کی تصنیفات دنیائے اسلام میں شائع ورائج ہیں، اللہ تعالی نے اس لقب کو ایسا مقبول کیا کہ زبانِ خلق پر ان کا نام ہی مجدد الف ثانی قرار پایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے سب کے سامنے ہیں، اور انہوں نے خود بھی اپنے متعلق اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں ادھر اشارہ کیا ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہید کی ذات سے ہندوستان میں دین اسلام نے جو قوت وتوانائی پائی اور عقائد اسلام جس طرح رسوم وبدعت سے پاک ہوئے اور بہت سی مردہ سنتیں جس طرح ان کے دم قدم سے زندہ ہوئیں اور اب تک ہیں وہ محتاج دلیل نہیں، حضرت مولانا شاہ اسماعیل کے ساتھ حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ بریلوی کا نام لینا بھی مناسب ہوگا، گو یہ دونوں ہستیاں ایک جان دو قالب ہوگئی تھیں، اور ان میں سے جن کو چاہو مجدد کے وصف سے متصف مان لو۔

چند مجددین کی تاریخ پیدائش ووفات

ان بزرگوں کی تاریخ پیدائش ووفات کا حال ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا:

۱۔	حضرت شیخ احمد سرہندی	پیدائش	سنہ ۹۷۱ھ	وفات	سنہ ۱۰۳۴ھ
۲۔	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	"	سنہ ۱۱۱۴ھ	"	سنہ ۱۱۷۶ھ
۳۔	حضرت مولانا اسماعیل شہید	"	سنہ ۱۱۹۳ھ	شہادت	سنہ ۱۲۴۶ھ
۴۔	حضرت مولانا سید احمد شہید	"	سنہ ۱۲۰۱ھ	"	سنہ ۱۲۴۶ھ

بہرحال اوپر کی تفصیلوں سے ظاہر ہے کہ کسی مجدد کا مجدد ہونا کوئی اذعانی اور یقینی مسئلہ نہیں ہے اور نہ اس کے دعوے پر موقوف ہے بلکہ خواص امت کو اس کے دینی کارناموں کی بنا پر یا اسی شخص کو اپنی کوششوں کی مقبولیت کی بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے۔

عصر حاضر یعنی چودہویں صدی کے مجدد کے تعین کے لیے بھی وہی معیار ہوگا جو اگلوں کے لیے تھا یعنی ان کے کارنامے اس منصب جلیل پر سرفراز ہونے کی گواہی دیتے ہیں، اور اس تعین میں نیک نیتی سے دو شخصوں کی رائیں حسبِ عقیدت ومحبت مختلف ہوسکتی ہیں، اور ان میں سے کسی ایک پر اعتراض اور ایراد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مسئلہ محض گمان وتخمین اور قیاس کا ہے۔

اس صدی کے بزرگوں میں سے مرشدنا حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص ممتاز حیثیت ہے، علوم ظاہر وباطن کی یکجائی، اور تمام کمالات علمی وعملی کا ان میں اجتماع، ایک طرف فقہ وفتاویٰ کی مسند نشینی، دوسری طرف تصنیف وتالیف وتحریر ووعظ وتقریر سے ہدایتِ خلق، ردِّ بدعات، دفع شبہات، ابطال

رسوم اور تیسری طرف اپنے انفاس قدسیہ سے باطنی فیوض و برکات کا اجرا اور اسلام کے عقاید و اعمال کو زمانہ کے تہ بہ تہ ظلمات کے گرد و غبار سے پاک کرنا ایسے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ان کے محبین و معتقدین کے خیال میں اس درجہ پر ہے کہ وہ منصب تجدید کی حد تک ہونچتا ہے۔

حضرت والا کی ولادت ۱۲۸۰ھ میں ہوئی، مراتب درس و تعلیم سے فراغت ۱۳۰۰ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۱ھ میں قطب وقت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی اور اسی سال ۱۳۰۱ھ سے کانپور میں بیٹھ کر درس و تدریس اور وعظ و تقریر اور تالیف و تحریر کا آغاز فرمایا اور اسی سال قطب آفاق حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے فیضِ دیدار سے مسرور ہوئے اور اسی سال فریضۂ حج سے مشرف ہوئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہو کر اور فیوض گوناگوں سے بہرہ اندوز ہو کر ۱۳۰۲ھ میں واپس ہوئے۔

ان تاریخوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ علی راس کل مائة کی ظاہری مطابقت بھی واضح ہو جائے، حضرت مولانا کے دینی و علمی و روحانی و اصلاحی کارناموں کو دیکھ کر خواص امت کو حضرت کے مجدد وقت ہونے کا گمان حضرت کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا، اور بعض صاحبوں نے ہمت کر کے آپ سے دریافت بھی فرمایا تو اس طرح اس کا جواب دیا جس طرح حدودِ شرع کے اندر احتیاط کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، چنانچہ زبانی و تحریری دونوں قسم کی روایات اس بندۂ ہیچ مداں تک پہونچی ہیں، الافاضات الیومیہ سے مؤلف ہذا نے حضرت کے حسب ذیل ملفوظ اس کتاب کے مقدمہ (دیدۂ کامل) میں نقل کیا ہے، ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا:

کیا حضرت مجدد وقت ہیں؟ فرمایا ”احتمال تو مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زاید نہیں، جزم اوروں کو بھی نہیں کرنا چاہیئے، ظن کے درجہ میں گنجائش ہے، باقی قطعی یقین تو کسی مجدد

کا نہیں ہوا، جس پر جتنا اور جس درجہ کا فضل ہو جائے، **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم**"۔

اس سے زیادہ واضح عبارت کمالات اشرفیہ (ص:۲۰۰، ملفوظ ۱۱۸۷) میں ہے:

"ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں، فرمایا کہ چوں کہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کا احتمال مجھ کو بھی ہے، مگر اس سے زاید جزم نہ کرنا چاہیے، محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا نہیں"۔ (**الحمد للہ حمداً کثیراً مبارکاً فیہ علی ھذا الإحتمال**) [1]

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں کی خاص شان

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحات کی خاص شان یہ ہے کہ وہ ہمہ گیر ہیں، اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک ،فاسقوں سے لے کر صوفیوں درویشوں اور زاہدوں تک غریبوں سے لے کر امیروں تک، دولت مندوں تک، خریداروں سے لے کر تاجروں تک، طالب علموں سے لرکر استادوں اور مدرسوں تک، غرض ہر صنف امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی، پیدائش، شادی بیاہ غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ

[1] حضرت والا کے ان تجدیدی واصلاحی کوششوں کو جو امت مرحومہ کی ہر نوع و ہر صنف کے لئے مفید ہیں..... ان کو پڑھ کر خاص و عام ہر شخص حضرت کے ان کارناموں کو تجدیدی رنگ میں پا کر ان کے مجدد وقت ہونے کے قوی سے قوی تر احتمال کے ماننے پر مجبور ہوگا۔

پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا اور رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمان کی زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق بھی اپنے جانتے پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ اس فن احسان وسلوک کی ، جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید کی جو دنیا میں کس مپرسی میں اور ہندستان میں بحالت غربت تھا اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، جو دوکاندار صوفیوں کے ہاتھوں کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی صورت بن گیا تھا اور جہاں اس کی تعلیم ہوتی تھی وہاں وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے ایک نصاب کا، سلف صالح نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام ونشان تھا وہاں علم ونظر میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر وفکر و مراقبہ کی چند تعلیمات پر بالکلیہ قناعت تھی، خانقاہوں میں سماع و اعراس ومحافل کے سوا اس کا کوئی حقیقی مظہر باقی نہیں رہا تھا، طریقت و شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کی توہین وتحقیر کی جارہی تھی۔

یہ تو ان کا حال تھا جو دین کے مدعی تھے باقی عوام، تو ان کی زندگی دین سے خالی ہو کر رسوم و بدعات کی نذر ہو گئی تھی، مسلمان کی زندگی کے کسی گوشہ میں بھی دین اور خالص دین کا تخیل نہ تھا، اخلاق کی تعلیم اور معاملات، معاشرات کی تصحیح دینِ کامل کے دائرہ سے باہر ہو گئی تھی۔

تعلیم جدید کی نئی آب وہوا نے تفرنج اور فرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا تھا جس سے

دینی عقاید واعمال کی ہر چیز پر مردنی چھا گئی تھی، اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ تھا، شکوک وشبہات کی کثرت وشدت نے اس پر عرصۂ حیات تنگ کرر کھا تھا۔

ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں ایک دوربین زندہ دل مردِ درویش بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اوران کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق وباطل، نیک وبداور صحیح وغلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی اوراس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ مسلمانوں کی زندگی کی تصویر میں جہان جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کو درست کرنے میں مشغول تھااس نے پوری زندگی اس میں صرف کی کہ مسلم کی تصویر حیات کواس شبیہ کے مطابق بنائے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

اس یقین کو جو مسلمانوں کے سینوں میں چودہ سو برس سے نقش تھا کہ دین ہی ان کی دینی ودنیاوی دونوں ترقیوں کا کفیل ہے لیکن جس کو تعلیم جدید نے یورپ کی نقالی میں شک سے بدل دیا تھااس حکیم الامت نے دوبارہ پیدا کیا اور بتایا کہ حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار رہے ہےاونچے محلوں، بھرے خزانوں، بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں اعلیٰ ملازمتوں ،اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں ،اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق ،شریف عادات اور پاک وصاف قلب کا نام ہے، جو آب وگل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو اور حرص وہوا حب مال اور حب جاہ کا گرویدہ نہ ہو، جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر وتصوف علم وفن اور تمدن وسیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول و مبادی کو چھوڑ کر ہندی و عجمی و یونانی وافرنگی تصور حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں اوراسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت

جانتے ہیں، فقر وتصوف میں ہندی ویونانی تصورات جوگ واشراق کی تقلید ہے، علم وفن میں عجمی ویونانی مذاق کی پیروی ہے، تمدن وسیاست میں ایرانی ورومی رنگ کی آمیزش ہے، کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت وکسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصریت وکسروانیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء وحکام خلفاء راشدین کی نیابت کی جگہ قیصر وکسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے، وہی تعیش وہی سونے چاندی اور ریشم وحریر اور طاؤس ورُباب کی زندگی مسلمان امراء وحکام کی زندگی کا مقصد بن گیا، بیت المال ان کا ذاتی خزانہ ہوگیا ور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیرداری اور زمین داری، اسلامی اصول کے بجائے قیصر وکسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہوگئی۔

یہ تو عہد گزشتہ کا حال تھا عہد حال میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے، ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان وفرانس کی عریانی ورنگینی اور بے حجابی ہے، ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص وسرور اور ظاہری پوشاک ووضع کی اور طرز ماندوبود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے، غرض مسلمانوں کے دل ودماغ اور ذہن وتصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم وفن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت وگمراہی خیال کی عکاسی میں مصروف ہے، اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوش ربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہوجاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے اور

اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی وملی غرض وغایت ہے۔

سلوک اور فقر وتصوف جو درحقیقت اعلیٰ دین اور اعلیٰ اخلاق کا اصطلاحی نام تھا وہ ترک عمل اور چند رسوم ورواج کا مجموعہ ہو کر رہ گیا اور پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام طرقِ حیات پر بدعات اور رسوم شرک وکفر کے تو برتو پردے پڑے ہیں، جن کی بزرگوں کی متروکہ وراثت کے نام سے ہم اب تک بقا کے درپے ہیں۔

ان حالات میں کرنے کا ایک کام

ان حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح وتجدید کے خاکے کو جس کو ایک مصلح وقت اپنی تصنیفات ورسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریق ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے مذاق اور تقریر وتحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے، سلسلہ تجدیدات واصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں اسی خدمت کو انجام دیا گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچائے، اس وقت دنیا اور ہندستان وپاکستان رفتارِ سفر کے جس موڑ پر ہے ضرورت تھی کہ عین اس وقت یہ فرض انجام پاتا، سو بحمد اللہ تعالیٰ وہ عین وقت پر ایک سعادت مند قلم سے انجام پا رہا ہے یہ کتابیں مسلمانوں کی حقیقی اصلاح وترقی کے متعلق حرف اخیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دل سر بہ سجود ہے اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں کہ وہ اس آئینہ میں اپنے خدوخال کو دیکھ کر اپنی شکل کو پہچانیں اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو ومقلد بننے کے بجائے دنیا کے امام وپیشوا بنیں اور ایک نئے تمدن، نئے طرز حیات، نئے مقصد زندگی اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیا تا گل بر افشانیم دمے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرح نو در اندازیم

اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینت کی پیاسی دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیں اور انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل کریں جو دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کی کفیل ہو اور سیاست اور ملک داری کو حرص و ہوا، جھوٹ اور دغا اور مکروفریب سے آزاد کریں۔

اگر غم لشکر انگیز دکہ خوں عاشقاں ریزد
من وساقی بہم سازیم وبنیادش بر اندازیم[1]

[1] مقدمہ تجدید دین کامل، ص:۱۹ تا ۳۳

تیسرا مضمون

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علمی ودینی فیوض وبرکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہوسکتا اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف ومحامد میں سب سے اول نظر آتی ہے، وہ قرآن پاک کے مترجم ہیں، مجود ہیں، مفسر ہیں، اس کے علوم وحکم کے شارح ہیں، اس کے شکوک وشبہات کے جواب دینے والے ہیں، وہ محدث ہیں، احادیث کے اسرار ونکات کے ظاہر کرنے والے ہیں، وہ فقیہ ہیں، ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں، نئے سوالوں کو حل کیا ہے، نئی چیزوں کے متعلق انتہائی احتیاطوں کے ساتھ فتوے دیئے ہیں، وہ خطیب تھے، خطب ماثورہ کو یکجا کیا ہے، وہ واعظ تھے، ان کے سیکڑوں وعظ چھپ کر عام ہوچکے ہیں، وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار وغوامض کو فاش کیا ہے، شریعت وطریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کرکے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے ان کی مجلسوں میں علم ومعرفت اور دین وحکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے، اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں، جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچ چکی ہے، وہ مرشد کامل تھے، ہزاروں مسترشد ومستفیدان کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے اور وہ ان کے تسکین بخش جوابات دیتے تھے، اور ہدایات بتاتے تھے، جن کا مجموعہ ''تربیۃ السالک'' ہے، انہوں نے بزرگوں کے احوال وکمالات کو یکجا کیا، اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، ان کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہیں انہوں نے حضرات چشت کے احوال واقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی، اور

اس کی تاویلات کیں، ان کی کتابوں کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہیں، جن کی ترتیب ان کے مسترشدین نے کی ہے، وہ مصلح امت تھے امت کے سیکڑوں معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی تردید، اصلاح رسوم اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کیں، وہ حکیم امت تھے، مسلمانوں کے علاج اور نشأۃ واحیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی شاید کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہوگی جس کا مداوا اس حکیم الامۃؒ نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمایا اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر میں آ سکتا ہے۔

ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا باعث ہوئیں، اردو اور عربی کے علاوہ، مسلمانوں نے اپنے ذوق سے ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا، چنانچہ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی میں شائع ہوئے۔

ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں، آٹھ سو کے قریب ہیں، ۱۳۵۴ھ میں ان کے ایک خادم مولوی عبدالحق صاحب فتحپوری نے ان کی تصنیفات کی ایک فہرست شائع کی تھی جو بڑی تقطیع کے پورے ۸۶ صفحہ کو محیط ہے اس کے بعد کے نو برسوں میں جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات واظہار میں ہو یا باطل کی نشر واشاعت میں، پریس اور مطبع ہی کے برکات ہیں، زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہیں، اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہیں کمالات میں جلوہ گر ہو۔

علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے ،امام جریر طبریؒ ،حافظ خطیب بغدادیؒ،امام رازیؒ، حافظ ابن جوزیؒ ،حافظ سیوطیؒ وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں، ہندوستان میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں،اس سلسلہ کا اخیر نام حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے۔

تصانیف کے انواع

مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گو آٹھ سو کے قریب ہے،مگر ان میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی جن کو نئی اصطلاح میں مضامین و مقالات کہتے ہیں داخل ہیں،ان میں بعض اتنے مختصر ہیں کہ صرف صفحے دو صفحے میں ہیں،بعض ایسے ضخیم ہیں کہ کئی کئی جلدوں میں ہیں، بیشتر تصانیف نثر میں اور اردو زبان میں ہیں ،البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان میں ہیں،جن کے نام یہ ہیں،(۱) **سبق الغایات فی نسق الآیات**. (۲) **انوار الوجود**. (۳)**التجلی العظیم**.(۴) **حواشی تفسیر بیان القرآن**. (۵)**تصویر المقطعات**. (۶)**التلخیصات العشر**. (۷) **ماقدروس**. (۸) **الخطب الماثورة**. (۹) **وجوه المثانی**. (۱۰) **سبع سیاره**. (۱۱) **زیادات**. (۱۲)**جامع الآثار**. (۱۳) **تائید الحقیقه** ، اور تین فارسی میں ہیں،(۱) مثنوی زیر و بم،(۲)تعلیقات فارسی،(۳)عقائد بانیٔ کالج۔

نظم و نثر

نظم میں مولانا کی تصنیف صرف یہی ایک مثنوی زیر و بم ہے،اور یہ طالب علمی

کے بعد ہی لکھی ہے، بظاہر اس میں ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے مگر در حقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افروز حکایت ہے ایک اور نظم اوراد رحمانی کے آخر میں ہے، مولانا کو فارسی کے بیشمار اشعار یاد تھے، حافظ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے، اور نظم کا ملکہ اور سلیقہ بھی تھا، مگر کبھی اس سے کام نہیں لیا، ایک دفعہ میں نے اپنے برادرِ گرامی قدر مولوی مسعود علی صاحب کو جو تھانہ بھون میں مقیم تھے، اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا، اور ریاض مرحوم کا یہ مصرع لکھدیا:

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی، اور یہ مصرع بھی سنادیا، تو فوراً فقیروں کو بدل کر یوں فرمایا ؎

زندگی ہے تو سلیماں کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی، تو خاکسار نے ایک بیت کہی ؎

خواجہ بخشید مرا سبحۂ صد دانہ بلطف

دانہ انداخت ودر حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنادیا تو فرمایا: ''تو بھئی مجھے اس کا جواب کہنا پڑے گا'' مگر کچھ فرمایا نہیں سب سے آخر میں جب خاکسار نے ازخود حضرت کی تحریک واشارہ کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع واعتراف کا مضمون معارف میں شائع کیا اور ملاحظہ کے لئے بھیجا تو بہت مسرت ظاہر فرمائی، اور مثنوی کے وزن پر دس بارہ شعر لکھ کر بھیجے جو اس ہیچ میرز کے لئے وجہ سعادت ہیں یہ غالباً آخری نظم کی تصنیف ہے اور اس کا ایک نام بھی حضرت نے رکھ دیا ہے۔

موضوعات نثر

تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے، اور کم تر کتب درس کے متعلق، تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام وعقائد، فقہ وفتاویٰ اور سلوک وتصوف اور مواعظ اکثر ہیں۔

قرآن پاک کی خدمت

اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے، یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی وہ بجائے، خود ان کی ایک علمی کرامت ہے کانپور کے زمانہ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے، وہاں حبر امت اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **اللھم علمه الکتاب** کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی، مولانا فرماتے تھے کہ اس رؤیا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی، اور یہ رؤیا اسی کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی بلکہ لفظ ومعنیٰ دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے اور بڑے جید حافظ وقاری تھے، اور فنون تجوید وقراءت کے بڑے ماہر، اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی برکت سے قراءت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہوگئی تھی، مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے تو لوگوں نے ان کو بالقصد کسی جہری نماز میں امام بنا دیا، مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قراءت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی کہ صحت مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر مؤثر قراءت نہیں سنی، مولانا کی قراءت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس

میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی، لیکن لہجہ میں عام قاریوں کی طرح بناوٹ نہ تھی اور نہ تحسین آواز کے لئے بتکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

(۱) تجوید و قراءت و متعلقات علوم قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے مولانا نے اس فن پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) جمال القرآن:

یہ فن تجوید کا رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کی ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہیں، مخارج اور صفات حروف، اظہار و اخفاء ابدال وادغام تفخیم و ترقیق وقف و وصل کے مسائل درج فرمائے ہیں۔

(۲) تجوید القرآن:

اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں۔

(۳) رفع الخلاف فی حکم الاوقاف:

اوقافِ قرآنی کے بارہ میں قاریوں میں جو اختلاف ہے اس رسالہ میں اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے۔

(۴) وجوہ المثانی:

اس میں قرآن شریف کی مشہور قرآتوں کے اختلاف کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے، اور اخیر میں تجوید و قراءت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں۔

(۵) تنشیط الطبع فی إجراء السبع:

قراءت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

(٦) زیادات علی کتب الروایات:

اس میں قراءت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں، یہ وجوہ المثانی کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے۔

(۷) ذنابات لما فی الروایات:

یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے۔

(۸) یادگار حق القرآن:

اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے، یہ تجوید القرآن کا اختصار اور ضمیمہ ہے۔

(۹) متشابہات القرآن لتراویح رمضان:

قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہیں، ان سے بچنے کے اس میں چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہیں۔

(۱۰) آداب القرآن:

قرآن پاک کی تلاوت کے آداب، اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے ہدایات وتنبیہات ہیں۔

(۲) ترجمہ وتفسیر قرآن

(۱) ترجمہ:

قرآن پاک کا سلیس وبامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ

بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہیں، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے، اس لئے عام اردو خوانوں کے فہم سے باہر ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں، یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے، اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کے عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں، ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں، اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی ہونے نہ پائے، اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بڑھائے گئے ہیں، یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے۔

(۲) تفسیر بیان القرآن:

یہ بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے، جن کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا ہے، اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں، سلیس و بامحاورۃ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ نیچے ''ف'' کا اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے، لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے، کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، ذیل میں اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہیں، اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق ومعارف الگ لکھے گئے ہیں، ماخذوں میں غالبًا سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور مختلف ومنتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیریں صرف عوام اردو خوانوں کے لئے علماء لکھتے ہیں، یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انورشاہ صاحب نے اٹھا کر دیکھی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی، مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات وسور کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے، اور اس کا لحاظ اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے، مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے یکساں نہیں، اس لئے وجوہِ ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں، اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق ووجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے، اس لئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے۔

(۳) چونکہ مسلمانوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی، اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجان ودل ساعی رہتے تھے، اردو میں شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع تھے، وہ بالکل کافی تھے، مگر نئے زمانہ میں پہلے سرسید نے بضمن تفسیر اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے تو انہوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمے کریں اور اولین توجہ زبان کی طرف رکھیں اور اقوال سلف کی پرواہ نہ کریں، اس طرز عمل نے علماء کو مضطرب کر دیا اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی اصلاح کی جائے، مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت سے مجبور ہو کر کیا، مگر اسی پر کفایت نہیں کی، بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا، اور اس کے اغلاط پر نشان دے کر ایک رسالہ اس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا جس کا نام ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' ہے۔

(۴) مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا، اور انہوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے، اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیوں کہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے، بہر حال مولانا نے اس ترجمہ کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام ''اصلاح ترجمۂ حیرت'' ہے۔

(۵) بعض معاصر علماء نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں، جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے اور آیات کو بتاویل واعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے اور اس تاویل واعتبار میں کہیں کہیں حد اعتدال سے قلم نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھیں جن کا نام ''**التقصیر فی التفسیر** '' ہے۔

(۶) لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں ''**تفصیل البیان فی مقاصد القرآن** '' کے نام سے جمع کیا ہے اس کو مؤلف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے ''**الهادی للحیران فی وادی تفصیل البیان** '' کے نام سے ظاہر فرمائے۔

(۷) مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر وتقریر کو ضبط تحریر میں کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہوگیا اور اس کا نام ''**تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات** '' رکھا مگر چھپا نہیں۔

(۸) **رفع البناء فی نفع السماء :**

رفع البناء فی نفع السماء **اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً** کی تفسیر ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہیں، یہ در حقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے۔

(۹) **احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث:**

سورہ بقرہ کی تین آیتوں کی تفسیر پر نظر ثانی فرمائی ہے۔

(۱۰) اعمال قرآنی:

قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربوں میں آئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۱) خواص فرقانی:

اس کا موضوع بھی وہی ہے، اس کا ایک اور حصہ ہے، جس کا نام آثار تبیانی ہے، ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز شرعی تعویذ گنڈوں اور عملیات وسفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے، اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں۔

(۳) علوم القرآن

علوم القرآن کے متعلق مختلف مباحث ومسائل تو مولانا کی ساری تصانیف، مواعظ، ملفوظات اور رسائل میں ملتے ہیں، اگر ان کوئی یکجا کرے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے، مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے اول سبق الغایات ہے۔

(۱) **سبق الغایات فی نسق الآیات:**

یہ قرآن پاک کے آیات وسور کے ربط ونظم پر عربی میں ۱۵۶ر صفحوں کی کتاب ہے، جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا، اس میں مولانا نے سورۂ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تمام سورتوں اور ان کی آیتوں کے ربط پر کلام فرمایا ہے، اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابوالسعود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی "ارشاد العقل

السلیم الی مزایا القرآن الکریم" سے ماخوذ و مستنبط ہے، جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کردی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو "**قال المسکین**" کہہ کر بیان فرمایا ہے، یہ حصہ بھی اچھا خاصہ ہے، اور اخیر کی سورتوں میں زیادہ تر اضافات ہی ہیں، جن میں مؤلف نے ان سورتوں کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے، چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں، اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائیں مختلف ہوسکتی ہیں، تاہم ان سے مولانا کے ذوق قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

تفسیر البیان میں بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے۔

(۲) اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن:

مولانا کے چند مواعظ سے ان کے ایک معتقد و خادم نے ان اقتباسات کو یکجا کردیا ہے، جن میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہیں، افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو اس کے کئی حصے مرتب ہوسکتے تھے۔

(۳) دلائل القرآن علی مسائل النعمان:

مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی اور تفسیرات احمدیہ ملاجیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کردیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت انہوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہوگئے، جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے، بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے

مقام پر آ کر قلمبند فرمالیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام نام تمام رہ گیا۔[1]

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا لیکن اب تک اس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا، اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سن کر اپنے مستقر پر پہنچ کر اس کو بعینہٖ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی۔

(۴) تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات :

تفسیر بیضاوی میں حروف مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے، اس رسالہ میں بزبان عربی اس کو آسان کر کے بیان کیا گیا ہے، جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے۔

(۵) (٦) مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں، اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے، ایک کا نام "**مسائل السلوک من کلام ملک الملوک**" اور دوسرے کا نام "**تائید الحقیقه بالآیات العتیقه**" ہے، ان دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر ہے، جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مؤلف کی تالیف ہے جس کا قلمی

---

[1] رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۷ھ میں بھاولپور میں ملا تھا، اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے۔

(۴) علوم الحدیث

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو علوم الحدیث میں جو مہارت حاصل تھی، اس کی شہادت ان کے مواعظ ورسائل وتالیفات کے ہزاروں صفحات دے رہے ہیں، جن میں بے شمار احادیث کے حوالے، اشارے اور تلخیصات، ان کے مشکلات کی شرح، ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات ولطائف کا بیان ہے، خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ میں جو زبانی تقریریں ہیں برمحل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہٖ الفاظ مع ان کی تخریجات اور کتابوں کے حوالوں کے اس کثرت سے ان میں ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد ان کی ان تصانیف کو لیجئے جو گو فقہ وفتاویٰ اور احکام ومسائل یا اصلاح رسوم اور سلوک میں ہیں، لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، ان میں احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحت بیان کی تائید وشہادت کے لئے آئے ہیں، جو مؤلف کے علم ومعرفت پر دلیل قاطع ہیں۔

حضرت حکیم الامت کو فن سلوک کی تجدید کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابوں سے ان تمام حدیثوں کو یکجا فرمایا جن میں اس فن شریف کے مسائل متفرق تھے، اگر چہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں بعض ابواب زہد ورقاق کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان کی حیثیت فن کی نہیں، قدماء میں سے صرف ایک بزرگ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، جنہوں نے کتاب الزہد والرقاق کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ ہیچمدان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے، اس لئے اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کرسکتا، مگر قیاس یہ ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد ورقاق اور مذمت دنیا کے مضامین

کی احادیث پر مبنی ہوگی۔

اہل سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے، وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں، اسی لئے علماءِ سلوک کو اس فن میں کمزور سمجھا گیا ہے، اور اسی بناء پر اہل حدیث وروایت نے یہ بر خود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فن سلوک اور اس کے مسائل احادیث نبوی سے ثابت نہیں، اور صدیوں سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین نے ادھر توجہ فرمائی، اور اس سلسلہ میں کچھ کام انجام دیا، مثلاً امام ابن ابی جمرہ اندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح بہجۃ النفوس کے نام سے لکھی، جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس میں اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح میں سلوک کے مسائل ونکات کی طرف بھی اشارے کرتے جائیں، حضرت حکیم الامت نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا، اور **حقیقة الطریقة من السنة الانیقه التشرف بمعرفة احادیث التصوف** کے نام سے دو کتابیں تالیف فرمائیں۔

حقیقة الطریقة

۱۳۲۷ھ میں تالیف پائی ہے اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب **التکشف بمهمات التصوف** کا آخری جزء ہے، اور ساتھ ہی مستقل تصنیف بھی ہے، اس میں تین سوتیس احادیث سے جو عموماً صحاح مذکور ہیں سلوک وتصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے، اور ان کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم، مسائل، اقوال، توجیہات، اصلاح اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے یہ اہل علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے۔

التشرف

یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیہ کے کلام میں آتی ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ اصول وفن حدیث کے رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں ہے، اور جو روایات ان میں در اصل حدیث نہ تھیں بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث پاک یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث وآیات اور ان سے ان اقوال کی صحت کے طریق واستنباط پر گفتگو فرمائی۔

حصہ اول تشرف میں امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام غزالی کی تخریج احیاء العلوم ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں ہیں، جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے، یہ حصہ ۱۳۴۱ھ میں لکھا گیا ہے، حصہ دوم میں دفتر اول مثنوی مولانا روم اور اس کی شرح کلید مثنوی میں آئی ہوئی احادیث وروایات کی تخریج کی گئی ہے، ان احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام سخاوی کی "المقاصد الحسنة" سے التقاط کی گئی ہے یہ حصہ ۱۳۴۹ھ میں زیر قلم آیا، حصہ سوم وچہارم ان دونوں حصوں میں حافظ سیوطیؒ کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابوں کا بہ ترتیب حروف تہجی کا مجموعہ ہے، ان احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن سے مسائل سلوک مستنبط ہیں، اور ان کو بہ ترتیب حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے، ساتھ ہی تحقیقات خاصہ کا جابجا اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح وتطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا ہے، حصہ سوم صرف الف کی روایتوں پر مشتمل ہے اور ۱۳۵۰ھ میں ترتیب پایا ہے اور حصہ چہارم میں بقیہ حروف کی روایتیں ہیں، اور وہ محرم ۱۳۵۳ھ میں تکمیل کو پہنچا ہے۔

جامع الآثار

حضرات اہل حدیث کے اس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضرات حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے، کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی مؤطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنفیہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتب صحاح ومسانید ومصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں چن کر ان احادیث وروایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا، جن سے مسائل حنفیہ کی تائید ہوتی تھی۔

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہل حدیث کے ظہور وشیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی لئے اس ضرورت کا احساس بھی پہلے یہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے آثار السنن کے نام سے کتب حدیث سے التقاط کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا، علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا، یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ میں مدرسۂ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی مدح میں عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا۔

إحیاء السنن

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا، اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقھیۃ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہوگیا۔

جامع الآثار

کچھ دنوں کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآ ثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوۃ سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہوگیا، وہ چھپ کر شائع ہوگیا۔

تابع الآثار

یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآ ثار کا ضمیمہ بنایا گیا۔

احیاء السنن کا احیاء

۱۳۳۱ھ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہیں دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھ کر کام لیا جائے، چنانچہ مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، انہوں نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گزارتے جاتے تھے، اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا، اور اس کا نام دوبارہ احیاء السنن رکھا گیا، تا کہ مرحوم احیاء السنن کی یادگار ہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے، کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض

مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی اور اس پر استدراک لکھوانے کا خیال ہوا، اور آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا۔

الإستدراک الحسن

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدۂ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق وتنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے احیاء السنن کے شائع شدہ حصہ پر دوبارہ نظر کر کے اس کو الاستدراک کے نام سے شائع کیا گیا۔

إعلاء السنن

اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں[1] جن میں مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات اس کے شروح وحواشی میں یکجا کئے گئے ہیں۔

الخطب الماثورة من الآثار المشهورة

جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اس درجہ تکلف وتصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرزِ ادا اور مضامین ومطالب کے لحاظ سے عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے اسلوب سے ہٹ کر بلغاء اور خطباء کے اظہار قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہیں، حکیم الامتؒ کی اصلاحی نظر سے محراب ومنبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہیں رہا،

(۱) بعد میں یہ کتاب اٹھارہ جلدوں میں بزبان عربی طبع ہو کر شائع ہوئی۔

چنانچہ الخطب الماثورۃ من الآثار المشھورۃ کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا، تاکہ خطبائے مساجد ان مسنون خطبوں کو پڑھ کر ان تکلفات باردہ کے گناہ سے محفوظ رہیں۔

خطبات الأحکام

جمعہ اور عیدین کے پچاس خطبوں کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا جس میں احادیث وآثار وآیات سے ترغیب وترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد واعمال واخلاق کے مضامین درج فرمائے۔

مناجات مقبول

احادیث میں وارد شدہ اوراد واذکار مسنونہ کے لئے حصن حصین وحزب اعظم ملا علی قاریؒ وغیرہ کتابیں رواج پذیر ہیں، مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہیں، حضرت حکیم الامتؒ نے عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ان سب سے تلخیص کر کے مناجات مقبول قربات عند اللہ وصلوت الرسول کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے، جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے حد مقبول ہے۔

(۵) علوم الفقہ

حضرت حکیم الامتؒ کو مسائل فقہیہ کی تلاش وتحقیق کا خاص ذوق تھا اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ واساتذہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فتویٰ

نویسی کی خدمت لینی شروع کردی تھی، اگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ ء سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے، ہزاروں فتوے اور سیکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاویٰ اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، **وذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء.**

حوادث الفتاویٰ کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاویٰ سے بآسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

''بہشتی زیور'' کی دس جلدیں جو گو عورتوں کی ضروریات کے لئے ہیں، مگر ان میں تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہیں، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

ترجیح الراجح :

یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے اپنے ان مسائل کو جمع فرمادیا ہے، جن میں ازخود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کردی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرات تابعین وتبع تابعین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا۔

فتاویٰ اشرفیہ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں۔

بہشتی گوہر :

بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ جماعت عیدین وغیرہ۔

ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سنیما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے۔

(٦) علم کلام

علم کلام وعقائد وتوحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے جو شائع اور ذائع ہیں، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کر کے خود چند کتابیں تالیف فرمائیں، اور دوسروں سے ترجمہ کرائیں، مثلاً: ''اسلام اور سائنس'' کے نام سے ''**الحصون الحمیدیه**'' کا مولانا اسحاق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے، اس کے مصنف علامہ جسری ہیں جنہوں نے سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں اس کو ملک شام میں تصنیف فرمایا تھا اور جو نئے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں تاویل فاسد کا دروازہ نہیں کھولا گیا ہے۔

المصالح العقلیه للاحکام النقلیة تین حصوں میں ترتیب پایا ہے، جس میں اسلامی احکام ومسائل کے مصالح وحکم بیان کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں نماز وزکوۃ، دوسرے میں روزہ عیدین، صدقۂ فطر، قربانی، حج نکاح، وطلاق وغلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں، تیسرے حصہ میں خرید وفروخت ومعاملات، حدود وقصاص،

فرائض، عذاب قبر اور معاد کے متعلق اسلامی تعلیمات کے مصالح ہیں۔

الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة، یہ بھی کلام ہی کا باب ہے، اس میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مذہبی خدشوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہیں[1] اشرف الجواب بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو مواعظ وملفوظات سے جمع کیا گیا ہے، جس میں بہت سے نئے اور پرانے شبہات اور خطرات کے جوابات فراہم کئے گئے ہیں۔

(۷) علم سلوک وتصوف

علم سلوک وتصوف روح شریعت کا نام ہے، جس میں اخلاصِ دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے، قدماء صوفیاء نے اس فن پر جو کتابیں لکھی ہیں، مثلاً رسالہ قیشریہ امام قیشری، قوت القلوب ابوطالب مکی، کتاب اللمع ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطّوسی، کتاب الصدق ابوسعید خزاز، فتوح الغیب شیخ سہروردی اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی اور متاخرین میں تصانیف امام شعرانی، ان کو پڑھنے سے اس فن کو جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے، افسوس ہے کہ مصنوعی اور دوکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ بدعات کا مجموعہ بلکہ بطلان وضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، پھر ہندوستان میں ہندوؤں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہوگئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں، حتی کہ وحدت جود، وحدت شہود ولطائف ودوائر کے مباحث واعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں، جو یا تو علم کلام وفلسفہ یا اوہام وخیالات واحوال سے وابستہ ہیں، جن کا تعلق نفسیات سے ہے۔

---

(۱) آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات کے مطالعہ کے لئے بے نظیر کتاب ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔

اصل شئ جو اخلاص فی الدین، طلب رضا، حصول قرب اور اعمال واخلاق قلب ومقامات ہیں، اور جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے، تمام تر متروک ہوگیا تھا، صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا، اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب وسنت کے نور

میں اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا، اور زبان وقلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں رہا، وللہ الحمد!

اس سلسلے میں پہلی چیز قصد السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے، لیکن اس کوزہ میں دریا بند ہے، فن سلوک کے وہ تمام حقائق وتعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہوسکے ہیں، اور جن کے نہ جاننے سے سالکین وطالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کردیتے ہیں، اس میں لکھ دیئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل وتکمیل میں عمر صرف کردے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی ووافی ہے۔

جاہل پیروں اور دکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں اور اس زور وشور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے، حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنی ہیں، حضرت حکیم الامتؒ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل ہی کا نام طریقت ہے اور یہی خواص امت کا مذہب ہے اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے ؎

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوی شیخ
اب وہی ہوگا فقیہہ شہر جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا، اور اس کے متعلق **مسائل السلوک من کلام الملوک** اور **تائید الحقیقة بالآیات العتیقة** نام کے دو رسالے تالیف فرمائے ہیں، جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنت صحیحہ ہے اور یہ **التشرف** اور **حقیقة الطریقة من السنة الانیقة** میں مدون ہیں۔

اہل تحقیق کے لئے اس فن شریف پر ایک جامع کتاب **التکشف بمہمات التصوف** تالیف فرمائی، جو پانچ حصوں میں منقسم ہے، یہ حقیقت طریقت، حقوق طریقت، تحقیق کرامت اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل ہے۔

طریق اور سلوک کے اسرار ورموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کی جائے تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی معنوی، جو سرودنواز حقیقت ہے، خاص اہمیت ہے اور اسی لئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس میں رہی ہے، حضرت حاجی امداداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ بھی خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے، چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا اور منشی رحمت اللہ رعدی مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا بحرالعلوم کے بعد مثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہیں لکھی گئی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے حضرت حکیم الامتؒ نے اس مثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور مثنوی کے بیانات کی قرآن وحدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلیدی مثنوی میں تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبتدی بھی چاہے تو اس کلید کے ذریعہ سے مثنوی کا خزانہ کھول سکتا ہے۔

دیوان حافظ کی پر جوش و مرد افگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط مے نوشوں کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، بدگمانوں کو تو اس شراب معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہہ ہوا اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ ؎

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

حضرت حکیم الامتؒ کی معرفت اس تیز و تند شراب کے ''منافع و اثم'' سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے عرفان حافظ کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہو گیا۔

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

تربیت السالک

طالبین و سالکین کی تعلیم و تربیت کے لیے تربیۃ السالک و تنجیۃ الھالک کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا، جس میں سالکین کے مشکلات راہ، ذاکرین و شاغلین کے شبہات و خطراتِ راہ کے لئے ہدایات مندرج ہیں، یہ کہنا بے جا نہیں کہ علوم مکاشفہ و معاملہ کے متعلق کلیات و جزئیات اور احوال شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی نظیر و تصوف کے سارے دفتر میں موجود نہیں، ۱۲۷۲ر صفحوں میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات

ایک دوسرا اہم سلسلہ ملفوظات کا ہے، بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہے، یہاں تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت قطب الدین بختیار کعکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین

دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کر سکے، کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلم بند ہو سکے، وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیمیا اثر سے گزارنا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال و اہل احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لئے بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں۔

حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوا ہے، اور ان میں سے ہر ایک ان کی نظر سے گذرا کر چھاپا گیا ہے، اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے، سنجیدہ لطیفے، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالبوں کی ہدایات و تنبیہات، آداب و اخلاق کے نکات، اصلاح نفس و تزکیہ کے مجربات وغیرہ اس خوبی و دلچسپی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل اور دماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔

اصلاحیات

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کا یہ آخری باب ہے، اور خاصہ اہم باب ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہو سکتا ہے، اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالب علموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء و فضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے، اور سب کے لیے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی و غمی کے رسوم اور

روزمرہ کی زندگی تک کو وہ محیط ہیں، غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ

اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم چیز مواعظ ہیں، واعظ تو بحمداللہ زمانہ اخیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گزرے ہوں گے، مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں، لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہیں اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے بہت بڑا فضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر سے گذرا کر انکو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کریں، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، رد بدعات نصائح دلپذیر اور مسلمانوں کی مفید تدابیر وتجاویز پر مشتمل ہیں، اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیوں کی بھی کمی نہیں، مرتب ہوئے اور اکثر شائع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اٹھائے۔

سلسلہ اصلاح وتربیت میں حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد وعبادات پر گفتگو فرماتے ہیں، حضرت ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق ومعاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں، بلکہ اپنی تربیت وسلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے، حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا۔

حیات المسلمین

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب حیوٰۃ المسلمین ہے، جس میں قرآن پاک واحادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی ودنیاوی ترقی وفلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنی ساری تصنیفات میں اس کتاب کی تالیف میں جو محنت اٹھائی، وہ کسی میں نہیں پیش آئی، اوراسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنی ساری کتابوں میں اس کتاب کو اپنے لئے ذریعۂ نجات گمان کرتا ہوں۔

اس سلسلہ کی دوسری کتابیں اصلاح الرسوم صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہیں، اور ہر ایک کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو اوران کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے جو ہدایت کی منزل مقصود کی طرف جاتی ہے۔

افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمدان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت وعدم صحت کی سبب سے اس کو اس طرح پورا نہ کرسکا تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانوں کے لیے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے۔

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں[1]

---

[1] مآثر حکیم الامتؒ، ص:۱۸۱تا۲۰۵، معارف ج۵۳ شمارہ۲ فروری ۱۹۴۴ء

چوتھا مضمون

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وفات پر
علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مضمون

”موت العالِم موت العالَم“

محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲/سال ۳/ماہ ۱۰/روز جل کر ۱۵/رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامت، مجدد طریقت، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹/اور ۲۰ جولائی کی درمیانی شب کو ۱۰/ بجے نمازعشاء کے وقت اس دارِ فانی کو الوداع کہااوراپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین ومہجور چھوڑا، اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا، جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا

،جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی ،جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا،اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اپنی تعلیم وتربیت اورتزکیہ وہدایت سے ایک عالَم کو مستفید بنا رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی ،اسرار احسانی اور رموزِ حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرفِ زمانہ کیلئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

سوانح

حضرت کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن ہوئی ،ابتدائی عربی تعلیم تھانہ بھون میں مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے حاصل کی ،۱۲۹۵ھ سے شروع ۱۳۰۱ھ تک مدرسہ دیوبند میں رہ کر مولانا یعقوب صاحب کے حلقہ میں تکمیل کی ،فراغت کے بعد ہی ۱۳۰۱ھ میں مدرّس ہوکر کانپور آگئے اور چودہ سال یہاں مقیم رہے اور اپنے درس ،مواعظ اور فتاویٰ سے لوگوں کو مستفید کیا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے بواسطہ خط کے غائبانہ بیعت مہاجر الی اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے ۱۲۹۹ھ میں ہوچکی تھی ،لیکن ۱۳۰۱ھ کے آخر میں ایام حج میں بعد حج حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخذ فیض فرمایا اور واپس آکر ۱۳۰۶ھ تک علمی مشاغل ،تصنیف وتالیف اور تدریس کے ساتھ ذکر وشغل بھی ضمناً معمول رہا ،مگر ۱۳۰۷ھ میں مضطربانہ اور والہانہ حج کا دوبارہ ارادہ کیا اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر دوبارہ ایک زمانۂ خاص تک رہ کر استفادۂ باطنی فرمایا ،واپس آکر ۱۳۱۴ھ تک پھر کانپور میں رہے ،آخر حضرت حاجی صاحب کے مشورہ کے مطابق ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ترک

تعلق فرما کر تھانہ بھون میں متوکلانہ اقامت فرمائی اور اس وقت سے لے کر اخیر وقت تک یعنی اس ۱۳۶۲ھ تک اسی شان سے خانقاہ امدادیہ کی سہ دری میں بیٹھ کر افادہ میں برابر مصروف رہے اور ایک خلق کو اپنی برکات سے بہرمند فرمایا، اسی اثناء میں اپنے مواعظ تصانیف اور ملفوظات سے لاکھوں کو انسان، ہزاروں کو مسلمان اور سینکڑوں کو متقی کامل بنادیا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا یا پیش گوئی پوری ہوئی۔

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ تھون تشریف لے گئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں، میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔ ۱۲/ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

تصانیف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف و رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور کل کی کل تحقیقات علمیہ، حقائق دینیہ اور نکات احسانیہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر البیان، شرح مثنوی، فتاویٰ امدادیہ، التعرف الی التصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سینکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول و ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں، تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائیں، چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں، سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ ''بوادر النوادر'' کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے، خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک یہ اہتمام رہا کہ آج کے خط کا

جواب کل کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الگ ہے۔

تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سامنے سارے مسائل ومواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے، اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے، حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے، حضرت کا ترجمۂ قرآن پاک تاثیر، سہولت بیان اور وضوحِ مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے، بہشتی زیور کہنے کو عورتوں کی کتاب ہے، مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط وکاوش کا نتیجہ ہے، تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے، سلوک وطریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، زوائد وحواشی سے صاف کر کے قدماء اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔ ع

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستان میری

علالت طبع

حضرت کی صحت ادھر چند سالوں سے روبانحطاط تھی، دو دفعہ خاص علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لانا ہوا اور دونوں دفعہ صحت وعافیت کے ساتھ مراجعت ہوئی، علالت اصلی یہ تھی کہ معدہ وجگر کا فعل صحیح نہیں رہا تھا، علاج سے طبع مبارک اصلاح پذیر ہو جاتی تھی، مگر بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا تھا، اس دفعہ تین ماہ سے طبیعت پر اضمحلال طاری تھا،

چنانچہ علاج کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے، لیکن طبیعت صاف نہیں ہوئی، وطن میں حکیم سعید صاحب گنگوہی کا علاج شروع ہوا اور ورم جگر و معدہ کا مرض تشخیص ہوا، مگر فائدہ نہ ہوا، اشتہا ساقط تھی، روزانہ اسہال کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ گئی اور ضعف روز بروز بڑھتا گیا، وصال سے قریب بیس روز پہلے حکیم خلیل صاحب سہارنپوری کا علاج شروع ہوا، ضعف معدہ اور ضعف جگر کی تجویز تھی، حکیم صاحب کے علاج سے دستوں میں کمی آ گئی مگر اشتہا بالکل ہی ساقط تھی اور ضعف میں ترقی ہی ہوتی رہی۔

میری آخری حاضری

خاکسار جون کے آخر میں اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادہ سے روانہ ہوا لیکن لکھنؤ پہنچ کر دار العلوم ندوۃ العلماء کے معاملات نے الجھا دیا، لکھنؤ میں ہر روز حضرت کی شدت علالت کی اطلاعیں آ رہی تھیں، حضرت کے ہزاروں معتقدوں کی طرح خاکسار بھی زیارت کے لئے بے چین تھا، حضرت کی طرف سے سخت قدغن تھی کہ باہر لوگوں کو اس شدت علالت اور کیفیت مزاج کی کوئی اطلاع نہ دی جائے تاکہ مخلصین میں اضطراب نہ پیدا ہو، اور وہ سفر کی زحمت نہ اٹھائیں، جو پہنچ جاتے تھے عام طور سے بطور تنبیہ ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی، اس پر بھی خاکسار خلاف دستور بے اطلاع ۶ رجولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور ۷ رکی دوپہر کو عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھیگتے ہوئے پہنچا، دریافت حال سے معلوم ہوا کہ افاقہ کی صورت ہے جس سے تسکین ہوئی، میرا اس طرح خلاف دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لئے تعجب کا موجب ہوا، میری آمد کی خبر دینے والے سے پوچھا، ”تم مولوی سلیمان کو پہچانتے بھی ہو یا یونہی کہہ رہے ہو“ اس نے اثبات میں

جواب دیا، تو ارشاد ہوا کہ ان کی عادت بے اطلاع آنے کی نہ تھی، حضرت کے عزیز خاص مولانا جمیل احمد صاحب نے عرض کی، علالت کی (خبر) سن کر چلے آئے ہوں گے، نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضری ہوئی، ضعف سے بستر پر لیٹے تھے، مصافحہ فرمایا خاکسار نے دست مبارک کو بوسہ دیا، شفقت سے بشاشت ظاہر فرمائی، سفر کا حال پوچھا ،کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی، قیام کے دن پوچھے، خاکسار نے بھوپال کے سفر کی ضرورت ظاہر کی کہ سرکار بھوپال نے اپنی ریاست میں مسلمان عورتوں کے طلاق وتفریق کے مسائل کے طے کرنے کے لئے علماء اور اہل قانون کی ایک مجلس مقرر کی ہے، اسی کی شرکت کے لئے مع مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے مجلس کی تاریخ کی اطلاع تک یہاں چندروز رہنا چاہتا ہوں۔

فرمایا اللہ تعالی والیۂ بھوپال پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے مسلمان عورتوں کے حال پر رحم کھایا، خاکسار نے عرض کی کہ حضرت وہاں اب والیہ نہیں، والی ہیں، فرمایا ،ٹھیک ہے، غرض اس حالت میں بھی کہ ضعف پوری شدت پر تھا، تکلم میں تکلف تھا، پھر بھی حاضرین مجلس پر شفقت فرما کر ملفوظات سے ذرا، تھم تھم کر بہرہ ور فرمارہے تھے اور لوگوں کے آئے ہوئے خطوط سن رہے تھے اور بدستور جواب لکھوارہے تھے، بلکہ بعض بعض خطوط پر خود دست مبارک سے بھی لکھ دیتے تھے، کبھی جو قوت پاتے اور اس وقت کام کرنے لگتے یا ملفوظات ارشاد فرمانے لگتے تو تھوڑی دیر کے لئے حاضرین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ حضرت بیمار ہی نہیں، مگر ادھر جوش بیاں کم ہوا اور ادھر سر تکیہ پر رکھ دیا ہمیشہ کی عادت یہ تھی کہ بڑا تکیہ پیٹھ سے لگا کر سر کو بے سہارے اونچا رکھتے تھے، یہی حال اس وقت بھی تھا، دیکھنے والوں کو تکلیف معلوم ہوتی اور اس مشورہ کو جی چاہتا تھا کہ دوسرا تکیہ اور رکھ کر اس پر حضرت سر مبارک کو رکھ لیں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں یہ عرض کیا ،تو ارشاد ہوا نہیں، اس کی حاجت نہیں، بعد میں خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن

صاحب غوری ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولس یو پی، جو حضرت کے خلیفہ خاص، محرم خاص بلکہ خادم خاص ہیں) نے فرمایا کہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت یہی ہے، اس ضعف واضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم وضبط اور اصول وقواعد کی پابندی بدستور جاری تھی اور اخیر لمحۂ حیات تک اس میں فرق نہیں آیا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک عطیہ اور سید صاحب سے اہم گذارش

عصر کے وقت مجلس برخاست ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ کھانے کے الگ انتظام کی ضرورت نہیں، چند روز کے مہمانوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں، بڑے گھر سے کھانا جائے گا اور ایک خادم خاص کو اس کی ہدایت فرمائی، اس ناسزاوار کے لئے تو یہ خیر و برکت کا سامان تھا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب چاہو اور جس وقت چاہو آسکتے ہو کوئی قید نہیں، یہاں سے اٹھ کر جب خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت والا کی طرف سے حضرت کی آخری تصنیف ''بوادر النوادر'' کا ایک نسخہ مولانا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کر کے شائع کرو، اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا، دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے، انہوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں، عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں، ان کو یکجا کرلیا کرو۔

آخری حالات

میری حاضری ۷؍جولائی سے ۱۱؍جولائی کی دوپہر تک رہی، اشتہاء کا سقوط اور ضعف کا استیلاء اپنی حالت پر رہا، دست پانچ، چھ، سات تک آتے رہے، مزید یہ کہ ہاتھوں اور پاؤں پر ورم تھا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں میں نیلا ہٹ نمودار ہوگئی تھی، جو باعث تشویش تھی، دو روز کے بعد اس میں کمی آ گئی، مگر وفات کے چند روز پیش تر وہ پھر عود کر آئی تھی۔

خدمت اور خاص کر رات کے وقت نوبت بہ نوبت جاگ کر خدمت کی سعادت خدام خاص کی قسمت میں آئی، جن میں پہلا درجہ خواجہ صاحب کا ہے، ان کے علاوہ مولانا جمیل احمد صاحب، بندومیاں (ملازم نواب صاحب باغپت) اور مولوی شبلی صاحب جونپوری نے اس خدمت خاص کی سعادت اخیر تک پائی، بعد کو مولانا ظفر احمد صاحب بھی ڈھاکہ سے آ کر اس میں شامل ہو گئے۔

حاضری کے دوسرے یا تیسرے دن استفسار ہوا کہ کھانا تو مزاج کے موافق ہوتا ہے، عرض کی کہ بالکل مطابق ہے، کس تواضع اور کس شفقت اور کس بلاغت سے ارشاد ہوا کہ میں معافی کا خواستگار نہیں مستحق ہوں، اس نکتہ پر اہل ذوق نے تحسین کی سعادت پائی کہ ضعف ونقاہت کے اس عالم میں بھی دل ودماغ ناقصوں کی تربیت میں مصروف ہیں اور اکرام ضیف کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دو تین واقعے ذکر کے قابل ہیں، اسی اثنائے حاضری میں بنگال سے ایک معتقد با اخلاص کا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا، یہ تمہید لکھ کر اس میں تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام

کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہوگا،اس لیے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کے لیے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں۔'' خط کے جواب میں لکھوادیا'' تم اپنے دماغ کا کسی حاذق طبیب سے علاج کراؤ۔'' پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا'' اول تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء(علیہم السلام) کو ملتا ہے،اس میں اولیاء ومشائخ کو بھی حصہ ضرور ہی ملتا ہے۔'' اور اس کے بعد فرمایا'' اور اگر ایسا بھی ہو تو انبیاء علیہم السلام نے کیا کیا؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو حیات دنیا پر ترجیح دی)۔

ایک دفعہ بعد ظہر خط لکھوا کر فارغ ہو چکے تھے کہ اونگھ آ گئی،ہوشیار ہوئے تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا کہ اس تخت پر ایک لفافہ رکھا ہے جس پر عبدالعزیز لکھا ہے،خواجہ صاحب نے عرض کی ابھی حضرت نے خطوط لکھوائے ہیں وہی خیال قائم رہا،ارشاد ہوا ،ہاں یہ سچ ہے،مگر عبدالعزیز نام کیوں ہے،بات ختم ہوگئی،مجلس کے برخاست کے بعد خواجہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی عمر کیا تھی؟ میں نے کہا اسی بیاسی برس یاد آتا ہے(اب دارالمصنفین آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر شریف اکاسی برس کچھ مہینے ہوئی ہے،بہر حال اس سے خواجہ صاحب کی نکتہ شناس نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشابہ حال پر پہنچ گئی۔

ہر چند تاکید تھی کہ شدتِ علالت کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے،احباب اشارات وتلمیحات اور اطلاعات میں اپنے متعلقین اور دوستوں کو اطلاع دیتے تھے،غرض یہ تھی کہ زائرین ہجوم نہ کریں،اس پر بھی دور دور سے معتقدین آجاتے تھے،ایک صاحب نے پشاور سے آنے کی اطلاع کرائی،دوسرے نے گورکھپور سے،کسی نے کسی اور دور مقام سے،مگر ہر ایک سے یہی ارشاد ہوا کہ اجازت نامہ کہاں ہے،جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اعتراف قصور کرتے تو فرماتے تمہاری غلطی کا خمیازہ میں کیوں اٹھاؤں،پھر حاضرین

کی طرف خطاب کر کے فرمایا ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں، ایک سبق دے رہا ہوں، پھر اسی معنی کا خواجہ صاحب کا ایک مصرعہ پڑھا، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کے ناکام واپس جانے کا یہ اثر ہوگا کہ اس کو سن کر دوسرے لوگ آنے سے رک جائیں گے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا'' غرض یہ تھی کہ لوگ اس بے کار کی زحمت اور تکلیف سے خود بھی بچیں اور حضرت کو بھی ہجوم سے بچائیں۔

ایک روز بعد مغرب یاد فرمایا اور مشورہ چاہا کہ ''اشتہا مطلق نہیں اور ضعف بڑھ رہا ہے، گو میں اس کے نتیجہ پر راضی ہوں، مگر بہر حال اگر اس کی تدبیر کوئی ضروری ہو تو کرنا چاہئے۔'' اس اثناء میں خیال ظاہر فرمایا کہ ''لکھنؤ میں ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (ناظم ندوہ) کو (جو مزاج شناس تھے) لکھا جائے کہ صرف اشتہاء پیدا ہونے کے لئے کوئی نسخہ تجویز کریں۔'' خاکسار نے عرض کی کہ حضرت چار روز خط کے جانے میں اور چار روز آنے میں لگیں گے، اتنی دیر بہت ہے، پھر رائے ہوئی کہ سہارنپور میں کوئی اچھا ڈاکٹر ہو تو بلایا جائے، مگر دوسرے ہی دن مولوی محمد حسن صاحب اور دوسرے احباب لکھنؤ کا خط آیا کہ حکیم عبدالمجید صاحب لکھنوی جن کے علاج سے پہلے بھی فائدہ ہو چکا تھا، اگر اجازت ہو تو ان کو لے کر حاضر ہوں، چنانچہ اجازت کا خط لکھا گیا، طالبین کے خطوط بدستور آرہے تھے، لوگ حسب دستور ہدایا منی آرڈر سے بھیج رہے تھے، مگر شدت احتیاط بدستور قائم تھی اور وہ واپس ہو رہے تھے مگر اخلاص و محبت کے سرمایہ کو بہت خوشی سے قبول فرما لیتے تھے، ایک قریب کے نواب صاحب کی ایک رقم آئی تو قبول فرما کر ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کا ممنون ہوں کہ وہ دے کر الٹے خود ممنون ہوتے ہیں کہ اس نے (اپنی ذات کی طرف اشارہ) قبول کیا، ایک غریب نے کچھ پیش کیا تو اللہ اکبر اس کو آنکھوں سے لگایا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت گو ضبط، صبر اور استقامت سے اپنی تکالیف ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ

آئندہ کے خطرہ کو زبان پر لاتے تھے کہ دوسروں کے بے صبری نہ ہو، مگر بات بات سے سفر کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی، گو ان کی زندگی اور طرزِ زندگی جس صفائی، پاکیزگی اور باقاعدگی کی عادی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ وقت اخیر کے لئے کوئی کام اٹھا نہیں رکھا کہ سالک کامل ہر لمحہ کو لمحۂ اخیر سمجھتا ہے اور اسی کی تیاری رکھتا ہے، یہی حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، کوئی چیز کرنی باقی نہ تھی، تمام انتظامات، حساب و کتاب اور وصایا سے پوری پوری فراغت تھی، عادت شریف تھی کہ آج کا کام کل پر اٹھا کر نہیں رکھا، گویا ہر وقت آمادۂ سفر تھے۔

خاکسار کو بھوپال کی مجلس کی تاریخ ۹؍ کو تار سے معلوم ہو چکی تھی، ۱۰؍ کو رفیق سفر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا بھی مکرمت نامہ آ گیا، ۱۱؍ کی صبح کی مجلس کے بعد رخصت کی درخواست پیش کی، بایں ہمہ ضعف وقوت لیٹے ہی لیٹے دونوں ہاتھ رخصت کے لئے بڑھائے، حقیر نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دست مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں کو ملا، آہ! کس بلا کا رخصتانہ تھا، فرمایا، ”جاؤ خدا کے سپرد کیا۔“ یہ لفظ کانوں نے پہلے نہیں سنے تھے، آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور دیر تک چہرۂ مبارک پر جمی رہیں، کہ یہ جمال جہاں آرا شاید پھر دیکھنے کو نہ ملے، سو ایسا ہی ہوا۔

بعد کے اخیر حالات

خاکسار کے جانے کے دو ایک روز کے بعد حکیم عبدالمجید صاحب تشریف لے آئے اور علاج اپنے ہاتھ میں لیا، پہلے روز عرق دانۂ انار دیا، دوسرے روز ایک بٹیر کی یخنی دلوائی، تیسرے روز دو بٹیروں کی، مگر حکیموں کی ہر مسیحائی تدبیر محکمۂ تقدیر سے رد ہوتی رہی، حکیم صاحب کا ایک ہفتہ علاج رہا، مگر حالت میں تغیر نہیں ہوا، میں نے بھوپال سے مولانا جمیل احمد صاحب کو طلب خیریت کا خط لکھا، جس کے جواب میں دوشنبہ کے روز یعنی جس کی آنے والی شب میں وفات ہوئی، یہ تحریر فرمایا:

''حکیم عبدالمجید صاحب آئے تھے، ہفتہ پورا کر کے کل واپس جارہے ہیں حکیم سمیع اللہ (حضرت کے خلیفہ حقداد خاں صاحب لکھنوی کے صاحبزادہ) رہیں گے، علاج ان ہی دونوں کا ہے، افاقہ کی صورت نہیں، دست بہت ہیں، ضعف بیحد ہے، سانس میں تکلیف ہے، بائیں پاؤں میں کل سے سخت درد ہے ہم سب پریشان ہیں۔''

جمیل احمد، دوشنبہ

لکھنؤ میں ثقات سے جو حاضر تھے معلوم ہوا کہ دوشنبہ کے روز دست زیادہ آئے، ظہر کے بعد ضعف زیادہ محسوس ہوا، عصر کے بعد مولانا شبیر علی صاحب کو (جو حضرتؒ کے بھتیجے اور تمام امور خانقاہ و مدرسہ کے مہتمم و متولیّ تھے) یاد فرمایا، اطلاع دی گئی کہ وہ سہارنپور دوا لینے گئے ہیں، محل خورد سے فرمایا کہ امانتوں کا صندوقہ اٹھالو، (امانتیں وہ رقمیں تھیں جن کو اہل خیر حضرت کو وکیل بنا کر کارِ خیر کے لئے بھیجتے تھے) مختلف تھیلیاں مدوار ہوتی تھیں، ایک تھیلی میں بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ پانچ روپے ہیں، فرمایا، چھ ہوں گے، چنانچہ ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ کا نوٹ اور نکلا، ارشاد فرمایا کہ یہ کل رقمیں ان کے مالکوں کو واپس کردی جائیں، یہ اس مسئلہ شرعی پر عمل تھا کہ وکیل یا مؤکل کی موت کے بعد وکالت ختم ہوجاتی ہے اور ملکِ مالک کے تصرف میں واپس جانی چاہیئے۔ مولانا ظفر احمد صاحب کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر یہ بشارت نامہ لکھ کر وَ جَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (خاکسار کو بعد کو مولانا ظفر احمد صاحب کے والا نامہ سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ وفات سے دو دن پہلے کا ہے)۔

مغرب کے بعد حالت اور زیادہ نازک ہوئی، سانس کی تنگی محسوس ہوتی تھی، مولانا ظفر احمد صاحب نے ڈھا کہ واپس جا کر لکھا۔

''آپ تھانہ بھون سے بھوپال گئے اور یہاں سخت بھونچال آ گیا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہٗ نے دارالبقا کی طرف ارتحال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

کادت لهاشمّ الجبال تزول

یہ ناچیز اخیر وقت تک حاضر خدمت رہا، دل پر پتھر رکھ کر بیٹھا رہا قلب اطہر کی طرف متوجہ رہا، تشنگی رفع کرنے کے لئے آب زمزم دیتا رہا، یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا، یسین اور کلمہ کی تلقین کرتا رہا، غسل بھی دیا، نماز بھی پڑھائی۔"

رات کے دس بجے تھے کہ عشاء کی نماز کے لئے خدام قریب کی حوض کی مسجد میں گئے، کہ اسی اثناء میں وہ دم آگیا جس دم کے لئے ہر دم تیاری رہتی تھی، اور ودیعۂ حیات کی آخری سانس اس دنیا میں لے کر واصل بحق ہوئے۔

الهم انزل علیه شآبیب رحمتک وارفع درجته وارزقنا من برکاته.

اس وقت خدام خاص کی کیفیت خیال کے قابل ہے، جو ایک طرف اپنے محبوب کے فراق میں بیقرار تھے اور دوسری طرف مقام صبر ورضا کی تعلیم سے بہرہ ور تھے اور حق تھا کہ حضرت سرور انبیاء سید الرسل علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع میں وہ کہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب فرزند ابرہیم کی وفات کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ "اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں لیکن زبان سے ہم وہ ہی کہیں گے جس میں ہمارے پروردگار کی رضامندی ہو۔" تا کہ محبت اور تسلیم ورضا دونوں کا حق ادا ہو۔

تجہیز وتکفین کے متعلق یہی فیصلہ ہوا کہ صبح کو ہو، صبح کے وقت خبر کے لئے دو آدمی سہارنپور بھیجے گئے، ایک مدرسہ مظاہر العلوم میں جس سے حضرت کو بہت روحانی تعلق تھا اور دوسرا سہارنپور کے احباب کے پاس، اس صبح کی جانے والی اور آنے والی گاڑیوں میں آدھ ہی گھنٹہ کا فصل ہوتا ہے اس لئے جو لوگ سننے کے ساتھ جس حال میں تھے اسی حال میں چل پڑے، وہ تو پہلی گاڑی سے روانہ ہو سکے، مگر اس کے بعد بھی سیکڑوں آدمی اسٹیشن پر پہنچ گئے، چنانچہ دوسری اسپیشل ٹرین چھوڑی گئی اور قریب ڈیڑھ ہزار آدمی جنازہ کے وقت تک پہنچ سکے۔

حضرت نے ہر چیز کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، یعنی ایک زمین لے کر اس کو تکیہ یا قبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا تھا، ایک مختصر سے احاطہ کے اندر ایک زمین گھیر دی

گئی تھی، جس میں کچھ درخت بھی لگا دیئے گئے تھے، چھوٹی سی مسجد اور ایک مختصر سا سائبان بھی اس میں ہے، اسی میں دوسرے اعزہ اور خدام بھی آسودہ ہیں، اسی کے بیچ میں اس مخدوم کی استراحت ابدی کے لئے زمین چنی گئی۔

جنازہ کی نماز کے لئے مولانا شبیر علی صاحب نے مولانا ظفر احمد صاحب کو اشارہ کیا، مجھے معلوم ہوا کہ پہلے تو مولانا ظفر صاحب نے تواضع کرنا چاہا مگر انہیں اپنا خواب یاد آیا تو آگے بڑھے اور نماز جنازہ ادا کی، میں نے سنا کہ مولانا ظفر احمد صاحب ڈھاکہ میں تھے اور حضرت کی شدتِ علالت کی خبریں جارہی تھیں، اور گھر سے آنے کے لئے شدید تقاضا بھی ہورہا تھا تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ تھانہ بھون پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک نماز پڑھانے والا آگیا۔

یہ واقعات تھانہ بھون میں ۱۹؍اور ۲۰؍جولائی کو پیش آئے مگر باہر والوں کو اطلاع دو دن بعد ملی، دہلی میں ۲۱؍کو لکھنؤ میں ۲۲؍کو، مذہبی حلقوں کو اطلاع دو دن بعد ملی اور عربی مدرسوں میں سناٹا چھا گیا۔

خاکسار اب تک بھوپال میں تھا، عنایت الٰہی دیکھئے کہ عین شب وصال خواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب مجھ سے فرمارہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہوگئی صبح اٹھ کر میں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے یہ خواب بیان کیا، دونوں چپ رہے، مفتی صاحب ۲۱؍جولائی کو اور خاکسار ۲۲؍جولائی کو بھوپال سے روانہ ہوئے، میں ۲۳؍کی دوپہر کو لکھنؤ پہنچا اور ندوہ آیا، حادثہ سے بالکل بے خبر تھا، مدرسہ پہنچنے کے ساتھ میرے بچے سلمان سلمہٗ نے سب سے پہلے خبر دی اور اتفاق دیکھئے کہ بھوپال سے خط تو میں نے خیر وخیریت کے لئے مولانا جمیل احمد کو لکھا تھا، چنانچہ انہوں نے دوشنبہ کے روز شدت علالت اور مایوسی کی اطلاع لکھی اور اس کی دوسری طرف بلا توقع مولانا شبیر علی صاحب کے قلم کی عبارت یہ تھی۔

حضرت مخدوم معظم دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحریر خط ہذا ۱۹؍۲۰؍جولائی کی درمیانی شب میں حضرت والا کا وصال ہو گیا ،انا للہ وانا الیہ راجعون ،بجز اطلاع کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں، کیونکہ الفاظ اظہار کے لئے نہیں ملتے۔ مصیبت زدہ شبیر علی

۲۴؍کو سہارنپور اور دہلی سے مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا الیاس صاحب کاندھلوی لکھنؤ دارالعلوم میں آئے تو مزید اطلاعات اور تفصیلات معلوم ہوئیں،۲۶؍جولائی کا لکھا ہوا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا غم نامہ ملا۔

مکرم محترم دامت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ اب آپ بھوپال سے واپس آ گئے ہوں گے، میں نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا تھانویؒ کے وصال کی خبر سنی ،آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا فوراً یاد آیا کہ جس شب کو مولانا نے دنیا کو چھوڑا ،یعنی دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب،اسی رات کی صبح کو جناب نے بھوپال......میں مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ نے مولوی شبیر علی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں حضرت بالکل صحت یاب ہو گئے،آپ کا خواب سچا ہوا،مولانا نے دنیاوی تکالیف سے بالکل صحت پائی،اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے،انا للہ وانا الیہ راجعون،رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً واسکنہ الفردوس الاعلیٰ ،ہندوستان ایک حکیم الامت مجدد الملت سے محروم ہو گیا۔“

حضرت کے ایک خلیفہ نے جن کو صدق رؤیا کی نعمت ملی ہے وصال کی دوسری یا تیسری شب خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں میرے فیوض اب بھی جاری رہیں گے،اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام شہداء (فرمایا یا مقام شہود)عطا فرمایا،حضرت نے

اسہال کے مرض سے وفات فرمائی اور حدیث نبوی ہے" **والمبطون شهید**" (پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے)۔

مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی (علیگ) مالک انوار المطابع لکھنؤ نے جو حضرت کے خدام قدیم میں سے ہیں بیان کیا اور انہوں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری بی.اے (علیگ) سے سنا ان کو چھوٹی پیرانی صاحبہ سے معلوم ہوا (خواجہ صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں) کہ جس وقت روح مبارک پرواز کر رہی تھی حضرت کے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے بیچ میں ایک نگینہ سا چمکتا معلوم ہوتا تھا، جس کو انہوں نے دیکھا اور دوسری عورتوں نے بھی دیکھا۔" محرم خاص حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ جو نور ہدایت حضرت کے ذریعہ پھیلا وہ زیادہ تر ان کی انگلیوں یعنی تصنیفات کے ذریعہ سے پھیلا، اس لئے وہ نور انگلیوں ہی کے درمیان ممثل ہو کر نظر آیا **واللہ اعلم بالصواب**.

حضرت کے بہت سے محبین کی طرح ایک محبّ خاص مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو اس عقیدت وعظمت کی بناء پر جو ان کے دل میں تھی حضرت کی مغفرت کے لئے دعا مانگنے میں دلی کشمکش محسوس ہوتی تھی، انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہیں کہ دفعۃً حضرت تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لئے دعاء مانگا کرو۔

حل ایں نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانہ میں نمونہ کے لئے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس گئی۔

رحمه الله تعالیٰ وادخله اعلیٰ علیین وصلی الله تعالیٰ علی النبی الامین واٰله واصحابه اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

(یاد رفتگاں، از علامہ سید سلیمان ندویؒ، ص: ۲۵۳ تا ۲۶۸)